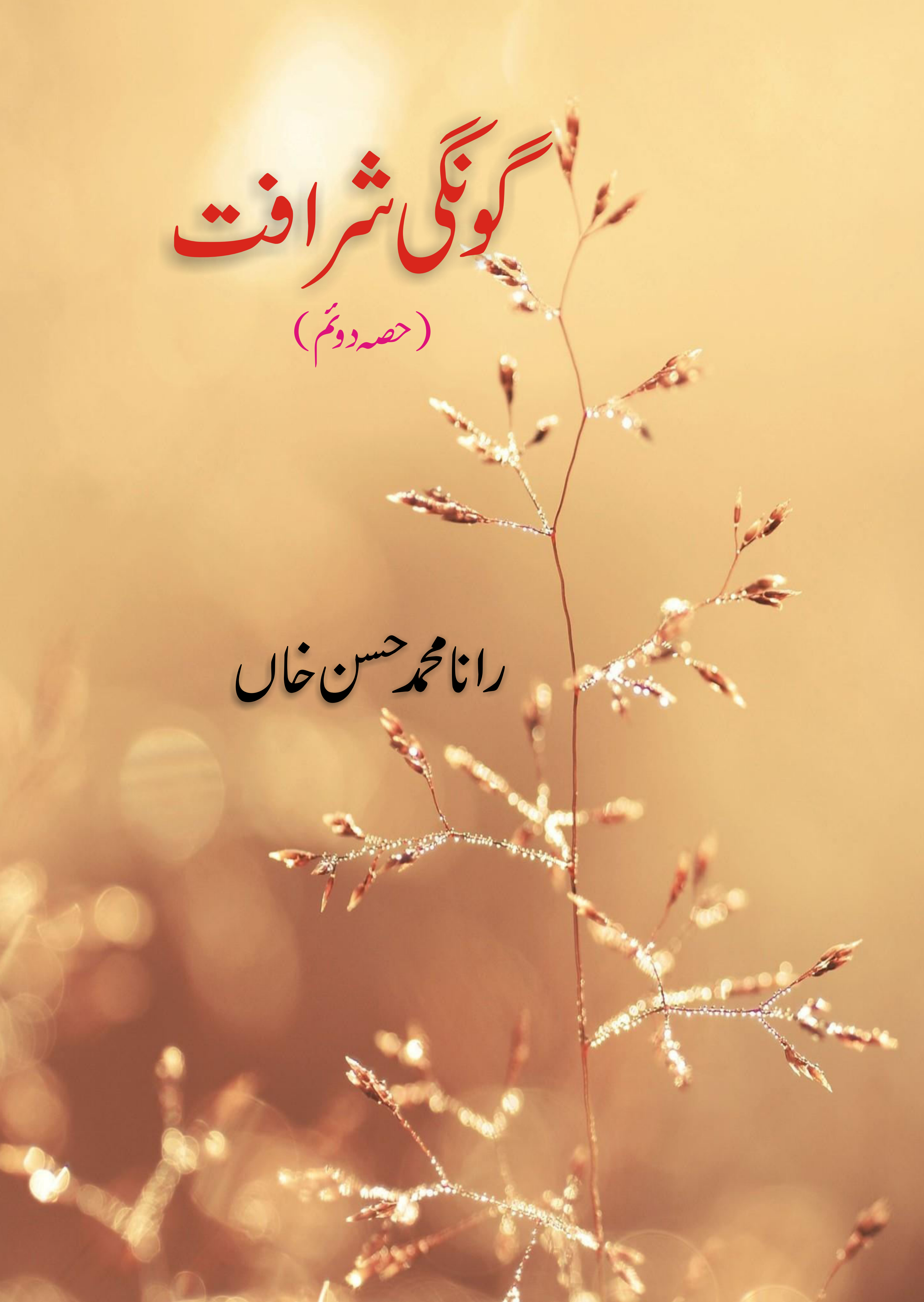

گونگی شرافت

(حصہ دوئم)

رانا محمد حسن خاں

RH DREAM EVENTS LIMITED
TEL: 020 3674 7909
MOB: 077 9299 8973
Venue Hire
Decoration
Catering
Cutlery & Crockery
Service Staff
Package Price
Event Management
Cinematic Videography
Photography
DJ-Dhoolchi
Chauffeur Service
2 London Road, SM4 5BQ Morden - Surrey
Tel. 020 3674 7909 - Mob. 077 9299 8973 (Mon-Fri 10:00 - 17:00)
Email: info@rhacs.co.uk - Web: www.rhdreamweddings.com

گونگی شرافت

(حصہ دوئم)

رانا محمد حسن خاں

جُملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب **گونگی شرافت** (حصہ دوئم)

مُصنّف رانا محمد حسن خاں

ناشر رانا محمد ثاقب رشید (لندن)

معاونین رانا عبدالصمد خاں، محمود الحسن خاں

سن اشاعت اکتوبر ۲۰۲۲ء

قیمت ------

رابطہ

2. London road sm4 5bq Morden.

E.mail. peshwaltd@gmail.com

Tel. 02036747909

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انتساب

سیاسی، معاشی اور سماجی ناانصافی کی بدولت دنیا بھر میں بسنے والے
دکھی، لاچار اور غربت کی چکی میں دن رات پسنے والے مفلسوں
اور دُعا گو شفیق والدین، بیوی بچوں کے نام

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
1	پیش لفظ	1
2	اوپن ہارٹ سرجری	3
3	لوئی پاسچیئر	7
4	حمزہ عباسی بمقابلہ مولوی	11
5	لفظ ''توفی'' کی حقیقت	13
6	عامر لیاقت کے خلاف فتویٰ	16
7	امجد صابری کا قتل	18
8	برطانیہ میں ریفرینڈم	19
9	طلاق اور حلالہ	21
10	ٹی وی توڑ دیں	30
11	غوری سے بلبن تک	31
12	توہین خدا قانون کیوں نہیں	33
13	کشمیر کی آزادی	34
14	غرض کا خلوص سے تعلق	38
15	ملائیت اور مذہبی انتہا پسندی	42
16	بابائے کیمسٹری جابر بن حیان	43
17	زہرہ اور ہماری زمین	47
18	ایم کیو ایم	49
19	شیطانی قوتوں کا سردار	50

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
20	ایک سے زائد شادیاں	51
21	قرض لینا خودکشی ہے	53
22	''ہاتھ دھو کر شام کے پیچھے	59
23	اجالے پڑ گئے''	
24	ٹوائلٹ ڈے	61
25	مذہب کا معاملہ	63
26	''الزام اپنی موت کا	64
27	موسم پہ کیوں دھروں''	
28	قائداعظم پر الزام یا حقیقت	69
29	فیصلہ سپریم کورٹ کے ہاتھ میں	74
30	ناموس رسالت ﷺ ریلیاں	76
31	وہ کافر نہیں ہوتا!	77
32	ریاست کے پروں کے نیچے	78
33	سعودی، قطر تنازعہ	80
34	سعودی اسلام اور اقلیتیں	85
35	آخری فیصلہ!	91
36	سانحہ احمد پور شرقیہ مجرم کون؟	94
37	بڑا بش کون؟	96
38	مولوی طاہر قادری اور مسلمان	98

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
39	ہندو جمہوریہ ہندوستان	100
40	کیا میں نام کا مسلم ہوں؟	102
41	مسلمان باغیرت قوم ہے؟	107
42	بدذات فرقہ مولویاں	108
43	جمشید مسیح کے مقتول بیوی بچے	109
44	پاکستان میں کب اور	110
45	کیا کیا مر گیا؟	
46	منحوس فیصلہ	111
47	ہم پر الزام کیا ہے؟	112
48	انصاف سے ناانصافی تک	113
49	قومی ہیرو اختر حسین ملک	117
50	مظلوم یمنی و روہنگیا مسلمان	123
51	ملائشیا کی مظلوم اقلیتیں	127
52	بدبودار داڑھیں	131
53	علم طب کا امام	133
54	اسلام اور پاکستان کے	137
55	خلاف سازش	
56	پاکستان کا مطلب کیا؟	142
57	شیرون مسیح کا قتل	143
58	اجتماع برائے ختم نبوت	144

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
59	جماعت اسلامی اور تحریک لبیک	145
60	نااہل اور کمینے	147
61	غیر متزلزل ایمان	149
62	امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ	151
63	مصر میں اقلیتوں کی حالت زار	156
64	عالم دین بکری	161
65	جنت، دوزخ اور مولوی	162
66	''قہر ہے بات بات پر گالی''	166
67	مذہب کی حقیقت	168
68	شاہ رخ جتوئی کی رہائی	172
69	تحریک عدل اور تحریک قصاص	173
70	ولیم کنراڈ رونتجن	176
71	مشہور شہر ہمبرگ	179
72	آئین پاکستان اور فکر قائداعظم	184
73	انڈونیشیا میں اقلیتوں کی حالت زار	189
74	اسٹیفن ہاکنگ	194
75	ابوالفضل علامی	199
76	مذہب اور جذبہ حب الوطنی	208
77	برصغیر پاک و ہند میں	213
78	فرقہ واریت کا آغاز، غدر اور مذہبی تحریکات	

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

عاجز اپنے ربّ کا انتہائی شکر گزار ہے جس نے اپنے فضل واحسان سے ''گونگی شرافت'' کا دوسرا حصہ شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ میرے اُن تمام کرم فرماؤں کو اجر عظیم عطا فرمائے جنہوں نے گونگی شرافت (حصہ دوم) کو زبان عطا کرنے اور شائع کرنے میں بھر پور تعاون فرمایا۔ عاجز اُن مصنفین کا بھی غائبانہ طور پر شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہے جن کی قیمتی کتب سے عاجز نے موتی چُنے اور پھر ان سے کتاب کو آراستہ کیا ہے۔ خاکسار کی رفیقہ حیات محترمہ شگفتہ حسن صاحبہ نے بھی قیمتی مشوروں سے نوازا اور پرسکون ماحول فراہم کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی دین ودُنیا کی حسنات سے نوازے۔ آمین۔

''گونگی شرافت'' (حصہ دوم) اس عاجز کے ان مضامین وتبصروں کا مجموعہ ہے جو اپریل ۲۰۱۶ء سے جون ۲۰۱۸ء تک سہ ماہی رسالہ پیشوا انٹرنیشنل لندن اور دیگر رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس مجموعہ کا گونگی شرافت نام رکھنے کی وجہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سچ بولنے اور غلطیوں کی نشاندہی کو جرم سمجھا جانا بنا ہے۔ وطن عزیز کی بربادیوں اور ناکامیوں کی سب سے بڑی وجہ اشرافیہ کا گونگا ہونا ہے۔ عوام اور اشرافیہ کی گونگی شرافت نے جو گل کھلائے ہیں اس پر تمام قومی ادارے عالمی جگ ہنسائی کا باعث بن چکے ہیں۔ وطن عزیز میں بے شمار ایسے دانشور اور صحافی پائے جاتے ہیں جو بہت اچھی اچھی باتیں اور برے حالات وواقعات پر تبصرے بھی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن آپ کو کوئی ایک بھی ایسا نہیں ملے گا جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی بار بار کی جانے والی عصمت دری پر سراپا احتجاج ہو اور یہ مطالبہ کرے کہ آئین پر لگے سیاہ دھبے صاف کر کے اسے اس کی اصل شکل میں بحال کیا جائے۔ اسی طرح جرنیلوں کی من مانیوں پر بھی سبھی کے لب خاموش ہیں، کوئی ان سے یہ نہیں کہتا کہ پاکستان صرف تمہارا نہیں، ہمارا بھی ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں انصاف کا پھول بن کھلے ہی مرجھا چکا ہے، کوئی یہ نہیں کہتا کہ ایسے منصفوں کو جو انصاف فراہم نہیں کر سکتے انہیں انصاف کے ٹھیکیدار بننے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کرپٹ سیاستدان ایوانوں میں دندناتے پھرتے ہیں کوئی یہ نہیں کہتا کہ ان سے ان کی اوقات کے مطابق سلوک ہونا چاہیے۔ مولانا حضرات سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ تم لوگوں نے اسلامی

جمہوریہ پاکستان کو کافرستان، منافقستان اور پلیدستان بنا کرا تنے لوگ مروا دیے ہیں کہ اب ملک ''قبرستان'' لگنے لگا ہے۔ کوئی مولانا حضرات سے یہ نہیں کہتا کہ جو اسلام تم ہمیں پڑھا اور دکھا رہے ہو وہ ہمارے حبیب آقا رسول اللہ رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اسلام نہیں ہے۔ بجائے اس کے کہ دانشور، صحافی ، سیاستدان، جرنیل اور منصف ان مولانا حضرات کو واشگاف الفاظ میں بتاتے کہ اے نانہجارو! تمہاری تمام کاروائیاں خلاف اسلام ہیں، الٹا ان کے ہاتھ میں توہین مذہب قانون نامی آئینی کلہاڑا تھما کر انہیں اپنے کندھوں پر بٹھا لیا۔ کوئی نہیں کہتا کہ دن رات زندہ باد مردہ باد کہنے والے احمق ووٹرو! جو خواب سیاستدان، جرنیل اور مولانا حضرات دکھا رہے ہیں وہ دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں۔ کوئی یہ بھی نہیں کہتا کہ ۷۵ برس میں جو گلا سڑا نظام دو کروڑ اٹھائیس لاکھ بچوں کو اسکول نہیں بھیج سکا اسے دفن کر دینا چاہیے۔

معزز قارئین! ''گونگی شرافت'' میں پیش کیے گئے سبھی مضامین میں وطن عزیز کے سلگتے مسائل کو اجاگر کرنے کی ایمان داری سے کوشش کی گئی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں رہتے ہوئے بے لاگ تبصرے کرنا ممکن نہیں ہے مگر اب پاکستان میں بسنے والے مفلوک الحالوں کو لازماً لب کھولنے ہوں گے گونگی شرافت کے خود ساختہ بت توڑ کر سچ کا علم بلند کرنا ہی ہوگا ورنہ زندہ درگور ہوتے ہی رہیں گے۔ اشرافیہ کو اپنا قبلہ درست کر کے اپنے یارانے کرپٹ عناصر سے توڑ کر عوام کے شہری حقوق کے لیے آواز بلند کرنا ہی ہوگی ورنہ اشرافیہ کو بھی جب طوفان اٹھے گا تو تنکوں کی طرح بہا لے جائے گا۔

امید ہے کہ معزز قارئین کو عاجز کی یہ ادنیٰ سی کاوش پسند آئے گی۔ ہر انسان سے غلطیاں سرزد ہو جایا کرتی ہیں یقیناً اس عاجز سے بھی نادانستہ طور پر اس کتاب میں غلطیاں ہوئی ہوں گی۔ امید ہے قارئین درگزر فرمائیں گے، یقیناً نشان دہی کی صورت میں اصلاح بھی ہو جائے گی۔

رحیم و کریم ربّ کائنات میرے وطن اور ہم وطنوں کو سیدھا رستہ اور شادمانی عطا فرمائے۔

آمین یاربّ العالمین

طالب دُعا

رانا محمد حسن خاں

اوپن ہارٹ سرجری

اگر دل بیمار ہو جائے تو بائیں جانب اور دل کے پچھلی جانب شدید درد ہوتا ہے اور جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ عام دستور یہی ہے کہ مریض کو فوراً اسپتال لے جایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر چند ٹیسٹ کرانے کے بعد مریض کو بتاتا ہے کہ کتنا نقصان ہو چکا ہے۔ اگر نقصان بے انتہا ہو چکا ہو تو مریض کو بتایا جاتا ہے کہ آپ کا علاج اوپن ہارٹ سرجری ہے۔ مریض جو کہ مرنا نہیں چاہتا اس علاج کو غنیمت سمجھتے ہوئے سرجری کروا کر جی اُٹھتا ہے۔ مکمل ٹھیک ہونے میں چند ہفتے یا بعض صورتوں میں کئی مہینے درکار ہوتے ہیں۔ جناب نواز شریف کا دل چونکہ پانامہ لیک کی وجہ سے زیادہ دھڑکنے لگا تھا اس لیے ان کے سیاسی اور معاشی ڈاکٹروں نے ان کی سرجری کروا ڈالی۔ اور اب وہ لندن میں تکے کباب اُڑا رہے ہیں۔ سچ ہے، تندرستی ہزار نعمت ہے۔

عرصہ ہوا پاکستان کو فالج ہوا تھا اور اس کا ایک حصہ مفلوج ہو گیا تھا فوجی و سیاسی سرجنوں نے اسے پاکستان کے وجود سے علیحدہ کر دیا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس مفلوج حصے نے پاکستان سے علیحدہ ہوتے ہی تندرستی کی جانب بڑھنا شروع کر دیا اور اب اتنا صحت مند ہو گیا ہے کہ اس نے اپنے وجود سے چمٹے نام نہاد مولوی نامی بیکٹیریا سے نجات حاصل کر کے خود کو مزید بیماریوں سے محفوظ کر لیا ہے۔ اور پاکستان کے وجود کو فالج کے حملہ کے بعد بے شمار بیماریوں نے گھیر رکھا ہے اور بعض بیماریوں نے ناسور کی شکل اختیار کر لی ہوئی ہے۔ وہ پھپھوندی جو پاکستان کے ماتھے پر ۱۹۴۷ء میں نمودار ہوئی تھی اس نے تو سرطان کی شکل اختیار کر لی ہے۔ مولوی نامی بیکٹیریا نے اسی دور میں طاقت پکڑنی شروع کی تھی اور اب وہ اتنا طاقت ور ہو گیا ہے کہ اسے پاکستان کے تمام دفاعی نظام کنٹرول کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا دفاعی نظام میں بھی یہ بیکٹیریا اپنے قدم جما چکا ہے۔ اس وقت پاکستان کا علاج کرنے کا دعویٰ کرنے والے سب سیاسی، معاشی، عدالتی اور فوجی سرجن بھی مولوی نامی جان لیوا بیکٹیریا کا شکار ہو چکے ہیں۔ پاکستان کو صرف ایک مولوی نامی بیکٹیریا نے ہی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ اس بیکٹیریا کی وجہ سے کئی دوسری اقسام کے سرطانوں نے بھی اسے ہلکان کر رکھا ہے۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھ لیں کہ جس کو ایڈز ہو جائے اس کا تمام دفاعی نظام آہستہ آہستہ

بیکار ہوتا چلا جاتا ہے، کسی بھی قسم کی مزاحمت نہ ہونے کی وجہ سے انفیکشنز کینسر میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔اور یہ کینسر مریض کے بدن کے ہر حصے میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو کر مریض کو دردناک موت سے ہمکنار کر دیتے ہیں۔

اس وقت وہ پاکستان جسے تندرست رکھنے کے لیے اسلام کا چوغہ پہنا کر اسے اسلامی پاکستان بنایا گیا تھا، نہایت لاغر ہو چکا ہے، اس کے انگ انگ سے خون رس رہا ہے۔ضیاء الحق نامی فوجی سرجن نے بھی اس کا علاج اسلام سے کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کو بیماریوں سے پاک کرنے کے لیے احمدیوں کے جذبات اور احساسات کا خون بھی اس کی رگوں میں انڈیلا تھا اور احمدیوں کے معصوم بدنوں کے ٹکڑے بھی اسے کھلائے اور اسکے دامن میں ابدی نیند سوتے احمدی مُردوں کو بھی جھٹکے دیے تھے۔اس سرجن نے پاکستان کو کوکین، گانجے، ہیروئین اور دوسرے نشے بھی کروائے اور کلاشنکوف سے خوب فائرنگ کروائی کہ شاید اسے زندگی سے محبت ہو جائے۔مگر یہ سب کوششیں اس کی بیماریوں کو بڑھاوا دینے والی ثابت ہوئیں۔پھر اس کے علاج کے لیے اربوں ڈالر کا قرضہ لیا گیا مگر پاکستان کی بیماری بڑھتی ہی جا رہی ہے

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

اس وقت فوجی سرجن پاکستان کے بدن پر رینگتے کیڑوں کا قلع قمع کرنے کی کوشش میں مصروف ہے، وہ جتنے کیڑوں کو ہلاک کرتا ہے، پہلے سے زیادہ خونی کیڑے ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔اس بے چارے بھولے بھالے سرجن کو یہ سمجھ ہی نہیں آ رہی کہ سرجن کا کام یہ ہوتا ہے کہ پہلے جڑوں کا تعین کرے اور ان کو کاٹے۔اس ساڑھے چھ فٹ کے طاقتور فوجی سرجن کی تربیت میں یقیناً کہیں کوئی کمی رہ گئی ہے۔اس سرجن کا مشاہدہ نہایت کمزور ہے، ایک جاہل زمیندار بھی جانتا ہے کہ اگر کسی پودے کی جڑ کاٹ دی جائے تو اس کے پھول، پتے اور ٹہنیاں کچھ دیر میں خود بخود سوکھ کر خاک ہو جاتے ہیں۔مریض پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ اسے ایسے جاہل معالج ملے جو خونی پودوں کی جڑوں سے محبت کرتے ہیں اور کمزور ٹہنیوں کو کاٹ کر فتح کا جشن مناتے ہیں یا فتح کی تمنا رکھتے ہیں۔ایک انگلش محاورہ ہے کہ

"Nip the evil in the bud."

سرجن صاحب کو نواز شریف کی فراست سے ہی کچھ سیکھ لینا چاہیے تھا۔نواز شریف نے مرنے سے بچنے کے لیے ادھر ادھر منہ مارنے کی بجائے فوراً انگریز سرجن سے رجوع کیا، اور اپنے دل کے اندرون کو پاک صاف کروالیا۔دل کی وہ نالیاں جن میں کچرا آ گیا تھا یا گلنے سڑنے کی طرف مائل تھیں، سرجن نے بے رحمی کے ساتھ کانٹ چھانٹ کر کے ان عوامل کا خاتمہ کر دیا جن کے رہنے سے فالج کا حملہ یا جان جانے کا خطرہ تھا۔نواز شریف نہایت تیز نظر رکھتے ہیں وہ ہر خطرے کو وقت سے پہلے بھانپ لیتے ہیں۔اسی تیز حِس کی وجہ سے وہ تین مرتبہ وزیر اعظم بن چکے ہیں۔انہوں نے اپنے اور اپنی پارٹی کے وجود کو تنومند رکھنے کے لیے کبھی کسی اصول کی پرواہ نہیں کی، جب ضرورت پڑی ضیاء الحق کو اپنا سیاسی باپ قرار دے دیا، جب ضرورت پڑی سعودی عرب کو اپنا نجات دہندہ قرار دے دیا، کالعدم مذہبی تنظیموں سے روابط قائم کر کے سیاسی قد کاٹھ بڑھالیا، اور اپنی دشمن سیاسی جماعت کے ساتھ مفاہمت کر لی۔

پاکستانیوں نے لہولہان پاکستان کو ایسے بندر کی حیثیت دے دی ہے جسے ہر حال میں ناچنا ہے اور ان کے لیے تماشائیوں سے دولت اکٹھا کرنا ہے ۔ پاکستان ستر سال بغیر وقفہ کے سیاستدانوں ، مذہبی راہنماؤں اور فوجیوں کے اشاروں پر ناچ ناچ کر بے حال ہو چکا ہے۔اسے ایک مسیحا کی ضرورت ہے جو اس کے دکھ درد اور زخموں کا علاج کرے اور اسے خونی جونکوں سے آزاد کرائے۔اور پاکستانیوں کو ایسے انجکشن لگائے کہ وہ جھوٹ و منافقت کے سبھی بت توڑ کر اس سے شدید اور حقیقی محبت کرتے ہوئے صرف ایک نعرہ پرشوکت آواز میں بلند کریں ’’سب سے پہلے پاکستان‘‘۔

روحانی مسیحا کی آمد کو مسلمانوں نے صرف عقیدہ کی حد تک قبول کیا ہوا ہے۔لطف کی بات یہ ہے کہ اس عقیدہ پر بھی مسلمان پھٹے ہوئے ہیں۔کوئی کہتا ہے کہ مسیحا آسمان پر جسد خاکی کے ساتھ موجود ہے، کوئی کہتا ہے مسیح وفات پا گیا تھا اور اس کی لاش کو آسمان پر اُٹھالیا گیا اور کوئی کہتا ہے کہ وہ صلیب سے بچ گیا تھا اور بہت عرصہ بعد فوت ہوا۔اسکی آمد ثانی کے متعلق کوئی کہتا ہے کہ دس بارہ برس کی بات ہے کہ آجائے گا اور کوئی کہتا ہے کہ اس کی آمد لاکھوں برس بعد بھی ہو سکتی ہے۔اور اس کی حیثیت کے متعلق بھی اختلاف ہے۔کوئی کہتا ہے کہ وہ نبی تھے اور نبی ہی ہوں گے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے مگر اب امت محمدیہ میں امتی کی حیثیت سے آئیں

گے۔ ایسی پھٹی ہوئی قوم جس کے افکار بھی ٹکڑیوں میں بٹے ہوں۔ وہ قوم مسیحا کو نہیں پہچان سکتی، چاہے وہ ان کے دائیں بائیں ہو۔ کبھی ہم سوچا کرتے تھے کہ پاکستان کو جان لیوا بیماری کا باعث لیڈر ان ہیں، فوجی، مذہبی اور سیاسی۔ مگر اب سمجھ آئی کہ پاکستان کی رگوں سے خون چوسنے والے صرف یہی نہیں بلکہ ان کے لیے زندہ باد اور مردہ باد کے نعرے لگانے والی عوام بھی ہے۔

پاکستان کی بیماری کا علاج صرف ایک ہے کہ اجتماعی توبہ کے بعد اُن تمام سرطانوں کو ان کی جڑوں سے کاٹنا ہے جو ناسور بن چکے ہیں۔ سرفہرست وہ منفی مذہبی سوچ ہے جس سے کینسر پھوٹتے ہیں۔ اور اس کی جڑیں ملائیت کا پرچار کرنے والے نام نہاد مولوی اور ان کے مدرسے ہیں۔ جب تک خونی چوزے پیدا کرنے والے پولٹری فارم بند نہیں کیے جائیں گے اس وقت تک معصوم لوگ خون میں نہاتے رہیں گے۔ ماؤں کی گودیں اجڑتی رہیں گی اور خواتین زندہ جلتی رہیں گی۔ اقلیتیں آگ کی بھٹی میں راکھ ہوتی رہیں گی، نمازی مسجدوں میں مرتے رہیں گے۔

جنرل راحیل شریف صاحب یہ کام آپ کر سکتے ہیں، اگر کرنا چاہیں۔ پاکستان کی المناک بیماری کا علاج کرنے کی فی الحال کسی اور کو توفیق نہیں ہے۔ جنرل صاحب اپنے چند ایماندار ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھیے اور پاکستان کے دامن میں پروان چڑھتی آکاس بیلوں کی جڑوں کو اس طرح اکھاڑیے کہ پاکستان کی آغوش میں سب کے لیے سوائے راحت اور آرام کے کچھ نہ رہے۔ سب سے پہلے آئین جو پاکستان کو گھن کی طرح کھا رہا ہے اسے ختم کیجیے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو تاریخ آپ کو نہایت گندے الفاظ سے یاد کرے گی۔ اور پاکستان کے باشندے پاکستان کو بیمار کرنے اور اسے پلید کرنے کے جرم میں عذاب الٰہی کا نشانہ بن کر عبرت کا نشان بنا دیے جائیں گے۔ اللہ رحم کرے۔ آمین

زندہ نہ چھوڑا

شاہ اورنگ زیب عالمگیر بہت لائق بادشاہ تھا دین اور دنیا دونوں پر نظر رکھتا تھا اس نے کبھی کوئی نماز قضا نہ کی اور کسی بھائی کو زندہ نہ چھوڑا۔ بعض لوگ اعتراض بھی کرتے ہیں موخرالذکر بات پر، حالانکہ یہ ضروری تھا اس کے سب بھائی نالائق تھے جیسے کہ ہر بادشاہ کے بھائی ہوتے ہیں نالائق نہ ہوں تو خود پہل کر کے بادشاہ کو قتل نہ کر دیں۔ (ابن انشاء)

لوئی پاسچیئر (Louis Pasteur)

لوئی پاسچیئر اس عظیم فرانسیسی سائنسدان کا نام ہے جس نے پاگل کتے کا علاج دریافت کر کے انت گنت انسانوں کی زندگیوں کو بچایا۔لوئی پاسچیئر فرانس کے ایک گاؤں میں نپولین کی فوج کے سارجنٹ کے گھر میں ۲۷ دسمبر ۱۸۲۲ء کو پیدا ہوا۔بچپن میں اس کا شمار نالائق قسم کے طالب علموں میں ہوتا تھا۔اس کی دلچسپیوں کا مرکز صرف مچھلیاں پکڑنا اور پینٹنگ کرنا تھا۔اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے پورٹیٹ بنانے کا سلسلہ ۱۵ برس کی عمر تک جاری رہا۔بعد میں ان تصویروں کو Pasteur Institute in Paris کے میوزم میں رکھ دیا گیا۔بی۔اے کرنے کے بعد پاسچیئر پڑھانے لگا اور جنرل سائنس میں ڈگری کے لیے پڑھتا رہا۔مگر پاسچیئر فیل ہو گیا اور دو برس بعد Bachelor of Science بنا،کیمسٹری میں نمبر نہایت کم تھے۔اب پاسچیئر فزکس کے پروفیسر بن گئے۔کچھ عرصہ بعد ایک سائنسدان جو crystallography پر تحقیق کر رہے تھے ان کے ساتھ کام کرنے لگے۔اس دوران انہوں نے دو مقالات لکھے ایک کیمسٹری کے متعلق اور ایک فزکس کے متعلق۔وہ بچہ جو بچپن سے کیمسٹری کو سمجھ نہ پاتا تھا وہ اب University of Strasbourg میں کیمسٹری کا پروفیسر تھا۔۱۸۴۹ء میں university rector کی بیٹی Marie Laurent سے شادی کر لی۔پاسچیئر تجربات میں اس قدر کھو جاتا تھا کہ سب کچھ بھول جاتا تھا،شادی کرنے کا وقت بھی بھول گیا چند دوستوں نے یاد دلا کر اس کی شادی کروائی۔پاسچیئر کو اللہ نے پانچ بچوں سے نوازا مگر صرف دو ہی بلوغت کی عمر کو پہنچے۔تین بچے ٹائیفائیڈ کی وجہ سے وفات پا گئے۔لوئی پاسچیئر کو ان بچوں کی دردناک موت نے اس طرف مائل کر دیا کہ وہ infectious diseases کے متعلق تحقیق کرے اور انسانوں کو کربناک موت سے چھٹکارہ دلائے۔

لوئی پاسچیئر ۱۸۴۸ء میں University of Strasbourg کے شعبہ کیمسٹری کا انچارج بنا۔اور ۱۸۵۴ء میں Lille University کا چانسلر بنا۔اس کے بعد لوئی پاسچیئر فرانس کے مشہور ادارے École Normale Supérieure میں بطور director of scientific studies تقرر

ہوا اور یہاں دس برس تک سائنس کی خدمت کرتا رہا اور بہت سے نئے انکشافات کیے۔ ۱۸۶۲ء میں ان کا تقرر بطور پروفیسر جیالوجی، فزکس اور کیمسٹری École nationale supérieure des Beaux-Arts جیسے مشہور ادارے میں ہوا اور پاسچیئر نے آخر کار ۱۸۶۷ء میں استعفیٰ دیدیا۔ ۱۸۸۷ء میں پاسچیئر نے Pasteur Institute قائم کیا اور باقی ماندہ زندگی یہیں گزاری۔

بطور کیمسٹ اس نے کام سٹراس برگ ہی سے شروع کر دیا تھا chemical, optical and crystallographic properties پر تجربات کیے۔ اس نے tartaric acid کے متعلق کامیاب تجربے کیے۔ چند سائنسدان روشنی اور تیزاب پر تجربات کر رہے تھے مگر ناکامی ان کا پیچھا نہ چھوڑتی تھی۔ لوئی پاسچیئر نے چند دنوں میں کامیابی حاصل کر کے سٹراس برگ یونیورسٹی کے شعبہ کیمسٹری کی صدارت حاصل کر لی۔ Lille University میں جب وہ پروفیسر تھا ایک دن ایک شراب سازی کے کارخانے میں اسے مدعو کیا گیا اور یہ پوچھا گیا کہ وہ بتائے کہ کارخانے کے بعض حوضوں کی شراب کھٹی اور بدمزہ کیوں ہوتی ہے جبکہ بعض حوضوں کی شراب میٹھی اور خوش ذائقہ کیوں ہوتی ہے؟ پاسچیئر کے سامنے دونوں قسم کی شراب کے ڈرم رکھ دیے گئے۔ پاسچیئر نے دونوں خمیروں کو غور سے دیکھا تو پتا چلا کہ اچھے خمیر کے قطرے گول ہیں اور خراب خمیر کے قطرے لمبے لمبے ہیں۔ اس نے قیاس کیا کہ دراصل خمیروں میں کوئی خرابی نہیں بلکہ ان میں ہوا کے ذریعے بعض ایسی چیزیں مل جاتی ہیں جو خمیر کو خراب کر دیتی ہیں۔ اس نے جب تجربہ کیا تو اس کا قیاس درست ثابت ہوا۔ لوئی پاسچیئر نے جراثیم کا اصول دریافت کر لیا اور یہ اس کا سب سے بڑا کارنامہ تھا۔ پاسچیئر کی زبردست دریافت سے پہلے یہی سمجھا جاتا تھا کہ کیڑے اور جراثیم وغیرہ غلیظ اور گلی سڑی چیزوں میں خود بخود پیدا ہوتے ہیں۔ یا یہ کہ گلی سڑی چیزوں کے اجزاء کیڑے اور جراثیم بن جاتے ہیں، یعنی بے جان مادے سے جاندار چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ پاسچیئر نے لگاتار تجربات سے ثابت کر دیا کہ یہ بات غلط ہے۔ گلی سڑی چیزوں میں جراثیم اور کیڑے پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہے بلکہ یہ کیڑے اور جراثیم پھل، گوشت، سبزی اور دوسری چیزوں میں ہوا کے ذریعے داخل ہوتے ہیں اور انہیں سڑا دیتے ہیں۔ اس حیرت انگیز انکشاف کے بعد جب نظریہ جراثیم کا تجربہ زخموں پر کیا گیا تو پتا چلا کہ جن زخموں کو باہر کے جراثیموں سے محفوظ کر لیا جائے، وہ خراب نہیں

ہوتے اور نہ ان میں زہر پیدا ہوتا ہے۔اس طرح اب تک کروڑوں مریضوں کو موت سے بچایا جا چکا ہے۔اس دریافت کے بعد پاسچیئر کو دنیا کا سب سے بڑا کیمسٹ تسلیم کر لیا گیا۔

جب پاسچیئر سے فرانس کی حکومت نے درخواست کی کہ ریشم کے کیڑوں کی بیماری کا سدباب کرے کیونکہ ریشم کے کیڑوں کی بیماری کے باعث ریشم کی صنعت تباہی سے دوچار ہے۔تین سال انتھک محنت کے بعد پاسچیئر نے وہ جراثیم دریافت کر لیے جو ریشم کے کیڑوں کی ہلاکت کا باعث بنتے تھے۔پاسچیئر پر دوران تحقیق فالج کا حملہ ہوا مگر اس نے اپنے کام کو مکمل کر کے چھوڑا۔

کالرے سے مرنے والی مرغیوں کے علاج کے لیے کالرے کے جراثیم دریافت کیے اور ایک ٹیکہ تیار کیا جس سے مرغیوں کو کالرے جیسے موذی مرض سے نجات ملی۔پاسچیئر نے سوچا کہ اگر مرغیوں کو کالرے سے محفوظ بنایا جا سکتا ہے تو پاگل کتے کا علاج کیوں ممکن نہیں؟ پاگل کتے کے اندر بھی تو زہریلے جراثیم ہی ہوتے ہیں جو انسان کے خون میں پہنچ جاتے ہیں۔پاگل کتے کے کاٹے مریضوں کو پاسچیئر نے تڑپ تڑپ کر مرتے دیکھا تھا۔لوہار بھٹی میں سلاخ کو ڈال دیتا اور انگارہ بن جانے پر زخم کو داغ دیتا۔اکثر مریض مر جاتے تھے اور پاسچیئر تڑپ کر رہ جاتا تھا۔

پاسچیئر نے پاگل کتے کا علاج دریافت کرنے کے لیے بہت سے پاگل کتے اپنی تجربہ گاہ میں اکٹھے کیے۔وہ خطرناک کتوں کے درمیان اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈال کر ان کے جراثیموں پر دن رات تجربات کرتا رہتا۔آخر کار وہ پاگل کتے کے کاٹے کے لیے ایک ٹیکہ تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔اس نے یہ ٹیکہ پہلے پچاس کتوں پر آزمایا،سبھی کتے صحت یاب ہو گئے۔اب اسے سمجھ نہ آتی تھی کہ اسے انسانوں پر کس طرح آزمائے کیونکہ ناکامی کی صورت میں اس کو مقدمے کا سامنا ہو سکتا تھا۔ایک دن اچانک ایک نو برس کے لڑکے کو اس کے پاس لایا گیا جس کی حالت پاگل کتے کے کاٹنے کی وجہ سے بہت بری تھی۔اب سوچنے کا موقع نہ تھا پاسچیئر نے اس کا علاج کیا۔نو دن تک اسے ٹیکے لگائے گئے،تین ہفتے میں حالت سنبھل گئی اور تین ماہ میں بچہ تندرست ہو گیا۔بچے کے اچھے ہونے کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی اور اخباروں نے پاسچیئر کو انسان کا نجات دہندہ کہا،فرانس نے اسے سب سے بڑے قومی اعزاز سے نوازا۔جب لوگوں سے پوچھا گیا کہ فرانس

کی سب سے بڑی شخصیت کون ہے؟ تو سب سے زیادہ ووٹ پاسچیئر کو ملے، نپولین کا نمبر پانچواں تھا۔

اتنی زیادہ شہرت کے باوجود لوئی پاسچیئر نہایت سادہ تھا۔ انسانیت کے درد والم دور کرنے کے لیے ساری زندگی انتھک محنت کرتا رہا۔ وہ نیک دل اور دکھ درد نا صرف بانٹنے والا بلکہ انہیں دور کرنے والا تھا۔ مریضوں کو دیکھ کر اسے بڑا دکھ ہوتا اور جب تک وہ اچھے نہ ہو جاتے اسے چین نہ آتا۔ جب جرمنی نے فرانس پر حملہ کیا اس کا ایک بیٹا لاپتہ ہو گیا کچھ عرصہ بعد جب وہ ملا تو سخت بیمار تھا۔ لوئی پاسچیئر نے اس کی دن رات سیوا کی اور تب تک چین سے نہ بیٹھا جب تک وہ صحت یاب نہ ہو گیا۔ جرمنوں کے فرانس پر حملہ نے اس میں جنگ سے اور جرمنوں سے شدید نفرت پیدا کر دی تھی۔ جب ایک جرمنی کی یونیورسٹی نے اسے اعزازی تمغہ پیش کیا تو اس نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور کہا ''مجھے یقین ہے کہ سائنس اور امن، جہالت اور جنگ پر فتح پائیں گے قوموں کے درمیان رابطہ اس لیے نہ ہو گا کہ وہ ایک دوسرے کو تباہ کریں بلکہ ایک دوسرے کا احترام کرنے کی خاطر اور مستقبل ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو گا جو دنیا کے دکھی انسانوں کی سب سے زیادہ خدمت کریں گے۔''

لوئی پاسچیئر کے داماد نے اس کے متعلق کہا ہے کہ لوئی پاسچیئر ایک خدا پر یقین رکھتا تھا اور سمجھتا تھا کہ میں نے جو بھی اچھے کام کیے ہیں اس کے پیچھے خدا کا ہاتھ ہے۔ وہ مذہب پر مکمل یقین رکھتا تھا۔ ۱۸۹۵ء کو عظیم سائنسدان لوئی پاسچیئر اس فانی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اسے سرکاری اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا۔ مگر اس کی باقیات کو Pasteur Institute میں دوسری یادگاروں کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ ☆☆☆

جنونیت کا آتشیں گولا

سیالکوٹ میں واقع ایک سو برس قبل تعمیر ہونے والی تاریخی احمدیہ مسجد اور ملحقہ مکان کو مذہبی جنونیوں کے ہاتھوں مسمار کیے جانے والے واقع کی ویڈیو دیکھ کر بے اختیار دل نے کہا ہے کہ یہ شیطانی عمل ہے۔ افسوس کی بات یہ بھی ہے کہ اس واقع میں تحریک انصاف کا ایم پی اے بھی شامل تھا۔ پاکستان کی یہ بدقسمتی ہے کہ ساری قوم اس طرح کے شیطانی اعمال میں مذہبی دہشت گردوں کے ساتھ شامل ہوتی ہے یا خاموش رہ کر ان جنونیوں کا حوصلہ بڑھاتی ہے، ان کی گونگی شرافت کو زبان تب ملتی ہے جب جنونیت کا آتشیں گولا ان کے گھر پر گر کر اہل خانہ کو جلاتا ہے، چند دن بعد یہ پھر گونگے بن جاتے ہیں اس واقع کی پرزور مذمت کرتے ہوئے ہم حکومت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ قصور واروں کو سخت سزا دی جائے اور آئندہ ایسے منحوس واقعات کی روک تھام کے لیے سخت قوانین بنائے جائیں اور سختی سے ان پر عمل کو یقینی بنایا جائے۔

حمزه عباسی بمقابله فرقه مولویاں

مولانا رومؒ نے ایک قصہ لکھا ہے:۔

''کسی گاؤں میں ایک نہایت بدآواز موذّن رہتا تھا لوگوں نے اس کو کچھ روپے دیے کہ حج کرآئے وہ حج کے لیے روانہ ہوا، راہ میں ایک گاؤں آیا، وہاں ایک مسجد تھی، موذن نے اس میں جا کراذان دی۔تھوڑی دیر بعد ایک مجوسی کچھ شیرینی اور کپڑے لیے ہوئے آیا اور پوچھا موذن کہاں ہے؟ مَیں ان کو یہ نذر دینے لایا ہوں، انہوں نے مجھ پر بہت احسان کیا ہے، میری ایک لڑکی نہایت عاقلہ اور نیک طبع ہے، اس کو معلوم نہیں کیونکر مذہب اسلام کی طرف میلان ہو گیا تھا، ہر چند میں نے سمجھایا مگر وہ باز نہیں آتی تھی، آج جو اس موذن نے اذان کہی تو لڑکی نے گھبرا کر پوچھا کہ یہ کیسی مکروہ آواز ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ مسلمانوں کا شِعار اوران کی ادائے عبادت کا طریقہ ہے، پہلے تو اس کو یقین نہ آیا لیکن جب تصدیق ہوئی تو اس کو اسلام سے نفرت ہو گئی، اس صلہ میں موذن کے پاس یہ تحفہ لایا ہوں کہ جو کام مجھ سے کسی طرح انجام نہ پا سکا ان کی بدولت پورا ہو گیا۔اور اب لڑکی کی طرف سے اطمینان ہو گیا کہ کبھی اسلام نہیں لائے گی۔'' (مثنوی مولانا رومؒ)

معزز قارئین! اس حکایت کو پڑھ کر معلوم ہوا اربوں انسان اسلام سے کیوں بدکتے ہیں؟ وہ اس لیے بدکتے ہیں کیونکہ مسلمان کہلانے والا نام نہاد بدذات فرقہ مولویاں منحوس اور بدبودار کردار کا حامل ہے۔ مولوی جس دور کا بھی ہو اس کی عملی زندگی گندگیوں سے لتھڑی ہوتی ہے۔زندہ مثال حمزہ عباسی سے اس بدکردار گروہ کا حیثانہ طرزِعمل ہے۔یقیناً حمزہ عباسی شدید قسم کی گھٹن محسوس کر رہا ہوگا، نا صرف حمزہ عباسی بلکہ لاکھوں کروڑوں پڑھے لکھے باشعور لوگ ان نام نہاد مولویوں کے لیے نفرت اور کراہت کے جذبات رکھتے ہیں۔ ایک سوال کا جواب ان کے پاس نہیں تھا۔سوال یہ تھا کہ ''کیا ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی گروہ کو غیر مسلم قرار دے'' اس سوال کا جواب تو حمزہ عباسی کو نہ ملا، ہاں اسے کفر کا فتویٰ اور قادیانی ہونے کا خطاب ضرور مل گیا۔حمزہ اور اس جیسے معصوم، شریف النفس نوجوان سوچتے تو ہوں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا:

''تکون فی اُمّتی فزعة فیصیر الناس الیٰ علمائھم فا ذاھم قردة وخنازیر''

(کنزالعمال جلد ۱۶ صفحہ ۸۰ حدیث ۳۸۷۲۷ ناشر موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۵ء)

''میری اُمّت میں ایک گھبراہٹ اور بے چینی پیدا ہوگی جس پر لوگ اپنے علماء کی طرف جائیں گے تو دیکھیں گے وہاں تو بندر اور خنزیر بیٹھے ہیں۔''

اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا:۔

''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا۔قرآن کا صرف رسم الخط رہ جائے گا۔ان کی مسجدیں بظاہر آباد ہوں گی مگر حقیقت میں نُورِ ہدایت سے محروم ہوں گی۔ان کے علماء اس آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ہر فتنہ انہیں سے نکلے گا اور انہیں کی طرف لوٹ جائے گا۔

(مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۱۵۲ حدیث نمبر ۲۷۶، بیہقی شعب الایمان)

معزز قارئین! ہم حمزہ عباسی اور ان جیسے دوسرے حق کے متلاشیوں کو سلام کرتے ہیں اور آسمان کے نیچے بسنے والی بدترین مخلوق سے پناہ چاہتے ہیں۔اللہ ہم سب کو نام نہاد مولویوں کے عظیم فتنے سے بچائے۔ان نام نہاد فریبی مولویوں کے متعلق امام غزالیؒ احیاء العلوم کی جلد اوّل کے صفحہ ۸۲ پر فرماتے ہیں کہ:۔

''علماءِ سُو کے فریب میں نہ آؤ۔دین میں ان کے ذریعہ جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں شیطان سے بھی نہیں ہوتیں۔بلکہ شیطان بھی لوگوں کو بددین کرنے کے لئے علماءِ سُو کا سہارا لیتے ہیں۔'' احمدیوں سے بغض اور منافرت نے ناصرف مولویوں کو اندھا بلکہ عوام کو بھی اسلامی تعلیمات سے بیدل کر دیا ہے۔

☆☆☆

سُنّیوں کا حال ڈاکٹر اسرار احمد کی نظر میں

''مَیں کہتا ہوں کہ سُنّیوں کا جو حال ہے اس پر غور کیجیے۔کیا ہمارے عوام الناس بلکہ خواص کے بھی قابلِ اعتناء حصہ کی زبانوں پر ''علی مشکل کشا'' اور ''یا علی مدد'' کے الفاظ چڑھے ہوئے نہیں ہیں؟ ایک اعتبار سے یہ سب سبائیت کے عقیدے کا ظہور اور اسی کے اثرات ہیں۔''

(مثیل عیسیٰ۔علی مرتضیٰ از اسرار احمد صفحہ ۲۷ مکتبہ خدام القرآن لاہور)

لفظ ''توفی'' کی حقیقت

مفتی تقی عثمانی کی زبانی

شیخ الاسلام فقیہ العصر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اپنی کتاب ''دنیا کے اس پار'' شائع کردہ ادارہ اسلامیات لاہور وکراچی کے صفحہ ۲۵، ۲۶ پر لفظ توفی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''ہم اپنی بول چال میں موت کے لیے جو ''وفات'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں وہ قرآن کریم کے ایک لفظ ''توفی'' سے ماخوذ ہے قرآن کریم سے پہلے عربی زبان میں یہ لفظ ''موت'' کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا تھا، عربی زبان میں موت کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے تقریباً چوبیس الفاظ استعمال ہوتے تھے، لیکن ''وفاۃ'' یا ''توفی'' کا اس معنی میں کوئی وجود نہ تھا۔ قرآن کریم نے پہلی بار یہ لفظ موت کے لیے استعمال کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت کے عربوں نے موت کے لیے جو الفاظ وضع کیے تھے کہ وہ سب ان کے عقیدے پر مبنی تھے کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔ قرآن کرم نے ''توفی'' کا لفظ استعمال کر کے لطیف انداز میں ان کے اس عقیدے کی تردید کی۔ توفی کے معنی ہیں کسی چیز کو پورا پورا وصول کر لینا اور موت کے لیے اس لفظ کو استعمال کرنے سے اس طرف اشارہ کیا گیا کہ موت کے وقت انسان کی روح اس کے جسم سے علیحدہ کر کے واپس بلا لیا جاتا ہے اسی حقیقت کو واضع الفاظ میں بیان کرتے ہوئے سورۃ زمر میں قرآن شریف نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ انسانوں کی موت کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو لوگ مرے نہیں ہوتے ان کی روحیں ان کی نیند کی حالت میں واپس لے لیتا ہے وہ پھر جن کی موت کا فیصلہ کر لیتا ہے ان کی روحیں روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک معین وقت تک چھوڑ دیتا ہے، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔'' (اس اقتباس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ توفی کا معنی موت ہی ہوتا ہے یعنی خاکی جسم سے روح کا مکمل طور پر پوری طرح علیحدہ ہونا۔ مقدس آیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ نیند میں روح الگ ہو یا موت کے وقت دونوں صورتوں میں بدن سے روح کا اخراج ہوتا ہے نا کہ بدن کا روح سمیت۔ مضمون نگار)

لفظ توفی کے متعلق مولانا مفتی محمد تقی عثمانی سورۃ آل عمران کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

''لفظ توفی کے متعلق کلیات ابوالبقاء میں ہے ''توفی کا لفظ عوام کے یہاں موت دینے اور جان لینے کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن بُلغاء کے نزدیک اس کے معنی ہیں پورا وصول کرنا اور ٹھیک لینا ہے۔'' گویا ان کے نزدیک موت پر بھی توفی کا اطلاق اسی حیثیت سے ہوا کہ موت میں کوئی عضو خاص نہیں بلکہ خدا کی طرف سے پوری جان وصول کر لی جاتی ہے۔اب اگر فرض کرو خدا نے کسی کی جان بدن سمیت لے لی تو اسے بطریق اولیٰ توفی کہا جائے گا۔جن اہل لغت نے توفی کے معنی قبض روح کے لکھے ہیں، انہوں نے یہ نہیں کہا کہ قبض روح مع البدن کو توفی نہیں کہتے۔نہ کوئی ایسا ضابطہ بتایا ہے کہ جب توفی کا فاعل اللہ اور مفعول ذی روح ہو تو بجز موت کے کوئی معنی نہ ہو سکیں۔(ایسا اہل علم نے اس لیے نہیں کہا کہ ایسا ہونا ممکن ہی نہیں کہ فاعل اللہ ہو اور مفعول ذی روح انسان ہو اور نتیجہ موت نہ ہو۔مضمون نگار) توفی کے معنی ہاں چونکہ عموماً قبض روح کا وقوع بدن سے جدا کر کے ہوتا ہے، اس لیے کثرت و عادت کے لحاظ سے اکثر موت کا لفظ اس کے ساتھ لکھ دیتے ہیں، ورنہ (توفی) لفظ کا لغوی مدلول قبض روح مع البدن ہے۔''

(کسی لغت کی کتاب کا حوالہ بھی دیتے۔اس کی مثال دینا بھی ضروری تھا حوالہ کے ساتھ۔یقیناً مولوی صاحب کو اس کی مثال ڈھونڈے سے بھی نہ ملتی۔)

اور بانی جماعت احمدیہ اس ضمن میں چیلنج دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''توفی کا لفظ قرآن کریم میں علاوہ متنازعہ فیہ یعنی دو آیات انی متوفیک اور فلما توفیتنی کے علاوہ ۲۳ مقام پر آیا ہے۔اور ۲۳ مرتبہ اس سے مراد موت (قبض روح) ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی نہیں کیا گیا اور حضرت عیسیٰؑ کے لیے اس لفظ کا معنی زندہ مع جسد خاکی آسمان پر جانا ہو گیا۔جب سے دنیا میں عرب کا جزیرہ آباد ہوا ہے اور زبان عربی جاری ہوئی ہے کسی قول قدیم یا جدید سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ توفی کا لفظ کبھی قبض جسم کی نسبت استعمال کیا گیا ہو بلکہ جہاں کہیں توفی کے لفظ کو خدائے تعالیٰ کا فعل ٹھہرا کر انسان کی نسبت استعمال کیا گیا ہے وہ صرف وفات دینے اور قبض روح کے معنی میں آیا ہے نہ قبض جسم کے معنوں میں۔کوئی کتاب لغت کی اس کے مخالف نہیں۔کوئی مثل اور قول اہل زبان کا اس کے مغائر نہیں غرض ایک ذرہ احتمال مخالف کے گنجائش

نہیں۔اگر کوئی شخص قرآن کریم سے یا حدیث رسول اللہ صلعم سے یا اشعار وقصائد ونظم ونثر قدیم وجدید سے یہ ثبوت پیش کرے کہ کسی جگہ توفی کا لفظ خدا تعالیٰ کا فعل ہونے کی حالت میں جو ذوی الروح کی نسبت استعمال کیا گیا ہو وہ بجز قبض روح اور وفات دینے کے کسی اور معنی پر بھی اطلاق پا گیا ہے یعنی قبض جسم کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے۔تو مَیں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا کوئی حصہ ملکیت کا فروخت کر کے مبلغ ہزار روپیہ نقد دوں گا اور آئندہ اس کی کمالات حدیث دانی اور قرآن دانی کا اقرار کرلوں گا۔"

(روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۶۰۳ ازالہ اوہام حصہ دوئم)

چانکیا کوٹلیہ

کسی زمانے میں چندر گپت موریہ ہندوستان پر حکومت کرتا تھا۔اس کا ایک درباری، ایک ہندو پنڈت چانکیا کوٹلیہ بھی تھا جس سے موریہ کبھی کبھی صلاح مشورہ کیا کرتا تھا۔ایک روز بادشاہ چند درباریوں کے ہمراہ شکار کو نکلا۔رات ہوگئی تو ایک جنگل میں پڑاؤ کیا۔سپاہی خیمے لگانے اور کھانے پینے کے بندوبست میں مصروف تھے۔ چانکیا بھی ادھر ادھر آجا رہا تھا کہ اسے ایک جھاڑی سے کانٹا چبھ گیا۔کانٹے کا لگنا تھا کہ چانکیا غصے میں آپے سے باہر ہوگیا۔ملازم سے کہا کہ فوراً ایک گلاس شربت لے آؤ،نوکر سمجھا کہ پنڈت چانکیا کو کانٹے سے بہت تکلیف ہوئی ہوگی۔وہ جلدی سے شربت کا گلاس لے آیا۔چانکیا نے شربت کا ایک گھونٹ چکھا اور باقی شربت جھاڑی پر اور اس کی جڑوں میں انڈیل دیا۔ملازم نے ہاتھ جوڑ کر پوچھا"حضور کیا اس شربت میں کوئی خرابی تھی یا مجھ سے کوئی خطا ہوئی کہ آپ نے شربت گرادیا؟ چانکیا بولا"اس کا جواب صبح دوں گا۔" دیکھتے ہی دیکھتے جنگل کے کیڑے ہزاروں کی تعداد میں آئے اور صبح تک اس جھاڑی کو چٹ کر گئے۔صبح چندر گپت موریہ نے حیرانی سے پوچھا"رات یہاں ایک اچھی خاصی جھاڑی تھی اسے کیا ہوا" چانکیا نے ہاتھ باندھ کر عرض کی"حضور اس نے میرے ساتھ دشمنی کی تھی اور میں نے اس کا بندوبست کیا کہ اس کا نام ونشان ہی مٹا دیا" اور پھر اسے بتایا کہ میں نے جھاڑی کو کیسے تباہ کیا۔چندر گپت اس کی اسکیم سن کر بہت خوش ہوا اور اسے وزیر اعظم اور مشیر خاص کے عہدے پر ترقی دے دی۔جس کی لاٹھی اس کی بھینس،اچھے حکمران کے منہ میں رام رام اور بغل میں چھری ہوتی ہے،ہمسایہ دشمن ہوتا ہے لیکن ہمسائے کا ہمسایہ دوست جیسے محاورے بھی چانکیہ کے عطا کردہ ہیں۔

(چانکیہ کی کتاب ارتھ شاستر سے ماخوذ)

عامر لیاقت کے خلاف قتل کا فتویٰ

عامر لیاقت حسین جن کی چرب زبانی کے بڑے چرچے ہیں، مولویوں کو ساتھ بٹھا کر اختلافات کی بناء پر لوگوں کے مرتد اور کافر ہونے کے فتوے حاصل کر کے لوگوں کو خونی بننے کی ترغیب دیتے تھے۔ آج خود دہشت گردوں کی طرف سے ملنے والی قتل کی دھمکی کے بعد انہیں اسلام کی خوبصورت تعلیم بھی دکھائی دینے لگ گئی ہے۔ (ڈاکٹر) عامر لیاقت حسین لکھتے ہیں:۔

''کسی کو شیعہ ہونے کی بنیاد پر قتل کرنا بلکہ کسی کو کسی بھی مذہب، مسلک یا عقیدے سے بسببِ تعلق جان سے مار دینے کی دھمکی یا اس پر عمل کر گزرنا قطعاً شریعت، نیکی یا ایمان کی سربلندی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے تمام لوگ محفوظ رہیں۔'' یعنی ختمی مرتبت درحقیقت اپنی امت کو پیغام دے رہے ہیں کہ کسی کے اسلام کو نہیں مانو، دیوبندی کا نہ بریلوی کا، شیعہ کا نہ اہل حدیث کا، وہابی کا نہ سلفی کا، خارجی کا نہ داخلی کا۔۔۔ اسلام وہی ہے جو میرا ہے یعنی رسول اللہ ﷺ نے تم تک پہنچایا ہے اور اسے پہنچانے کا حکم محمد ﷺ کو محمد ﷺ کے ربّ نے دیا ہے، اس لیے مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے تمام لوگ یعنی پوری انسانیت بلاتفریق رنگ ونسل، زبان ومذہب اور مسلک وعقیدہ محفوظ رہے، جن کے ہاتھوں کی گزند اور زبان کی غلاضت سے تمام طبقاتِ انسانی محفوظ رہیں وہی مسلمان ہیں۔۔۔ اب اگر اس کے باوجود کوئی مسلک، عقیدے یا نظریے سے اختلاف کی بنا پر اور یا کسی کے غیر مسلم ہونے کے سبب بطور نفرت پرامن شہریوں پر حملے کرے، ان کا لہو بہائے، گالیاں دے، مغلظات سے واٹس ایپ، فیس بک اور ٹوئٹر جیسی سماجی رابطوں کی سائٹس پر اپنے ہی صفحات کو آلودہ کرے تو میں ذمہ داری کے ساتھ اور اللہ کے حضور کلماتِ توبہ کا سہارا لے کر عرض کروں گا کہ ایسے لوگ چاہے ظاہری طور پر اعمالِ شرعی کے پابند ہی کیوں نہ ہوں ان کا اسلام پر قائم ہونے کا دعویٰ اس لیے قبول نہیں کیا جاسکتا کہ شارح شریعت اور معلم قرآن وحدیث یعنی اللہ کے حبیب ﷺ نے قول وفعل سے امن وسلامتی کے پرچارک کو ہی مسلمان قرار دیا ہے۔ ایک شخص نے میرے نبی ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کون سا اسلام بہتر ہے؟ آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''(بہترین اسلام یہ ہے کہ) تم (دوسروں کو) کھانا کھلاؤ اور (ہر ایک کو) سلام کرو، خواہ تم اسے جانتے ہو یا نہیں۔

’’سبحان اللہ! ذرا کلمات پر غور فرمایئے کہ خواہ تم اسے جانتے ہو یا نہیں۔

(عدم برداشت اور دائرہ اسلام سے باہر افراد روزنامہ جنگ ۲۸ مارچ ۲۰۱۶)

اس مضمون سے پہلے ۱۴ مارچ کو بدنام قاتل ممتاز قادری جس نے سلمان تاثیر کو توہین رسالت کا الزام لگا کر ۲۷ گولیاں مار کر قتل کر دیا تھا کی پھانسی پر عامر لیاقت لکھ چکا تھا کہ: ’’تُو رہا ہو جاتا تو رہائی کی تحریک چلانے اور تیرے نام پر چلانے والوں کی شکلوں یا اپنے ماں باپ کے چہروں کے علاوہ کیا دیکھتا؟ لیکن یہاں تجھے وہ چہرے بھی نظر آ رہے ہیں جن کی زیارت کی تمنا لیے ہر عاشق اپنے خوابوں سے درخواست کر کے سوتا ہے کہ آج تو کسی طرح وہ خواب میں آ جائیں اور میں ان کا دیدار کرلوں۔ دیکھ! کیا خوب اسیری ہے کہ رہائی بھی مل گئی اور پسینہ خشک ہونے سے پہلے محنت کی کمائی بھی مل گئی۔‘‘

(جسم کی موت، کوئی موت نہیں ہوتی؟‘‘ روزنامہ جنگ لندن ۱۴ مارچ ۲۰۱۶ء)

یہ بھی یاد رہے کہ جیو پر نشر ہونے والے ایک مذہبی پروگرام ’’عالم آن لائن‘‘ میں احمدی کمیونٹی کو غیر مسلم قرار دیتے ہوئے ان کا قتل جائز قرار دیا تھا، اسی ہفتے سندھ میں احمدی کمیونٹی کے دو افراد شہید ہوئے، ان کے اس بیان پر انسانی حقوق کی تنظیموں نے شدید تنقید کی تھی۔

اور اب عامر لیاقت کو جونہی قتل کی دھمکی ملی اس کے خیالات حلال و پاک ہو گئے جیسے غیر شرعی حلالہ کے بعد بیوی پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔ یعنی جس طرح غیر شرعی حلالہ کرانے والی عورت ایک ہی مباشرت کے بعد پہلے خاوند کے لیے حلال و پاک ہو جاتی ہے اسی طرح دہشت گردوں کی صرف ایک دھمکی نے عامر لیاقت کے خیالات پاک اور حلال کر دیے ہیں۔

اللہ خیر کرے

ریٹائرڈ بریگیڈئر ترمذی اپنی کتاب حساس ادارے میں لکھتے ہیں کہ ’’لاہور میں امریکہ کے کونسل جنرل ڈاکٹر اینڈریووی کوری نے کہا تھا کہ ’’ایک پاکستانی کی قیمت ایک وہسکی کی بوتل سے لے کر امریکہ کی مفت سیر تک محدود ہے۔‘‘ سابق وزیر قانون ایس ایم ظفر کہتے ہیں میں نے جب اس بیان کا ذکر اپنے دوستوں سے کیا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ اب قیمت اتنی گر چکی ہے کہ اب شاید ایک بوتل واڈکا سے لیکر لندن کی مفت سیر تک آ گئی ہے۔‘‘

امجد صابری کا قتل

خبر ہے کہ حکیم اللہ محسود گروپ کے ترجمان قاری سیف اللہ نے امجد صابری کے قتل کی ذمہ داری قبول کر لی۔معزز قارئین!اس خبر پر تبصرہ کرنے سے پہلے اپنی اور ادارہ پیشوا کے منتظمین کی جانب سے امجد صابری صاحب کی وفات پر ان کے اہل خانہ اور کروڑوں مداحوں سے تعزیت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرتا چلا جائے اور اہل خانہ اوران کے مداحوں کو صبر جمیل عطا کرے۔

جب مذہبی منافرت کسی معاشرے میں اپنے خونی پنجے گاڑ لیتی ہے تو وہ معاشرہ شدید گھٹن کی وجہ سے خون اگلنے لگتا ہے۔انسانیت کا گلا خودساختہ عقائد و نظریات کی چھری سے کاٹ دیا جاتا ہے۔وطن عزیز میں بھی یہی سب ہو چکا ہے۔جس دن سے پاکستان اور آئین کی گندگیوں کو چھپانے کے لیے اسے اسلام کا کرتہ پہنایا گیا ہے،اُس دن سے اس کرتے کے نیچے کیڑے کلبلا رہے تھے۔اب یہ غلیظ کیڑے بغیر کسی خاص تمیز کے سبھی کا خون پی رہے ہیں ماس کھا رہے ہیں۔اس کی مثال اُس قبر سے دی جا سکتی ہے جسے سنگ مرمر سے ڈھانپ دیا گیا ہو اور قبر کے اندر گلی سڑی ہڈیاں اور عفونت پھیلی ہو۔وہ تمام خوش لباس اور باریش چہروں والے مذہبی جنونی کیڑے ایسی ہی تاریک قبر کا منظر پیش کر رہے ہیں،ان جنونیوں کا اندرون غلاضت اور بدبو کا ڈھیر ہے۔کیسا اندھیر ہے کہ مسلمان کہلانے والے عوام ان کی اصلیت جان کر بھی لاچاری اور بے بسی کا کفن اوڑھ کر بے حس و حرکت ان بجوؤں کی خوراک بن رہے ہیں۔اگر پاکستانی قوم اپنے بچوں کی لاشیں ان درندوں کو کھلا کر امن کی امید رکھتے ہیں تو یہ صرف خوش فہمی ہے۔اپنی نسلوں کو بچانے کے لیے انہیں لازماً پاکستان،آئین اور مذہبی کیڑوں کے چہروں پر پڑی دکھاوے کی سنہری چادروں کو نوچ پھینکنا ہوگا تاکہ پاکستان کو لاحق بیماریاں اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ کھلی کھلی نظر آئیں۔اور ہم یقین دلاتے ہیں کہ اگر ایسا ہو جائے تو جس طرح عوام کاکروچ سے نفرت کرتے ہیں ان سے بھی کریں گے۔جیسے اگر کوئی کاکروچ ان کے گھر میں دکھائی دے جائے تو فوراً اس سے نجات حاصل کر لیتے ہیں اسی طرح مذہبی جنونیوں کے چہروں سے نقاب ہٹتے ہی یہ مذہبی کاکروچ نظر آئیں گے۔اور عوام ان سے کاکروچ والا معاملہ ہی کریں گے۔☆☆

برطانیہ میں ریفرنڈم

بچپن میں ہم ایک کہانی سنا کرتے تھے کہ ایک بوڑھے باپ نے اپنے بیٹوں کو بلایا اوران کو ایک ایک چھڑی دی اوران سے کہا اب انہیں توڑو سب بھائیوں نے بڑی آسانی سے اپنی اپنی چھڑی توڑ دی۔ دانا بزرگ نے اپنے بچوں سے کہا کہ اب ان سب چھڑیوں کا ایک گٹھا بناؤ۔ جب گٹھا تیار ہوگیا تو بزرگ نے کہا کہ اسے بھی توڑ کر دکھاؤ تو باوجود بہت کوشش کے کوئی ایک بھائی بھی اسے توڑ نہ سکا۔ بزرگ اپنے بچوں کو اس طرح اتفاق میں برکت ہے کا فلسفہ سمجھا گیا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد یورپین ایک دوسرے سے جنگوں کی وجہ سے متنفر ہو چکے تھے۔ جرمنی نے جن ملکوں پر قبضہ کیا تھا وہ جرمنی سے ناراض تھے اور انگلینڈ، فرانس وغیرہ جرمنی اور اٹلی کو غاصب اور ظالم قرار دیتے تھے اور جرمنی جسے انگلینڈ اور فرانس نے امریکہ سے مل کر تباہ کیا تھا ان ممالک سے شدید متنفر تھے۔ بغض، حسد اور دشمنی ان ممالک میں خوب پنپتی رہی ہے۔ ان تمام برائیوں کو قصہ پارینہ بنانے کے لیے اور یورپی عوام کے دلوں میں ایک دوسرے سے محبت بڑھانے کے لیے یورپین یونین بنائی گئی۔ اس یونین میں ابتدائی طور پر ۱۶ ممالک تھے بعد میں ان کی تعداد ۲۸ ہوگئی۔ ممبر ممالک کے لیے سرحدوں کی پابندی ختم کر دی گئی جس سے آزادانہ طور پر یورپین ممالک کے لوگوں کی نقل وحرکت ممکن ہوئی۔ تجارت کے بے شمار مواقع پیدا ہوئے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یورپین لوگوں کے درمیان دشمنیوں کی کڑواہٹ کم ہوئی۔ یورپ ایک طاقتور درخت سمجھا جانے لگا اور سمجھا جانے لگا کہ جلد یورپ سپر پاور حاصل کرلے گا۔ مگر اس جذبہ کو اس وقت شدید جھٹکا لگا جب مشرقی یورپ کے غریب ممالک کو یورپ میں شامل کرلیا گیا اور انہیں آزادانہ طور پر نقل و حرکت کی اجازت دے دی گئی۔ ان ممالک کے عوام نے مغربی یورپی ممالک پر یلغار کر دی۔ سب سے زیادہ تکلیف برطانیہ کو اس لیے ہوئی کہ ان لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے برطانیہ میں سکونت اختیار کر لی۔ برطانوی حکومت اور عوام کو خدشہ تھا کہ اتنی بڑی تعداد میں آنے والے یورپی مہاجرین جرائم کے مرتکب ہوں گے۔ برطانیہ نے یورپی پارلیمنٹ میں ان مہاجرین کے خلاف اپنی آواز بلند کی مگر یورپی یونین نے

برطانیہ کو بتایا کہ مشرقی یورپ کے باشندے بھی ہمارے بھائی ہیں اور چند برس بعد خوشحالی اور تعلیم ان کی بری عادات کو ختم کردے گی۔

بہرحال برطانوی حکومت نے اپنا ایک کیا ہوا عوام سے وعدہ ۲۳ جون ۲۰۱۶ء کو ریفرنڈم کروا کر پورا کردیا۔ برطانوی عوام نے سیاست دانوں کے دکھائے گئے سنہری خواب کی بنیاد پر یورپ سے آزادی حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلہ کے آتے ہی پونڈ کی قیمت ۱۹۸۵ء کی سطح پر آ گئی۔ اسٹاک مارکیٹ ۹۰ کے زاویے سے نیچے گری۔ پہلے تین دن میں تقریباً ایک سو پچیس بلین کا نقصان ہوا اور امیر لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ وزیر اعظم نے حکومت سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا اور وہ سیاست دان جنہوں نے آزادی کا خواب دکھایا تھا انہوں نے بھی حالات کو مشکل قرار دے کر معذوری ظاہر کردی ہے۔ ان ابتدائی مشکل حالات کو دیکھ کر وہ لوگ جنہوں نے یورپ چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا وہ بھی مایوس نظر آتے ہیں۔ اب صورت حال یہ ہے یورپی یونین چاہتی ہے کہ برطانیہ غیر یقینی صورت حال کو یورپ سے علیحدہ ہو کر ختم کرے اور برطانیہ گومگوں کی کیفیت میں ہے۔ اس وقت برطانیہ میں عوام کو پہلا جھٹکا پراپرٹی کی قیمتوں میں کمی سے لگا ہے، اور اگلے چند روز میں اگر شرح سود میں اضافہ ہو گیا تو لوگوں کا برا حال ہو سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آزادی کی قیمت چکانی پڑتی ہے، سو برطانوی عوام کو بھی اپنی آزادی کی قیمت چکانی ہو گی۔ ہم اپنی رائے کیا دیں کہ اب کیا ہو گا آگے؟ ہم تو قمر جلال آبادی کے شعر کی صورت، برطانوی عوام کے ساتھ پیش آنے والے مستقبل کے حالات دیکھ رہے ہیں۔

سُنا تھا کہ وہ آئیں گے انجمن میں سُنا تھا کہ ان سے ملاقات ہو گی
ہمیں کیا پتا تھا ہمیں کیا خبر تھی نہ یہ بات ہو گی نہ وہ بات ہو گی

کچھ عرصہ جدائی کے بعد یورپی یونین کے خیالات کچھ یوں ہوں گے۔

خفا ہم سے ہو کے وہ بیٹھے ہوئے ہیں، رقیبوں میں گھر کے وہ بیٹھے ہوئے ہیں
نہ وہ دیکھتے ہیں نہ ہم دیکھتے ہیں یہاں بات ہو گی تو کیا بات ہو گی

☆☆☆

طلاق ،حلالہ اور نام نہاد مولوی

طلاق وحلالہ کے نام پر عورتوں کو جس طرح ذلیل ورسوا کیا جارہا ہے وہ غیر شرعی اور بے حیائی و بے غیرتی کی ذیل میں داخل ہو چکا ہے۔اول غلط طریق پر طلاق دے کر خواتین کو ان کی کم مائیگی کا احساس دلا کر زندہ درگور کر دیا جاتا ہے، پاکستانی اسلامی کہلانے والے معاشرہ میں طلاق یافتہ خواتین نہ زندوں میں شمار ہوتی ہیں مردوں میں۔طلاق یافتہ خواتین کی شادی کرنا بھی ناقابل معافی جرم سمجھا جاتا ہے۔مطلقہ خواتین کی زندگی ان گنت دکھوں کا طوق اُٹھائے گزرتی ہے۔دوم طلاق کو غیر موئثر کرنے کے لیے غیر شرعی حلالہ کے کانٹوں بھرے بستر پر خواتین کو بے دردی سے پھینک دیا جاتا ہے، جب وہ اس اذیت ناک بستر سے اُٹھتی ہیں تو خاوند اول کے لیے حلال ہو جاتی ہیں۔مولویوں نے مظلوم خواتین کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھانے کے لیے طلاق اور حلالہ کو سیڑھی کے طور پر استعمال کیا ہے۔فتویٰ باز مولویوں نے طلاق اور حلالہ کے نام پر مال کے گودام اور جنسی عیاشی کے اڈے بنا رکھے ہیں۔طلاق اور حلالہ کے اس کھیل میں بے قصور عورت بھنبھوڑی جاتی ہے اور اس کا تقدس پامال کیا جاتا ہے۔بدمعاشی سے غیر شرعی طلاق دینے والے مسلمان اور غیر شرعی طلاق کو شرعی قرار دینے والے مولوی، باپردہ، بااولاد اور بے اولاد خواتین کو ایک رات کے لیے حلالہ کرنے والے سانڈوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ان لعنتی سانڈوں میں مولوی، رشتے دار اور بچے ہر طرح کے لوگ موجود ہوتے ہیں۔اور نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''تمام مسلمانوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں، اور ان میں سب سے بہترین وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں اچھے ہوں۔''

(مسند احمد جلد۴ روایت ابو ہریرہؓ حدیث ۷۳۹۶)

اگلی سطور میں مولویوں کے طلاق کے متعلق فتوے بیان کیے جائیں گے۔یہ تمام فتوے غیر اسلامی ہیں۔ان فتووں سے قطعاً طلاق نہیں ہوتی۔مولانا محمد امجد علی کی کتاب بہار شریعت شائع کردہ مکتبۃ المدینہ کی جلد ۹ میں لکھا ہے:۔

''عورت سے کہا اگر میری اجازت کے بغیر گھر سے نکلی تو تجھے طلاق ہے تو ہر بار نکلنے کے لیے

اجازت کی ضرورت ہے اور اجازت یوں ہوگی کہ عورت اُسے سُنے اور سمجھے اگر اُس نے اجازت دی مگر عورت نے نہیں سُنا اور چلی گئی تو طلاق ہوگئی۔ اگر ایسی زبان مثلاً عربی، فارسی وغیرہ میں اجازت دی اور عورت ایسی زبان نہیں جانتی تو طلاق ہوگئی۔ اگر کسی رشتہ دار کے یہاں جانے کی اجازت دی مگر اُس وقت نہ گئی دوسرے وقت گئی تو طلاق ہوگئی۔'' (جلد ۹ صفحہ ۱۴۱ بہار شریعت) '' کچھ لوگ کسی جگہ بیٹھے ہوئے بات کر رہے تھے ان میں سے ایک شخص نے کہا جو شخص اب بولے اُس کی عورت کو طلاق ہے پھر خود ہی بولا تو اُس کی عورت کو طلاق ہوگئی۔ اگر کہا کہ اگر تُو اب کسی اجنبی سے بات کرے گی تو تجھ کو طلاق ہے پھر عورت نے ایسے شخص سے بات کی جو اُس کے گھر میں رہتا ہے مگر محارم میں سے نہیں کلام کیا تو طلاق ہوگئی۔'' (صفحہ ۶۴، ۶۵) '' اگر کہا پہلی عورت جو میرے نکاح میں آئے اُسے طلاق ہے تو اس کہنے کے بعد جس عورت سے پہلے نکاح ہوگا اُسے طلاق پڑ جائے گی اور نصف مہر واجب ہوگا۔ اگر کہا کہ پچھلی عورت جو میرے نکاح میں آئے اُسے طلاق ہے جس سے آخر میں نکاح ہوا اُسے نکاح ہوتے ہی طلاق پڑ جائے گی اس کا علم اُس وقت ہوگا جب وہ شخص مرے کیونکہ جب تک زندہ ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ پچھلی ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد اور نکاح کر لے۔ اگر وطی ہوئی تو پورا حق مہر لے گی ورنہ نصف، عدت میں سوگ نہ کرے گی اور نہ شوہر کی میراث پائے گی۔'' (بہار شریعت حصہ نہم صفحہ ۶۶) '' عورت سے کہا کہ اگر تُو جنے تو تجھے طلاق ہے اور مُردہ یا کچّا بچّہ ہوا تو طلاق ہوگئی اور اگر اعضاء نہ بنے ہوں تو نہ ہوگی۔'' (صفحہ ۶۷) عورت سے کہا اگر تُو نماز چھوڑے تو تجھ کو طلاق اور نماز قضا ہوگئی مگر پڑھ لی تو طلاق نہ ہوگی۔'' (صفحہ ۶۸) '' اگر کہا کہ تم مجھے ملے اور میں نے نہ مارا تو میری عورت کو طلاق۔ اگر وہ ایک میل سے دکھائی دیا یا چھت پر چڑھ گیا اور یہ اوپر جا نہ سکے تو طلاق نہ ہوگی ورنہ نہ مارا تو طلاق ہو جائے گی۔ اگر کہے کہ مال آیا تو ہر عورت کو طلاق اور مال آ گیا تو تمام اُس کی عورتوں کو طلاق ہو جائے گی۔'' (ان فتووں سے پتہ لگتا ہے کہ ایک ہی وقت میں تین طلاق کی بھی ضرورت نہیں ہے)

'' طلاق ت سے دی جائے تو بھی طلاق ہو جاتی ہے۔'' (۵۸۶ حقانیہ جلد ۴ مولانا عبدالحق)

'' اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں نے تجھ سے اپنی طلاق بعوض اس قدر مال کے خریدی پس شوہر نے کہا کہ میں نے فروخت کی تو صحیح ہے طلاق واقع ہو جائے گی۔''

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۱۰ کتاب الحیل صفحہ ۳۵۰)

سوال: ''ایک شخص نے کہا جا تجھے طلاق، طلاق، جا چلی جا۔ کیا طلاق واقع ہوگئی؟''

جواب: ''دو طلاقیں تو طلاق کے لفظ سے ہوگئیں اور تیسری جا چلی جا کے لفظ سے ہوگئی۔ لہذا بغیر حلالہ شرعی کے دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا۔'' (خواتین کا فقہی انسائیکلو پیڈیا صفحہ ۷۲۴)

سوال: ''ایک مولوی نے دھوکے سے کاغذ پر تین طلاق لکھوادی۔ کیا طلاق ہوگئی؟''

جواب: ''کہنے اور لکھنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ طلاق واقع ہوگئی۔ مولوی نے آپ کو دھوکہ دیا۔ طلاق واقع ہوگئی۔'' ''اگر زید کو مجبور کر کے زبردستی اس سے لفظ طلاق کہلا لیا ہے اور اس نے مجبور ہو کر زوجہ کو طلاق دے دی ہے تب تو اس کی زوجہ پر طلاق واقع ہوگئی۔''

سوال: ''اگر مذاق میں ۳ طلاق دی جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے؟''

جواب: ''نکاح بدوں حلالہ کے جائز نہیں۔''

''حالت نشہ میں اگر شوہر اپنی زوجہ کو طلاق دیوے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔''

سوال: ''میں نے طلاق نامے پر دو گواہوں کی موجودگی میں دستخط کیے۔ مگر بیوی کو نہ بتایا اور طلاق کا کاغذ اب تک میرے پاس ہے۔ کیا طلاق ہوگئی؟''

جواب: ''بیوی کو آپ نے تین طلاقیں لکھ دیں تو وہ آپ پر اسی لمحہ حرام ہوگئی۔ خواہ اس کو طلاق کا علم ہوا یا نہیں۔ آپ کا بیوی سے ملاپ خالص بدکاری ہے۔ حلالہ شرعی کے بعد وہ دوبارہ آپ کے نکاح میں آسکتی ہے۔'' ''حمل کی حالت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔''

(خواتین کا فقہی انسائیکلو پیڈیا صفحہ ۷۰۹ تا ۷۱۳ از مولانا عبدالمعبود۔ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور)

معزز قارئین! دھوکا، غصہ، جلد بازی اور مندرجہ بالا طریق پر دی گئی طلاق، طلاق نہیں ہوتی۔ نام نہاد مفتیوں نے اپنے بنائے ہوئے عقائد کو اسلامی بتا کر معاشرے کو پراگندہ کیا ہوا ہے اور اس کے نتیجے میں مسلمان معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ ان نام نہاد علماء نے طلاق کو بھی اپنی روزی روٹی کا سامان بنا رکھا ہے۔ ہمارے ملک میں طلاق مذاق ہوگئی ہے اور اس کا علاج حلالہ جیسی گندی رسم سے نکالا گیا ہے۔ حلالہ جیسی

بے غیرتی اسلام میں حرام ہے۔ حضرت رکانہؓ نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں جس کا انہیں بعد میں احساس ہوا۔ جب رسول اللہؐ کے پاس یہ معاملہ پہنچا تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اس نے تین طلاقیں کس طرح دی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ ایک ہی مجلس میں اس نے تین طلاقیں دے دی تھیں، اس پر آپؐ نے فرمایا: ''اس طرح تو ایک طلاق واقع ہوتی ہے، تم رجوع کرلو۔ (مسند احمد جلد ١، دارقطنی جلد ٢، نیل الاوطار جلد ٦)

یہ بات مستند روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے سارے عہد خلافت اور حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کے ابتدائی دور میں ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک طلاق متصور ہوتی تھیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے جب یہ محسوس فرمایا کہ شریعت کی دی گئی ایک سہولت کو بعض نادان لوگوں نے مذاق بنالیا ہے تو یہ حکم صادر فرمایا کہ لوگوں کی اس جلد بازی پر گرفت کی جائے اور اس طرح کی دی ہوئی تین طلاقوں کو تین ہی متصور کیا جائے تاکہ لوگوں کو تنبیہ ہو۔ حضرت عمرؓ کا یہ حکم تعزیر کا رنگ رکھتا ہے اور اسے دائمی حکم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (صحیح مسلم مصری کتاب الطلاق باب طلاق الثالث صفحہ ٦٧٢)

علاوہ ازیں جن فقہا نے ایک نشست میں تین طلاقوں کو تسلیم کیا ہے وہ بھی ایسی طلاق کو ''طلاق بدعت'' کا نام دیتے ہیں گویا اس کا ناپسندیدہ ہونا ان کے نزدیک بھی مسلّم ہے۔ 'طلاق بتۃ'' کے واقع ہونے کے لیے دو طلاقوں کے درمیان یا تو رجوع حائل ہونا چاہیے یا دوسرا نکاح۔ اگر ان دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت نہیں تو خواہ کتنی بار وہ منہ سے طلاق کا لفظ بولے طلاق ایک ہی متصور ہوگی۔ اس مَسلک کو فقہا سلف میں سے بھی بعض (مثلاً امام شوکانیؒ وغیرہ نے) تسلیم کیا ہے اور اسے ''طلاق مغلظہ'' کا نام دیا ہے۔

(روضۃ الندیہ شرح الدرر البھیہ کتاب الطلاق صفحہ ٢١٢)

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''**لا اطلقک ابدا ولا ادیک ابدا**'' یعنی نہ تو میں تجھے کبھی طلاق دوں گا اور نہ اپنے گھر میں بساؤں گا۔ عورت نے پوچھا ''**و کیف ذلک**'' یہ کس طرح ہوسکتا ہے۔ اس پر اس نے کہا ''**اطلق حتی اذا اتی اجلک راجعتک**'' میں تجھے طلاق دوں گا اور جب تیری عدت ختم ہونے کے قریب پہنچے گی تو رجوع کرلوں گا۔ اگلی دفعہ پھر ایسا کروں گا اور پھر رجوع کرلوں گا۔ اس طرح نہ تجھے بساؤں گا اور نہ علیحدہ ہونے دوں گا۔ وہ

رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اوراس نے اس واقعہ کا آپؐ سے ذکر کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ **الطلاق مرتن** ۔یعنی وہ طلاق جس میں مرد کو رجوع کا حق حاصل ہے صرف دو دفعہ ہے اس سے زیادہ نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۹۴)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دو طلاقوں تک تو مرد کو رجوع کا حق حاصل رہتا ہے۔ لیکن تیسری طلاق کے بعد اسے رجوع کا کوئی حق نہیں رہتا۔ اور یہ دو طلاقیں بھی بیک وقت نہیں دی جا سکتیں بلکہ یکے بعد دیگرے دی جاتی ہیں جس کی طرف مرتن کا لفظ اشارہ کرتا ہے جس کے معنی **مرة بعد مرة** کے ہیں یعنی ایک ہی دفعہ طلاقیں نہ دی جائیں بلکہ باری باری دی جائیں اور ہر طلاق کی مدت جیسا کہ اوپر کی آیت میں گزر چکا ہے تین قروء ہے خواہ وہ ہر مہینے میں ایک دفعہ طلاق دے یا شروع میں ایک دفعہ دے، اس سے طلاق کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور عدت گزرنے کے بعد پھر خاوند نکاح کر سکے گا۔ اس قسم کی صرف دو جائز ہیں۔ یعنی طلاق دینا اور عدت کے بعد نکاح کر لینا۔ اگر دو ہو جائیں تو اس کے بعد پھر اگر وہ تیسری مرتبہ طلاق دے دے تو ایسے شخص کے لیے اس عورت سے دوبارہ نکاح جائز نہیں جب تک کہ وہ باقاعدہ اور شرعی نکاح دوسرے شخص سے نہ کر چکی ہو جو حقیقی نکاح ہے حلالہ نہیں۔ کیونکہ حلالہ کا وجود اسلام میں نہیں ہے۔

<u>حلالہ جیسی بے غیرتی</u>

مولوی لوگ ناجائز طور پر بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو میاں بیوی کے درمیان دائمی جدائی کا باعث قرار دے کر انہیں ایک دوسرے لعنتی کام کے لیے تیار کرتے ہیں جسے عرف عام میں حلالہ کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتا ہے:۔

''پھر اگر وہ (مرد) اسے طلاق دے دے تو اس کے لیے اس کے بعد پھر اُس مرد کے نکاح میں آنا جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ اس کے سوا کسی اور شخص سے شادی کر لے۔ پھر اگر وہ بھی اسے طلاق دے دے۔ تو پھر ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ایک دوسرے کی طرف رجوع کریں، اگر وہ یہ گمان رکھتے ہوں کہ (اس مرتبہ) وہ اللہ کی (مقررہ) حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔ اور یہ اللہ کی (مقررہ) حدود ہیں جنہیں وہ ان لوگوں

کی خاطر خوب کھول کھول کر بیان کر رہا ہے جو علم رکھتے ہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۳۱)

اس آیت کا مطلب ایک موٹی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک مرد نے کسی عورت کو طلاق دے دی تو وہ اس کے لیے غیر محرم ہوگئی، اس سے اس سے کا تعلق ختم ہوگیا۔ اب اگر عورت شادی کرنا چاہے تو جہاں وہ مناسب سمجھے کر لے، اس کے لیے اسے سابقہ مرد سے مشورہ لینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ شادی کر لینے کے بعد اگر کسی وجہ سے مرد بیوی کو طلاق دے دے یا اس کا خاوند فوت ہو جائے تو سابقہ شوہر سے نکاح ہوسکتا ہے اگر وہ اللہ کی قائم کردہ حدود کو قائم رکھ سکیں۔ اس آیت کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ سابقہ شوہر کسی حلالہ کرنے والے سانڈ کو تلاش کرے اور اسے کہے کہ میری سابقہ بیوی سے ایک بار ہمبستری کے بعد طلاق دے دے۔ ایسا کرنے والے نانہجاروں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "**لعن اللہ المحلل و المحلل لہ۔**"

فتاویٰ حقانیہ جلد ۴ میں سورۃ البقرہ کی اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ ایسے حالات میں میاں و بیوی سے حلالہ پر اقدام کرنا مقصود نہیں اور نہ شریعت اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "**لعن اللہ المحلل و المحلل لہ۔**""

مولانا عبدالحق یہ لکھنے کے بعد کہ حلالہ کرنے والا اور حلالہ کرانے والی پر لعنت ہے، کمال ڈھٹائی اور بے شرمی سے لکھتے ہیں کہ "تاہم، کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے عورت خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے اس لیے اندریں حالات اگر کوئی راہ تلاش کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ایسی حالت میں حلالہ کے بعد میاں بیوی دوبارہ نکاح کر کے نئی زندگی اختیار کر سکتے ہیں، تاہم اس میں صرف نکاح کافی نہیں جب تک دوسرا خاوند بیوی سے ہم بستری نہ کرے۔ (فتاویٰ حقانیہ باب الحلالہ صفحہ ۱۵۵ جلد ۴)

مولانا عبدالمعبود کہتے ہیں کہ:۔

"قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اگر شوہر بیوی کو تیسری طلاق دے دے تو وہ اس کے لیے حلال نہیں رہتی یہاں تک کہ وہ عورت (عدت کے بعد) دوسرے شوہر سے نکاح (صحیح) کرے۔ (اور نکاح کے بعد دوسرا شوہر اس سے صحبت کرے پھر مر جائے یا از خود طلاق دے دے اور اس کی عدت گزر جائے، تب یہ عورت پہلے

شوہر کے لیے حلال ہوگی اور وہ اس سے دوبارہ نکاح کر سکے گا۔ یہ ہے حلالہ شرعی)۔"

عبدالمعبود مزید لکھتے ہیں:۔

"تین طلاق کے بعد عورت کا کسی سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے گا ، یہ شرط باطل ہے۔اور حدیث میں ایسا حلالہ کرنے والے اور کرنے والی پر لعنت فرمائی گئی ہے۔۔۔۔تاہم ملعون ہونے کے باوجود اگر دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے دے تو عدت کے بعد عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوجائے گی۔" (خواتین کا فقہی انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۷۰۸ از مولانا عبدالمعبود۔مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور)

معزز قارئین! عجیب مولوی کی سوچ ہے کہ ایک ایسے مرد کے لیے جس نے کسی بھی وجہ سے طلاق دے کر بیوی سے علیحدگی حاصل کر لی ہے۔اس کی بدمعاشی تو دیکھیں کہ وہ اپنی سابقہ بیوی کو لعنتی بنا کر دوبارہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔حلالہ کرنے والے سانڈ بھی خوشی سے لعنتی بننے پر تیار ہوجاتے ہیں۔ یہ سانڈ جنسی مریض ہوتے ہیں یہ اس لیے لعنت کو قبول کر لیتے ہیں کہ حلالہ کے متعلق لکھا ہے کہ حلالہ کے نکاح میں مشتہی مرد کا ادخالِ ذَکر ضروری ہے تاکہ دونوں کو کچھ لذّت حاصل ہو،انزال کرنا ضروری نہیں۔اگر کنڈوم کے ساتھ وہی لذت حاصل ہوتی ہوتو یہ وطی پہلے شوہر کے لیے محلل بن سکتی ہے ورنہ نہیں۔کچھ اور فتوے ملاحضہ فرمائیں:۔

۱۔اگر مطلقہ عورت کسی مرد کے ساتھ نکاح کرے مگر وطی سے قبل وفات پا جائے تو عورت شوہر اول کے لیے حلال نہ ہوگی۔حنفیہ کے نزدیک حلالہ کے نکاح میں وطی کرنا ضروری ہے، چونکہ موت قائم مقامِ وطی نہیں اس لیے شوہر ثانی کی وفات سے شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہوسکتی۔

۲۔حلالہ شرعی میں ایلاج (دخول حشفہ) ضروری ہے،انزال ضروری نہیں۔حلالہ کرنے والا شخص اگر حمل سے ڈرتا ہوتو وہ دخولِ حشفہ کے بعد بغیر انزال کے جماع ختم کردے اور طلاق دے دے تو عورت شوہر اول کے لیے حلال ہوجائے گی۔

۳۔حلالہ کے لیے حلالہ کرنے والے کا بالغ ہونا ضروری نہیں۔اگر نابالغ لڑکا جماع پر قادر ہوتو اس کا حلالہ کرنا صحیح ہے۔

۴۔حلالہ شرعی کے لیے ضروری ہے کہ اس میں جماع فی القُبل ہو،دُبر میں جماع کرنا حلالہ کے

لیے کافی نہیں۔

۵۔اگر مطلقہ عورت کہے کہ میں حلالہ کروا چکی ہوں تو شوہر اول کو چاہیے کہ عورت کی بات کی تحقیق کرے اور اُس سے جملہ کیفیات اور حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرے، اگر وہ حلالہ کے لیے کارآمد ہوں تو دوبارہ نکاح کرے۔

٦۔اگر اس بات کا خطرہ ہو کہ (نکاح و جماع کے بعد) حلالہ کرنے والا شخص طلاق نہ دے گا تو اس کے لیے ایک حیلہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ عورت اس شخص سے اس شرط پر نکاح کرے کہ اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اس کو اختیار ہو، پس جب وہ خاوند ایک مرتبہ اس سے جماع کر چکے تو یہ عورت اپنے اوپر از خود طلاق واقع کر سکتی ہے۔　(فتاویٰ حقانیہ از مولانا عبدالحق باب الحلالہ صفحہ ۴۸۳ جلد ۴)

مندرجہ بالا فتاویٰ جات مولوی کی ذہنی گندگی اور ان کے فتاویٰ کو حقیقت سمجھ کر لعنتی بننے والوں کی بے حیائی ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں۔ نام نہاد مولویوں کی خباثتوں کا ذکر نہایت مختصر طور پر کیا گیا ہے۔

حلالہ مراکز کی اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بھرمار ہے یہ حلالہ مراکز بیرون ملک بھی اپنی سروسز مہیا کرتے ہیں، اشتہار کچھ اس طرح کے ہوتے ہیں۔

Halala service center in Lahore Punjab Pakistan

We provide Halala services If you divorced your wife & now you want
to marry with her again by using HALALA but you did not found a reasonable MAN who
can help you for this very delicate problem, then contact us.
Our volunteer can go abroad for those couples who cannot come to their own country
but you must arrange all necessary documents & air ticket for him.

.We will remain all things hidden you can contact with us with full of confidence.

معزز قارئین! اس طرح کے حلالہ سینٹر پاکستان کے ہر شہر میں موجود ہیں۔ بعض لوگ طلاق دے کر اپنی بیوی کو موٹی رقم لے کر حلالہ کرنے والے سانڈوں کے حوالے کر دیتے ہیں اور کئی بار ایسا کرتے ہیں۔ ان حلالہ سینٹروں کے اندر باہر سابقہ شوہر اور لڑکی کے والدین حلالہ (لعنتی سے ہمبستری یعنی جماع)

کے بعد حلال ہونے والی کا بڑی بے چینی کے ساتھ انتظار کرتے دیکھے جا سکتے ہیں۔ حلالہ کے نام پر بدکاری کے اڈے نام نہاد مولویوں کی زیر سرپرستی پھل پھول رہے ہیں۔ نام نہاد مولوی نگرانی کرتا ہے کہ حلالہ کے نام پر ہم بستری ہوئی یا نہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حلالہ کرنے والا سانڈ طلاق دینے سے انکار کر دیتا ہے۔ اور حلالہ کروانے والی بھی اس کی ہم نوا ہو جاتی ہے۔

نوٹ: مضمون میں جہاں جہاں مولوی لکھا گیا ہے اسے نام نہاد سمجھا جائے۔ ایسے علماء کی بھی کمی نہیں ہے جو بیان کی گئی بے غیرتی کی داستان کو حرام اور اسلام سے دور قرار دیتے ہیں۔ اسلامی، صحیح، سچی اور مکمل تفصیل کے لیے دیکھیں: ۱۔ نکاح طلاق حلالہ قرآن کی روشنی میں از کرنل (ریٹائرڈ) عمر شبیر ایڈووکیٹ ہائی کورٹ۔ ۲۔ فقہ احمدیہ حصہ دوم۔ ۳۔ حلالہ کی چھری از ابوحمزہ)

☆☆☆

مانگے تانگے کا کھانا

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں نام نہاد مولویوں کی اکثریت خیرات یعنی مانگے تانگے کے کھانے کھا کر پلی بڑھی ہے۔ ان نام نہاد مولویوں کے مدرسوں میں پڑھنے والے بچے بھی مانگے تانگے کا کھانا کھا کے جوان ہوتے ہیں۔ سچی بات ہے کہ جس ملک میں بھی خیرات پر پلنے والے بڑھتے ہی چلے جائیں وہاں کچھ عرصہ بعد بے غیرتی راج کرنے لگتی ہے۔ نام نہاد مولوی اور نام نہاد مدرسہ کے طالبعلم میں صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ مولوی حضرات خیرات سے زیادہ حصہ لیتے ہیں اور طالبعلم کم۔ ایک دن نام نہاد مسلم مدرسہ کا یہی طالب علم جب نام نہاد مولوی کی سب مکاریوں سے واقف ہو کر خود بھی مولوی، مفتی یا مولانا بن جاتا ہے تو وہ شیطان کا چہیتا چیلا بن جاتا ہے۔ اور وہ طالب علم جو خیرات سے نفرت کرتا ہے وہ بالآخر احمد ندیم قاسمی، عطاء الحق قاسمی اور صدر پاکستان ممنون حسین بن جاتا ہے۔

سیٹلائٹ ٹی وی سیٹس توڑ دیں

شدت پسند تنظیم داعش نے مسلمانوں سے کہا ہے کہ ''وہ اپنے سیٹیلائٹ ٹی وی سیٹس توڑ دیں۔ جو ان کے عقائد اور اخلاقیات کو تباہ کر رہے ہیں۔ ٹی وی رپورٹ میں سیٹیلائٹ ڈشوں کو توڑتے ہوئے بھی دکھایا گیا ہے۔''

معزز قارئین! عجیب بات ہے کہ دولت اسلامیہ داعش کسی کے بھی قابو نہیں آرہی۔ مسلمانوں کی بے بسی کی انتہا ہے کہ وہ داعش کو ناسور بھی قرار دیتے ہیں اور اسے پھلتا پھولتا بھی دیکھ رہے ہیں۔ ۵۷ اسلامی ملک مل کر بھی داعش کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور دن رات مذہبی راہنما اور اور ان کے ارادتمند جہاد جہاد کا شور مچاتے ہیں اور جہاد کرتے بھی نہیں۔ ہم بتاتے ہیں وہ ایسا کیوں نہیں کرتے اس لیے کہ داعش کی مٹھی گرم کرنے والے بھی یہی مذہبی جنونی اور کچھ مسلمان ممالک ہیں۔ اور داعش کی مدد اس لیے کی جارہی ہے کہ شام کی شیعہ حکومت کا خاتمہ اور عراق سے شیعوں کا خاتمہ کیا جا سکے۔ مغربی ممالک کی بھی یہی خواہش نظر آتی ہے۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ اور عالمی انسانی حقوق کی تنظیم کے مطابق ان ناجائز خواہشات کی بھینٹ دو لاکھ اسی ہزار شامی مسلمان چڑھ چکے ہیں۔ گزشتہ پندرہ ماہ کے دوران دس لاکھ مہاجرین یونان پہنچے۔ سینکڑوں افراد سمندر برد ہوئے۔ داعش کا یہ حکم سن کر کہ سٹیلائٹ ڈشوں کو توڑ دو، عقائد اور اخلاقیات ٹی وی دیکھنے سے تباہ ہوتے ہیں، قطعاً حیرانگی نہیں ہوئی۔ ایسا کہنا کوئی نئی بات نہیں ہے ہم نے پاکستان میں چند مذہبی گروپوں کا ٹی وی سے نفرت کا سلوک دیکھ رکھا ہے۔ جب ہزاروں دعوت اسلامی اور تبلیغی جماعت والوں نے ٹی وی سیٹ گلیوں میں توڑ پھوڑ کر پھینک دیے تھے۔ ٹیلی ویژن کے متعلق برصغیر پاک و ہند میں کافر ہونے اور اس کے دیکھنے کو حرام قرار دینے کے فتوے بھی موجود ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب فرماتے ہیں :۔

''ٹیلی ویژن مطلقاً حرام ہے۔ کیونکہ ٹیلی ویژن میں کیمروں کی مدد سے تصویر دکھائی جاتی ہے اور تصویر باجماع امّت حرام ہے۔ لہٰذا ٹیلی ویژن بھی حرام کے دائرے میں ہے۔'' (تصویر اور حجاب کے اسلامی احکام اور ٹیلی ویژن از ڈاکٹر اسرار احمد، ماہنامہ میثاق اگست ۱۹۸۲ء جنگ لاہور ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۲ء، بحوالہ مذہبی و سیاسی فرقہ بندیاں از محمد اشرف ظفر صفحہ ۲۷۰)

غوری سے بلبن تک

دہلی اور اجمیر کے آخری راجہ پرتھوی راج چوہان جسے رائے پتھورا گجر بھی کہا جاتا ہے کے خلاف لڑی جانے والی ترائین کی دوسری جنگ (۱۱۹۲ء) میں فتح یاب ہونے کے بعد ۱۲۰۶ء میں سلطان معزالدین (شہاب الدین) غوری، قذاق قبیلے ککار کے ہاتھوں مارا گیا۔ چونکہ شہاب الدین غوری کا کوئی بیٹا نہ تھا اس لیے اس کا بھتیجا محمود بادشاہ بنا دیا گیا۔ محمود نہایت نالائق بادشاہ ثابت ہوا۔ حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔ شہاب الدین غوری کے منظورِ نظر غلاموں نے سلطنت کو آپس میں بانٹ لیا۔ شہاب الدین غوری کے چہیتے غلام قطب الدین ایبک (ترک ایک قبیلے کے لوگ بہت خوبصورت ہوتے تھے، قطب الدین حسین نہ تھا شاید اسی لیے اس کے بھائیوں نے اسے بیچ دیا تھا۔) نے دہلی اور ہندوستان کے دیگر علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ شہاب الدین کے ایک اور غلام یلدیز نے غزنی لے لیا۔ اس غلام کو شاہ خوارزم نے نکال باہر کیا۔ ایک اور شہاب الدین کے غلام نذیر الدین نے سندھ اور ملتان پر اقتدار حاصل کر لیا۔ اور ایک اور غلام بختیار خلجی بہار اور بنگال کا فرمانروا بن گیا۔

قطب الدین چار برس تک دہلی کے گرد و نواح پر حکومت کرنے کے بعد چوگان یعنی پولو کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر نومبر ۱۲۱۰ء میں وفات پا گیا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا آرام شاہ تختِ دہلی پر بیٹھا لیکن ایک سال بعد ہی اس کے بہنوئی شمس الدین التمش نے اس سے تختِ دہلی چھین لیا۔ اور آرام شاہ کو قتل کر دیا۔ شہاب الدین غوری کے ایک دوسرے غلام نذیر الدین کو چنگیز خان نے عبرت ناک شکست دی اور سندھ اور ملتان کو تاخت و تاراج کر دیا۔ موقع کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے شمس الدین التمش نے سندھ اور ملتان پر قبضہ کر لیا۔ مالوہ اور بہار پر بھی قبضہ کر کے التمش ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔ یاد رہے شمس الدین التمش جو کہ غلام تھا اسے اس کے بھائیوں نے اسے نہایت حسین اور عقل و دانش رکھنے کی بنا پر بیچ دیا تھا۔ قطب الدین ایبک نے اسے خرید کر اسے گوالیار کا امیر بنا دیا تھا بعد ازاں اس کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کرنے کے ساتھ ساتھ اسے امیر الامراء کا عہدہ بھی عطا کر دیا تھا۔ قطب الدین ایبک نے اپنی دوسری بیٹی کا نکاح اپنے ایک غلام بیٹے ناصر

الدین قباچہ سے کیا تھا۔شمس الدین التمش کے قہر سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے، کشتی الٹ جانے کے باعث قباچہ دریائے سندھ میں ڈوب کر ہلاک ہوا تھا۔شمس الدین التمش چھبیس برس حکومت کرنے کے بعد ۳۰ اپریل ۱۲۳۶ء کو مر گیا۔اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین فیروز تخت نشین ہوا۔تخت نشینی کے چند ماہ بعد اس کی بہن رضیہ سلطانہ نے اسے معزول کر کے قتل کر دیا اور ہندوستان کی حکومت سنبھال لی۔رضیہ سلطانہ کی بد کرداری کی وجہ سے امراء مشتعل ہو گئے۔کہا جاتا ہے کہ رضیہ سلطانہ کا ایک حبشی غلام جمال الدین یاقوت سے معاشقہ تھا۔بٹھنڈہ کے حاکم اختیار الدین التونیہ نے بغاوت کر دی اور رضیہ سلطانہ کو شکست دے کر گرفتار کر کے بٹھنڈہ لے گیا اور حبشی غلام کو قتل کر دیا گیا۔دوران قید اس کا التونیہ سے معاشقہ ہو گیا۔اور رضیہ سلطانہ نے اس سے شادی کر لی۔شادی کے بعد دونوں دہلی پر قبضہ کے لیے روانہ ہوئے مگر انہیں شکست ہوئی اور دونوں مارے گئے۔اس وقت معزالدین بہرام شاہ، رضیہ سلطانہ کا بھائی بادشاہ بنا۔اسے بھی جلد قتل کر دیا گیا اور رکن الدین کے بیٹے علاءالدین مسعود کو بادشاہ بنایا گیا اسے بھی پانچ برس بعد قتل کر دیا گیا۔پھر شمس الدین التمش کے پوتے نذیرالدین محمود کو جو معزالدین بہرام کا بیٹا تھا تخت نشین کیا گیا۔نذیرالدین، سلطان شمس الدین التمش کے خاندان کا آخری بادشاہ ثابت ہوا۔اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔غیاث الدین بلبن جو اس کا غلام تھا اس نے اس موت کے بعد اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

زندہ نہ چھوڑا

ابن انشاء (15June1927 تا 11January1978) لکھتے ہیں:۔

”شاہ اورنگ زیب عالمگیر بہت لائق بادشاہ تھا دین اور دنیا دونوں پر نظر رکھتا تھا اس نے کبھی کوئی نماز قضا نہ کی اور کسی بھائی کو زندہ نہ چھوڑا۔بعض لوگ اعتراض بھی کرتے ہیں موخر الذکر بات پر، حالانکہ یہ ضروری تھا اس کے سب بھائی نالائق تھے جیسے کہ ہر بادشاہ کے بھائی ہوتے ہیں نالائق نہ ہوں تو خود پہل کر کے بادشاہ کو قتل نہ کر دیں۔“

توہینِ خدا قانون کیوں نہیں؟

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی سورۃ الاعراف کی آیاتِ مقدسہ ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۸ میں فرماتا ہے:۔

''کیا وہ اسے شریک بناتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کرسکتا بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔اور وہ ان کی کسی قسم کی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور وہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کرسکتے۔یقیناً وہ لوگ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو تمہاری ہی طرح کے انسان ہیں۔پس تم انہیں پکارتے رہو۔پس چاہیے کہ وہ تمہیں جواب تو دیں اگر تم سچے ہو۔اور وہ لوگ جنہیں تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کی کوئی طاقت نہیں رکھتے ورنہ وہ خود اپنی مدد کرسکتے ہیں۔''

معزز قارئین! ذرا غور تو کریں مسلمان ممالک کے غریب ترین اور امیر ترین افراد کی حالت پر کیا ان کی اکثریت اللہ پر توکل کرتی ہے؟ جس میں ایک رتی بھر بھی انسانیت باقی ہے وہ اس بات کا جواب نفی میں دے گا۔عالم اسلام کے بادشاہ اور سیاست دان امیر مغربی ممالک کی مدد کے بغیر خود کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں۔مذہبی شخصیات خود پرستی جیسے شرک میں ہی مبتلا نہیں بلکہ عام لوگوں کو اپنی زلفوں کا اسیر کرنے کے لیے انہیں بھی بے شمار شرکیہ رسومات کا عادی بنا دیا ہے۔وہ امت جسے یہ تعلیم دی گئی تھی کہ جوتے کا تسمہ بھی اللہ سے مانگو اس امت کی اکثریت بچے بھی پیروں، فقیروں سے مانگتی ہے۔اس دور میں سب سے زیادہ پوجا جانے والا لعنتی بُت جھوٹ ہے۔اس بات پر یقین کر لیا گیا ہے کہ ترقی، شہرت، دولت، حکومت، تعلقات اور مذہبی برتری وغیرہ جھوٹ کے بغیر ناممکن ہیں۔حیرت ہوتی ہے ایسے لوگوں پر جو جھوٹ جیسے خبیث بت کو خوش کرنے کے لیے اسلام کا نام لیتے ہیں۔توہین رسالت قانون کے شکنجے میں کسنے کے لیے بھی اکثر جھوٹ کو ہی اولیت دی جاتی ہے۔اگر توہینِ خدا کا قانون بھی بنا دیا جائے اور صرف جھوٹ کی عبادت کرنے والوں کو سزا دی جائے تو توہین رسالت کا ایک بھی کیس سامنے نہیں آئے گا، اور توہین خدا کے جرم میں شاید ہی کوئی سزا سے بچ سکے۔مسلمان رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ کی جھوٹ بول کر توہین کرتے ہیں۔توہین خدا کا قانون توہین رسالت قانون سے پہلے بننا چاہیے تھا۔☆☆☆

کشمیر کی آزادی

کشمیر میں جاری آزادی کی جنگ کے نتیجے میں ایک ماہ کے دوران تقریباً ایک سو کشمیری اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور ڈیڑھ سو کشمیری اپنی آنکھوں کی بینائی کھو کر ٹھوکریں کھانے کے لیے مجبور کر دیے گئے ہیں۔گزشتہ ۷۰ سال میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان چار جنگیں ہو چکی ہیں۔ان جنگوں کے نتیجے میں کشمیر تو آزاد نہ ہو سکا بنگلا دیش سابقہ مشرقی پاکستان کے لوگوں نے پاکستان سے آزادی حاصل کر لی۔یقیناً جنگ مسائل حل نہیں کرتی بلکہ بے شمار مسائل کو جنم دیتی ہے۔کبھی کشمیر ایک ہی بڑا مسئلہ تھا جس کی وجہ سے ہندوستان اور پاکستان ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے افواج کو پالا کرتے تھے۔کشمیر کے مسئلے سے بھی بڑا مسئلہ اب دہشت گردی کی صورت میں اپنے پھن پھلا رہا ہے بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ لوگوں کی ناگہانی اموات کا باعث بن رہا ہے۔کشمیری لیڈروں کی حالت زار دید کے قابل ہے، یہ لیڈر آپس میں بھی ایک دوسرے سے آزاد ہیں۔ان لیڈروں کو چاہیے کہ آپس میں سر جوڑ کر بیٹھیں اور اپنی دانشمندانہ صلاحیت استعمال کرتے ہوئے کشمیر کو آزاد کروانے کے لیے اپنی سیاسی کوششوں کو تیز کریں۔اور ان عوامل کو سب سے پہلے دور کرنے کی کوشش کریں جن کی وجہ سے معصوم بچوں، بوڑھوں اور خواتین کی عزت اور زندگی کو خطرات لاحق ہوتے ہیں۔ ہر قسم کے دہشت گردوں کو اپنی آزادی کی تحریک سے دور رکھیں۔

ہندوستان کے موجودہ وزیراعظم مودی نے کہا ہے کہ ہمیں اور پاکستان کو غربت اور جہالت ختم کرنے پر توجہ دینی چاہیے، مقابلہ کرنا چاہیے کہ کون جیتتا ہے۔جناب مودی صاحب کی بات بڑی زبردست اور مدبرانہ ہے۔مدبرانہ بات کو چار چاند اس وقت لگتے ہیں جب اس پر عمل کیا جائے۔عملی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ مدبر صاحب کی چھتر چھایا میں گجرات میں ہزاروں مسلمانوں کو زندہ جلا دیا جاتا ہے۔جب ایک صحافی نے مودی سے پوچھا کہ کیا آپ کو اس واقع پر دکھ ہے تو مودی صاحب نے جواب دیا کہ ”ہاں! دکھ ہوا ہے مگر اس قدر جتنا روڈ ایکسیڈنٹ میں کتا مر جانے پر ہوتا ہے۔“ اگر ہندوستان کی کوشش پاکستان توڑنے کی بجائے غربت اور جہالت ختم کرنے کی طرف ہی ہوتی تو یقینی طور پر دونوں ملک ترقی یافتہ ممالک میں شامل ہوتے۔

کشمیر جیسے اہم مسئلے پر چار جنگوں اور دوسرے بم دھماکوں میں لاکھوں لوگ مر چکے ہیں، صرف کشمیر میں تقریباً ایک لاکھ کشمیری مر چکے ہیں۔ اگر ہندوستان اور پاکستان مل کر کشمیریوں کی خواہش کے مطابق انہیں ان کا حق دے دیں تو ان دونوں ممالک کی لڑائی ختم ہوسکتی ہے۔ ایسے ماحول میں جبکہ ہندوستان پاکستان کو توڑنے کی کوشش میں ہو اور پاکستان ہندوستان کو غیر مستحکم کرنے کے لیے کوششوں میں مصروف ہو، غربت اور جہالت کا خاتمہ ناممکن ہے۔ مودی سرکار سے پہلے ۸۳ کروڑ افراد غربت کی لکیر سے نیچے تھے اور اب ۸۶ کروڑ افراد ہو چکے ہیں۔ بھارتی لوگ بھوک اور بیماری سے مر رہے ہوں اور مودی صاحب ہاتھ نچا نچا کر جنگ کی باتیں کریں، یہ قابل افسوس اور قابل شرم بات ہے۔ پاکستان اور ہندوستان دونوں ایٹمی ہتھیار بھی رکھتے ہیں اور ان دونوں نے بہت بڑی بڑی فوجیں بھی پال رکھی ہیں۔ کشمیر کا مسئلہ حل نہ ہونے کی ایک وجہ یہ افواج بھی ہیں، دونوں ممالک کی افواج اپنی موجودگی کو ضروری قرار دینے کے لیے مختلف طریقوں سے جنگ کا ماحول پیدا کرتی رہتی ہیں۔ اسی طرح پاکستان جس کا نام سنتے ہی دہشت گردی اور ملائیت کا منحوس اور مکروہ چہرہ دنیا کو دکھائی دینے لگتا ہے۔ پاکستان کی جاہلانہ خارجہ وداخلہ پالیسیوں نے پاکستان کو دہشت گردوں کی جنت بنا دیا ہے۔ جس وقت طالبان کی حکومت کو امریکی بمباری نے تباہ و برباد کر رہا تھا، اس وقت پاکستان نے خاموش تماشائی کا کردار ادا نہیں کیا بلکہ اتحادی افواج کی اسی طرح مدد کی جس طرح روسیوں کے خلاف ان کی مدد کی تھی۔ جب سے پاکستان نے اپنے برادر اسلامی ملک افغانستان سے تعلق بگاڑا ہے تب سے دہشت گردوں اور ملاؤں نے پاکستانیوں کو گھیر رکھا ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ ہماری بربادیوں کے صرف یہ دو عوامل ہیں۔ پاکستان کے کرپٹ، جھوٹے اور بے ایمان سیاستدان سب سے زیادہ ان حالات کے ذمہ دار ہیں۔ اس وقت افواج اور جاہل سیاستدانوں کے نرغے میں تقریباً دو ارب لوگ ہیں۔ جب برصغیر کے لوگ پاکستان کے وزیر دفاع خواجہ آصف اور بھارتی لیڈروں کے اس بیان کو پڑھتے ہیں جس میں انہوں نے کہا ہے کہ ضرورت پڑنے پر ہم ایٹمی ہتھیار بھی چلا سکتے ہیں، تو وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے بڑی کوئی جاہلانہ بات نہیں ہوسکتی۔ بھارت اور پاکستان کے پاس ۲۰۰ کے قریب ایٹمی ہتھیار ہیں، خواجہ آصف جیسے دوسرے سیاستدان شاید جانتے ہی نہیں کہ اگر دس ایٹمی ہتھیار استعمال کیے جائیں تو سارا پاکستان اور انڈیا کے بہت بڑے علاقے کا ہر جاندار جل کر خاکستر ہو جائے گا۔

مودی صاحب نے کہا ہے کہ ’’ہم سوفٹ وئیر بنا کر باہر بھیجتے ہیں اور پاکستان دہشت گرد بھیجتا ہے۔‘‘ یہ درست ہے کسی حد تک۔ پاکستان کو دہشت گرد پالنے کا شوق جنرل ضیاء کے زمانے میں جب اسلامائزیشن کا انہیں بخار تھا، تب ہوا تھا۔ بس تب سے دہشت گردی اور ملائیت پاکستان کے پاک دامن کو پلید کر رہی ہیں۔ مگر ہندوستان کا دامن بہت پہلے پلید ہو چکا تھا۔ مکتی باہنی کا سابق مشرقی پاکستان میں کردار دہشتگردانہ ہی تو تھا۔ اس وقت بھی کراچی، بلوچستان اور دوسرے پاکستانی علاقوں میں ہندوستانی دہشت گرد موجود ہیں، گلبھوشن اور دوسرے کئی ہندوستانی گرفتار بھی ہوئے ہیں۔ کشمیری بے گناہ نہتے کشمیریوں کو مارنا بھی دہشگردی ہی تو ہے۔ اب دہشت گردی کا نشانہ بننے والے صرف انڈیا اور پاکستانی ہی نہیں ہیں بلکہ ساری دنیا اس کا شکار ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ ناانصافی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ انصاف کی اقوام عالم نے تدفین کر دی ہوئی ہے۔

کشمیری، پاکستانی اور ہندوستانی عوام امن وسکون سے جینا چاہتی ہے۔ ہمارے حبیب آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا مقدس ارشاد ہے کہ ’’ **سید القوم خادمھم۔** ‘‘ یعنی قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کے سرداروں کو چاہیے کہ انسانوں کی فلاح بہبود کے لیے مل کر کام کریں۔ کشمیریوں کو بھی اگر وہ خود کو آزاد نہیں سمجھتے تو انہیں آزادی دے کر بھی بھائی بنایا جا سکتا ہے ان کے دل جیتے جا سکتے ہیں۔ اگر کشمیر کی آزادی سے باہمی جنگوں اور نفرتوں کا خاتمہ ممکن ہے، افواج پالنے جیسے مہنگے شوق سے جان چھوٹ سکتی ہے تو ہندوستان کو چاہیے کہ بڑا بھائی بن کر نا صرف کشمیریوں کے دکھوں کا مداوا کر دے بلکہ دوا رب انسانوں کے مستقبل کو پر امن بنا دے۔ انگریزی میں کہا جاتا ہے کہ Shephard of the Nation دونوں ممالک کے سردار اپنی اپنی بلکہ کہنا چاہیے مشترکہ عوام کے لیے شفیق گڈریے کا کردار ادا کریں نہ کہ بھیڑیے کا۔ اس وقت سرداران کی حالت درج ذیل شعر میں دیکھی جا سکتی ہے۔

وَ رَاعِی الشَّاۃِ یَحْمِی الذِّئْبَ عَنھَا

فَکَیفَ اِذَا الرُّعَاۃُ لَھَا ذِئَبُ

’’بکریاں چرانے والا اُن کو بھیڑیے سے بچاتا ہے مگر اُس وقت کیا کروں جب چرواہے ہی

بھیڑیے بن جائیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ ہمارے سیاسی و مذہبی راہنماؤں کے دل نرم کرے اور انہیں توفیق دے کہ وہ اپنی عوام کے سچے کھرے خیر خواہ بن کر ان کے دکھ درد دور کریں۔آمین۔اور ہم یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ اگر ان کی ادائیں بھیڑیے کی مثل ہی رہیں تو ان کا انجام بھی بھیڑیے جیسا ہی کر دے۔آمین

☆☆☆

عالمی اسلامی خلافت علی منہاج النبوۃ تمام مسائل کا حل

سید عتیق الرحمان گیلانی لکھتے ہیں:۔

’’پاکستان سے عالمی اسلامی خلافت علی منہاج النبوۃ کا آغاز ہو جائے تو دنیا بھر کے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔‘‘

(اداریہ نوشتہ ء دیوار ضربِ حق ۷ ستمبر ۲۰۱۶ء چیف ایڈیٹر سید عتیق الرحمان گیلانی کے مضمون ’’اسلامی دنیا کو خلافت علی منہاج النبوۃ قائم کرنا ہوگی۔‘‘)

معزز قارئین! ایسی خلافت اسلامی دنیا کسی صورت میں بھی نہیں بنا سکتی۔خلافت علی منہاج النبوۃ قائم کرنے کے لیے ایک نبی بھی چاہیے۔نبی اللہ بناتا ہے۔لطف کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی ایک نبی کے آنے کی آخری زمانے میں پیشگوئی بھی فرمائی ہے،اس آنے والے نبی کو مسیح و امام مہدی کہا جاتا ہے۔یقیناً اس نبی کے آنے پر ہی خلافت علی منہاج النبوۃ کا آغاز ہو سکتا ہے۔مسیح و امام مہدی کو جو لوگ نبی نہیں مانیں گے وہ دو نعمتوں سے محروم ہو سکتے ہیں ایک نبی جیسی روحانی نعمت اور دوسری خلافت علی منہاج النبوۃ جیسی برکت سے۔سید عتیق الرحمان گیلانی کی یہ بات بالکل سچ ہے کہ تمام دنیا کے مسائل کا حل خلافت علی منہاج النبوۃ ہی ہے۔اور پاکستانیوں کی بھاری اکثریت تو مسیح و امام مہدی کو نبی قانوناً بھی نہیں کہہ سکتی۔خلافت علی منہاج النبوۃ سے فی الحال پاکستانی تو بہر حال ہاتھ دھو چکے ہیں۔

ضرورت یا غرض کا خلوص کے ساتھ تعلق

ضرورت یا غرض کا خلوص کے ساتھ تعلق قدیم سے ہے۔ وہ انسان جس کی طرف دیکھنا بھی روا نہیں ہوتا، ضرورت پڑھنے پر اسے خلوص کے ایسے ہار پہنائے جاتے ہیں کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے ہیں۔ اور اگر غرض یا ضرورت پوری ہو جائے یا ایسی کوئی ضرورت باقی نہ رہے تو خلوص کے ہار پہنانے والے جو حشر اپنے محسن یا ممکنہ محسن کے ساتھ کرتے ہیں وہ بھی دیکھنے والا ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں کہا جاتا ہے کہ وقت پڑنے پر گدھے کو بھی باپ بنا لینا چاہیے۔ کیا فرق پڑتا ہے اگر اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کچھ عرصہ گدھے کو باپ کہہ لیا۔ ضرورت پوری ہونے کے بعد اسے ذلیل گدھا ہی کہنا ہے، تمام حساب چکا دیں گے۔ چڑھتے سورج کو سلام پرانی ریت ہے۔ کچھ امثال پیش ہیں۔

سابق وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو، فیلڈ مارشل صدر ایوب خان کو ڈیڈی اور ایشیا کا ڈیگال کہا کرتے تھے۔ ایوب خان کے لیے ان کا خلوص اس قدر تھا کہ ایوب خان نے ان کی سیاست میں انٹری بطور وزیر خارجہ کروا دی۔ جونہی بھٹو کو احساس ہوا کہ اب ایوب خان کو ڈیڈی کہنے یا خلوص جیسے قیمتی موتی لٹانے کی ضرورت نہیں ہے، یہ احساس ہوتے ہی شملہ معاہدے کی کاپیاں پھاڑ کر عوامی لیڈر بن گئے اور ایوب خان کو ''ایوب کتا، ہائے ہائے'' کہا گیا۔ ایک ایسا طاقتور جنرل جس نے دس سال تک بغیر کسی دشواری کے شاندار حکومت کی تھی اسے کوئی بھی زیر نہ کر سکا تھا۔ مگر بھٹو کے خلوص نے اسے بے حیثیت کر دیا اور جب بھٹو کی ضرورت پوری ہوگئی تو اس کا خلوص انتقام میں بدل گیا۔ آخر کار ایوب کو جانا پڑا۔

جب پاکستان میں مولوی حضرات احمدیوں کو کافر قرار دلوانے کے لیے کوشاں تھے۔ ان مولویوں نے اپنے خلوص و وفا کو بھٹو کی خدمت اقدس میں محمد حنیف رامے کی زبانی کچھ یوں پیش کیا۔

[Had solemn vows that they would polish Mr.Bhutto,s shoes with there beards,were he to solve the ninety year old Qadiani issue.]

[Pakistan Times Lahore 25 October 1974]

’’(علماء نے) حلفاً کہا تھا کہ وہ مسٹر بھٹو کے بوٹوں کی پالش اپنی داڑھیوں سے کریں گے اگر وہ ۹۰ سالہ قادیانی مسئلہ حل کردے۔‘‘

اور جب وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو جیسے زیرک سیاستدان نے مولویوں کے خلوص کے جھانسے میں آ کر نوے سالہ مسئلہ اپنی دانست میں حل کر دیا اور مولویوں کی طرف داد طلب نگاہوں سے دیکھا۔ مگر یہ کیا؟ مطلب نکل جانے پر مولویوں کی نگاہیں بدل چکی تھیں۔ مولانا مفتی محمود صاحب نے تو صاف کہہ دیا:۔

’’پیپلز پارٹی کا کوئی رکن تحریک ختم نبوت میں شامل نہیں ہوا، نہ حکمران جماعت کا کوئی عہدے دار اس تحریک میں گرفتار ہوا اور پیپلز پارٹی اس تحریک سے قطعی الگ تھلگ رہی۔ لیکن اب حکمران جماعت کے عہدیدار کارکن اور بعض دوسری سیاسی جماعتیں بھی ۷ ستمبر کے فیصلے کا سہرا مسٹر بھٹو اور حکمران جماعت کے سر باندھ رہی ہیں۔‘‘ (نوائے وقت لاہور ۲۵ ستمبر ۱۹۷۴ء)

اردو زبان میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ’’جیسا کرو گے ویسا بھرو گے‘‘۔ ہماری قوم کا بھی عجیب مزاج ہے بڑی بڑی باتیں کرتی ہے مگر عمل نہیں کرتی۔ جناب بھٹو صاحب خود کو بہت ذہین سمجھتے تھے۔ بڑی سوچ بچار کے بعد انہوں نے جنرل ضیاء الحق کو بے ضرر سمجھ کر آرمی چیف بنایا۔ مشہور صحافی عرفان احمد صاحب نے جنرل صاحب کے بارے لکھا ہے کہ ضیاء الحق امام مسجد کا بیٹا تھا یعنی بچپن ہی سے مانگے تانگے کے کھانے پر پلا تھا اور ذات کا آرائیں تھا، آنکھ ٹیڑھی ہونے کی وجہ سے پرسنلٹی تھی ہی نہیں۔‘‘ (پاکستان پہ کیا گزری؟)

ہمارے ملک میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ’’دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔‘‘ شاید بھٹو صاحب مولویوں کی بے وفائی سے خائف تھے اس لیے اپنی دانست میں انتہائی غیر معقول و غیر مقبول اور بے ضرر اور نالائق جان کر جنرل ضیاء الحق کو فوج کا سب سے بڑا عہدہ عطا کر دیا۔ جنرل صاحب نے بھی بھٹو صاحب کو خلوص و وفا کے جام بھر بھر کر پلائے، یہاں تک کہ کہا جاتا ہے بھٹو صاحب اپنے دفتر کے باہر انہیں گھنٹوں بٹھائے رکھتے، جب ملاقات ہوتی تو جنرل صاحب ہاتھ باندھ کر نظریں نیچی کر کے بات کرتے تھے۔

ہماری دعا ہے کہ ’’تقدیر کسی کو بھی برا وقت نہ دکھائے کہ برے وقت میں اپنے بھی ہوتے ہیں

پرائے۔'' نیوٹن نے کہہ رکھا ہے کہ ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے۔ سیانے یہ بھی کہتے ہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ بھٹو صاحب کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا جو انہوں نے ایوب خان کے ساتھ کیا تھا بلکہ اس سے بہت بڑھ کر۔ جنرل ضیاء الحق نے پرخلوص مسکراہٹوں کے جال میں بھٹو صاحب کو کچھ اس طرح سے کسا کہ فخر ایشیا، قائد عوام کا دم گھٹ گیا۔

جنرل ضیاء الحق امریکہ کی آنکھوں کا ان دنوں تارا تھے جب روس کے خلاف افغانستان میں امریکی اسلحہ سے جنگ لڑی جا رہی تھی۔ ان دنوں جب امریکہ کی طرف سے ایک بلین ڈالر پاکستان کو دینے کا اعلان ہوا تو ضیاء صاحب نے اس مدد کو مونگ پھلی کے دانے سے تشبیہ دی، اس پر امریکہ جو جنرل ضیاء الحق کے لیے خلوص ہی خلوص رکھتا تھا، فوراً اس امداد کو دس بلین ڈالر کر دیا گیا۔ امریکہ کے ان دنوں کے خلوص کو آج تک اسلامی جمہوریہ پاکستان بھگت رہا ہے۔ جنرل ضیاء الحق جو امریکہ سے حاصل کردہ خلوص پر پھولے نہ سماتے تھے، کبھی کبھی امریکی خلوص کے تیل کو اپنی گھنی موچھوں پر مل کر روس جیسی بڑی طاقت کو بھی گھور لیا کرتے تھے۔ اور جب امریکہ کے اغراض و مقاصد پورے ہو گئے تو نام نہاد مرد حق جنرل ضیاء الحق، امیر المومنین، صلاح الدین ایوبی بھی راکھ کی ڈھیری بن گئے۔

پیپلز پارٹی نے بڑی سوچ بچار کے بعد نہایت پرخلوص لیڈر فاروق لغاری صاحب کو صدر پاکستان بنا دیا اور اس لیڈر کا خلوص صدر بنتے ہی ہوا ہو گیا تھوڑے عرصہ کے بعد فاروق لغاری صاحب نے کرپشن کا الزام لگا کر اپنی محسن پارٹی کی حکومت کو ختم کر دیا۔

ضیاء الحق کے سیاسی جانشین نواز شریف صاحب جنہوں نے جنرل ضیاء الحق کی موت کے بعد کہا تھا کہ ہم ان کے مشن کو آگے بڑھائیں گے۔ ایک سال بعد ضیاء الحق کے بیٹے اعجاز الحق جنہیں نواز شریف اپنا بھائی کہا کرتے تھے ان سے بھی اپنے تعلقات کشیدہ کر لیے۔ اور آج تک نواز شریف اور ان کے ساتھی ضیاء الحق کا نام لینا بھی اپنی سیاست کے لیے گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں۔

نواز شریف نے بھی کئی سینیئر جنرلوں کو بائی پاس کر کے پرویز مشرف کو سالار اعلیٰ بنایا، دو سال بعد ہی ان میں ان بن ہو گئی، اور نواز شریف صاحب کو پہلے ایک سال اٹک جیل میں رکھا گیا اور بعد میں جلا وطن کر

دیا گیا۔

جنرل پرویز مشرف جو کہا کرتے تھے کہ نواز شریف اور بے نظیر کے ہوتے ہوئے ملک کی ترقی نا ممکن ہے۔ آٹھ برس اقتدار کے مزے لوٹنے کے بعد ان دونوں کو خود ہی واپس لائے اور این آر او کے ذریعے انہیں کلین چٹ بھی دینی پڑی۔ ان سب کے بدلے صرف صدر کا عہدہ مانگا تھا مگر سیاستدانوں نے سب کچھ حاصل کرنے کے بعد ٹھینگا دکھا کر جنرل صاحب کو بے آبرو کر دیا۔

جناب الطاف صاحب کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھانے والی بھی فوج تھی۔ ضیاء الحق نے پنجاب میں نواز شریف اور کراچی میں الطاف حسین کو اپنی سیاسی قوت بڑھانے کے لیے استعمال کیا۔ اور ان پر نہ صرف خلوص و وفا کے موتی لٹائے بلکہ ان کی راہ سے بے شمار کانٹوں کو بھی دور کیا۔ نواز شریف نے جنرل صاحب کی موت کے بعد کیا کیا، بیان کیا جا چکا ہے۔ جناب الطاف حسین کے خلاف اس کے سیاسی رضاعی بھائی نواز شریف نے ۱۹۹۲ء میں فوجی آپریشن کروایا اور فوج نے اپنے پیدا کیے بچے کے خلاف بھرپور آپریشن کیا۔ پرویز مشرف نے اپنے دور حکومت میں مظلوم اور فوج کے ہاتھوں زخموں سے چور ہونے والی جماعت کو نا صرف اپنی گود میں بٹھایا بلکہ اسے بادشاہ بھی بنا دیا۔ مشرف کے جانے کے بعد مشرف کے باوردی ساتھیوں نے اسے پھر دبوچ لیا ہے۔ اس مرتبہ شاید ایم کیو ایم کی قوت کو غیر منصفانہ طریقے سے تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ حیرانگی اس وقت ہوئی جب ایم کیو ایم کے ماں باپ نے کمزور صحت کے مالک فاروق ستار کو دھکا دیا۔ اس وقت فوجیوں کا خلوص ایم کیو ایم کے لیے ختم ہو چکا ہے، ہمدردی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عجیب بات یہ ہے کہ الطاف حسین کے وہ حامی جو کہا کرتے تھے ''منزل نہیں ہمیں قائد چاہیے۔'' اور جنہیں چاند میں اور درخت کے پتوں پر اطاف حسین کی تصویر نظر آتی تھی۔ الطاف بھائی کو غدار کہہ رہے ہیں۔

معزز قارئین خلوص و اغراض کی کہانی بہت لمبی ہے۔ ان دونوں کا کھیل عالمی معاشروں میں بالعموم اور پاکستانی معاشرہ میں بالخصوص شب و روز کھیلا جاتا ہے۔ پاکستانی معاشرہ میں جھونپڑیوں سے لے کر ایوانوں تک یہ بے حسی کا کھیل زوروں پر ہے۔ اصل اخلاص کے موتی ہمیشہ اغراض سے پاک ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو بھی وہی لوگ پاتے ہیں جو جنت و دوزخ کو بھول کر اس سے اور اس کی مخلوق سے محبت کرتے

ہیں۔اور یہ کم تعداد روشنی کے مینار بلاتفریق مذہب وملت انسانوں کے خیرخواہ ہوتے ہیں۔

اخلاص میں چھپے ہیں اغراض کے پلندے
لباسِ رِیا میں چُھپ گئے ہیں بَندے

ملائیت اور مذہبی انتہا پسندی

قائداعظم کی برسی کے موقع پر اپنے پیغام میں آصف زرداری نے کہا ہے کہ پاکستان کا تصور ایک جمہوری،ترقی پسند اور جدید ریاست تھی جس کی بنیاد پارلیمانی وفاق تھا جس میں ملائیت اور مذہبی انتہا پسندی کی کوئی جگہ نہیں۔ (۱۱ستمبر ۲۰۱۶ء روزنامہ پاکستان)

آصف زرداری صاحب شاید نہیں جانتے کہ پاکستان کے جمہوری اور جدید ریاست ہونے کے تصور کو قائداعظم کی وفات کے فوراً بعد جب قرارداد مقاصد منظور ہوئی،اسی وقت ٹھوکر ماردی گئی تھی۔جدید ریاست کا تصور تڑپتا رہا مگر کسی کو ترس نہ آیا۔دولتانہ نے تو اس سہانے تصور کو مولویوں کو ۵۳ء میں سڑکوں پر لاکر ساری دنیا میں ذلیل اور رسوا کردیا تھا۔پھر جدید اور ترقی پسند ریاست کے تصور کی سانس گھٹ کر رہ گئی جب دنیا نے ذوالفقار علی بھٹو جیسے ذہین انسان کے مولویوں کے ہاتھوں میں کھیلنے کا تماشہ دیکھا۔اور جنت نظیر ریاست کے تصور کی اس وقت موت واقع ہوگئی تھی جب جنرل ضیاء الحق نے پاکستان کو پاکیزگی کا لباس پہنانے کے لیے نام نہاد مولویوں جیسا کمزور ترین سہارا تلاش کیا۔نتیجہ بتانے کی ضرورت نہیں۔بس اتنا کہنا کافی ہے کہ پاکستان کو مسلمان کرنے کے چکر میں مسجدوں،امام بارگاہوں،مزاروں اور عبادت خانوں اور دوسرے مقامات سے انسانی لوتھڑے اٹھانے کا سلسلہ جاری ہے۔پاکستان تو اسلامی جمہوریہ پاکستان بن گیا مگر مسلمانوں کا صفایا ہو چکا ہے،ان معنوں میں کہ سبھی فرقے ایک دوسرے کو کافر نا صرف سمجھتے ہیں بلکہ کہتے ہیں۔ضیاء کے زمانے میں بننے والی مُلّا ملٹری الائنس کی تباہ کاریاں جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے جلد تر ایسے حالات پیدا فرمائے کہ ہمارے لیڈر اور عوام اسلام کی تعلیم احترام انسانیت کے عظیم فلسفے کو سمجھ جائیں۔

بابائے کیمسٹری جابر بن حیان

ماہر کیمیا، ماہر ریاضی، ماہر ارضیات ،فلاسفر، ماہر ادویات ، ماہر فلکیات ، ماہر نفسیات ، انجینئر اور طبیب جابر بن حیان کا پورا نام ابوموسیٰ جابر بن حیان تھا۔ لاطینی زبان میں جابر کو ''Geber'' کہا جاتا ہے، مغربی دنیا جابر بن حیان کو اسی نام سے یاد کرتی ہے ۲۱ے ء کو جابر ابن حیان خراسان کے علاقے طوس (ایران) میں پیدا ہوئے۔ جابر کا تعلق عرب کے جنوبی حصے کے ایک قبیلے از د سے تھا۔ ان دنوں بنوامیہ کی خلافت کے دور کا آخری حصہ تھا۔ بنوامیہ کے خاتمہ کے لیے بنوعباس کی جانب سے برپا کی جانے والی تحریک کا حصہ بن کر جابر بن حیان کے والد احمد حیان جو دواساز تھے نے حکومت کے خلاف بغاوت کر رکھی تھی۔ بنوامیہ اور بنوعباس کے درمیان شدید جنگ کی وجہ سے جابر بن حیان کے خاندان کو ہجرت کرنا پڑی اور یہ خاندان یمن میں عارضی طور پر قیام پذیر ہوگیا۔ جابر بن حیان نے قرآن کریم اور دوسری ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی۔ بعد میں کوفہ میں آباد ہوگیا۔ کوفہ اس زمانہ میں علم و دانش کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ جابر بن حیان نے یہاں امام جعفر صادق کی شاگردی اختیار کر لی جن کے مدرسہ میں مذہب کے ساتھ ساتھ منطق، حکمت اور کیمیا جیسے اہم مضامین بھی پڑھائے جاتے تھے۔ رائج الوقت یونانی علوم نے ان پر گہرے اثرات چھوڑے۔ یہی وہ دور تھا جب لوگ سونا بنانے کی ترکیبیں تلاش کرتے تھے۔ جابر نے بھی سونا بنانے کی کوشش کی تھی۔ سونا بنانے کی لگن میں انہوں نے بیشمار حقائق دریافت کیے۔ جابر نے سونا بنانے کا خیال ترک کر دیا لیکن تجربات کرنا ان کا اوڑھنا بچھونا ہوگیا۔ جابر ہروقت سوچ اور تجربے میں منہمک رہتے تھے۔ جابر بن حیان نے کوفہ میں ایک تجربہ گاہ بھی بنائی تھی۔ جابر نے علم کیمیا کو ایک علمی اور فکری سائنس سے تبدیل کر کے عملی سائنس کی بنیاد رکھی۔ جابر کہتے ہیں کہ ''عملی کام کیے بغیر علم کی بنیادی حدوں کو عبور کرنا بھی ناممکن ہے۔'' جابر بن حیان خود کہتے ہیں کہ ''کیمیا میں سب سے ضروری چیز تجربہ ہے جو شخص اپنے علم کی بنیاد پر تجربہ نہیں کرتا وہ ہمیشہ غلطی کرتا ہے۔'' جابر بن حیان نے تجربات سے علم کیمیا کی دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ مشہور کیمیا داں E.J.Holmyard نے جابر کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اسے پہلے کیمیا داں کا خطاب دیا۔ بنوعباس کے پانچویں خلیفہ ہارون

الرشید کے وزیر یحییٰ برمکی کی چہیتی بیوی شدید بیمار ہوگئی۔ جب سب علاج بیکار گئے۔ جابر بن حیان سے رجوع کیا گیا۔ جابر نے اس کی بیوی کو ایک دوا دو گرین پانی میں ملا کر دی، مریضہ آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت میں صحت یاب ہوگئی۔ اس طرح جابر بن حیان کی رسائی ہارون الرشید کے دربار تک ہوگئی۔ جابر کی طبیبانہ مہارت نے حاکم وقت کو بے حد متاثر کیا تھا۔

جابر بن حیان نے مادے کو عناصر اربعہ کے نظریے سے نکالا۔ جابر پہلا شخص تھا جس نے مادے کے تین حصوں میں درجہ بندی کی نباتات، حیوانات اور معدنیات۔ بعد ازاں معدنیت کو بھی تین حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے گروہ میں بخارات بن جانے والی اشیاء رکھیں، دوسرے گروہ میں آگ سے پگھلنے والی اشیاء رکھیں اور تیسرے گروہ میں ایسی اشیاء رکھیں جو گرم ہو کر پھٹک کر سرمہ بن جائیں۔ جابر نے کیمیائی مرکبات مثلاً کاربونیٹ، آرسینک اور سلفائیڈ خالص الکحل تیار کیا۔ جابر نے الکحل کے علاوہ نائٹرک ایسڈ، ہائیڈروکلورک ایسڈ، سلور نائٹریٹ اور امونیم کلورائیڈ ان سب کے تیزاب سے دنیا کو پہلی بار روشناس کرایا۔ ان تیزابوں کو بنانے کے طریقے جابر نے اپنی کتاب صندوق الحکمۃ میں بیان کیے ہیں۔ جابر نے دو عملی دریافتیں بھی کیں یعنی آکسائیڈ بنانا اور تحلیل کرنا۔ جابر کا خیال تھا کہ علم کیمیا کی بنیاد اس نظریے پر ہے کہ تمام دھاتوں کے اجزائے ترکیبی گندھک اور پارہ ہیں، مختلف حالتوں اور مختلف تناسب میں ان دھاتوں کے اجزائے ترکیبی ملنے سے دیگر دھاتیں بنیں۔

جابر کے اہم ترین کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ Process of Distillation ہے۔ اس Process سے مائع کو بخارات میں تبدیل کیا جاتا ہے اور ان بخارات کو ٹھنڈا کر کے جو مائع درکار ہوتا ہے اسے علیحدہ کیا جاتا ہے۔ اس Process سے بننے والی اشیاء کی تعدا چار ہزار سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔ پرفیوم انڈسٹری سے لے کر مشروبات کے کارخانوں تک ہر جگہ ہمیں اس عمل کا استعمال نظر آتا ہے۔ The Fractional Distillation of Crude Oil وہ طریقہ ہے جسے جابر کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کر کے خام تیل کو صاف کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جابر بن حیان کا طریقہ پٹرولیم انڈسٹری کی بنیاد ہے۔ اس نے بہت ساری عملی کیمیائی ترکیبیں Practical Chemical

Process ایجاد کیں۔اس طرح اس نے اطلاقی سائنس کی بنیاد رکھی۔جابر نے چمڑے اور کپڑے کو رنگنے کا طریقہ دریافت کیا۔بالوں کو سیاہ کرنے کے لیے خضاب تیار کیا۔رنگین شیشہ بنانے کا طریقہ بھی دریافت کیا۔بڑی اہم ایجاد قرع انبیق یعنی عرق کھینچنے کا آلہ ہے۔اس کے ذریعے عرق کشید کرنے سے جڑی بوٹیوں کے لطیف اجزاء حاصل ہوتے ہیں۔جابر بن حیان نے کپڑے اور لکڑی کو واٹر پروف کرنے کے لیے وارنش ایجاد کی۔جابر نے گلاس بنانے میں مینگنیز ڈائی آکسائیڈ Mangnese Dioxide تجویز کیا۔جابر بن حیان میٹالرجی Metallurgy دھات کو صاف کرنے کے کام سے واقف تھا۔اس نے بتایا کہ لوہے کو صاف کر کے فولاد بنایا جاسکتا ہے۔اس نے لوہے کو زنگ سے بچانے کا طریقہ بھی دریافت کیا۔موم جامہ بھی جابر کی ایجاد ہے،اس نے موم جامہ اس لیے بنایا کہ اشیاء کو رطوبت سے خراب ہونے سے بچایا جائے۔اس نے گریس Grease بنانے کا فارمولا ایجاد کیا۔اس نے قلمیں بنانے Crystallisation کا طریقہ دریافت کیا۔سونے کو پگھلانے کے لیے اس نے ایکوار یجیا Aqua Regia دریافت کیا۔زریں حروف میں کتابت کا طریقہ بھی اسی کی دریافت ہے۔اس نے ایسی سیاہی بنائی تھی،جس سے لکھا اندھیرے میں بھی پڑھا جاسکتا ہے۔اس نے ایسا کاغذ بھی بنایا تھا جس پر آگ اثر نہیں کرتی تھی۔بیشمار سائنسی آلات بھی بنائے۔

بابائے کیمیا جابر بن حیان نے جو بھی میتھڈز متعارف کروائے تھے آج تقریباً ۱۳۰۰ برس گزر جانے کے باوجود آج تک مستعمل ہیں۔علم کیمیا کے جدامجد مانے جانے والے عظیم کیمیا داں جابر بن حیان نے علمِ کیمیا پر تین سو کے لگ بھگ شاہکار کتابیں اور رسالے قلم بند کیے ہیں۔ان کتابوں اور رسالوں کی فہرست ابن ندیم نے اپنی شہرہ آفاق کتاب الفہرست میں دی ہے۔کتاب الریاض (Book of Balance)،کتاب الملک (Book of kingdom)،کتاب الرحمہ،کتاب التجمیع،زیبک الشرقی اور کتاب الموازین الصغیر اہم کتابیں ہیں۔جابر بن حیان کی تمام کتب کا لاطینی کے علاوہ دیگر یورپین زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔جابر کی کتاب الکیمیا کا لاطینی ترجمہ رابرٹ آف چیسٹر نے ۱۱۴۴ء میں کیا تھا۔جابر نے علم کیمیا کی کتب کے علاوہ اقلیدس کی کتاب ''ہندسے'' اور بطلیموس کی کتاب ''مجسطی'' کی شرحیں لکھیں نیز منطق اور شاعری پر بھی رسالے تصنیف کیے۔

دنیائے سائنس کے آسمان پر چمکنے والا ستارا جسے دنیا بابائے کیمیا کے نام سے جانتی ہے ۸۰۱۵ء کوکوفہ میں نظر بندی کی حالت میں ۹۵ برس کی عمر میں وفات پا گیا۔ بوقت رحلت بھی اس کے تکیے کے نیچے کتاب کا مسودہ تھا۔اللہ تعالیٰ جابر بن حیان کے درجات بلند کرتا چلا جائے۔آمین

مونارک تتلیاں (Monarch butterfly)

بھورے رنگ کی ایک تتلی جسے مونارک تتلی کہا جاتا ہے۔ یہ خوبصورت اللہ تعالیٰ کی مخلوق خاصی بڑی ہوتی ہےلیکن اس کا شمار کیڑوں میں ہی ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہر جان کے اندر جنیاتی پروگرامنگ کررکھی ہےاور یہ تتلی اس کی بہترین مثال ہے۔

ہزاروں مونارک تتلیاں موسم سرما مکسیکو کے مختلف گرم علاقوں میں اڑتے، پھولوں پر اٹھکیلیاں کرتے گزارتی ہیں۔ بہار کا آغاز ہوتا ہےتو شمالی امریکہ کی طرف اڑان بھرتی ہیں۔اب ہوتا یوں ہے کہ جوتتلیاں میکسیکو سے چلتی ہیں وہ تو راستے میں مرجاتی ہیں، البتہ سفر کے دوران پیدا ہونے والےان کے بچے شمالی امریکہ کی طرف سفر جاری رکھتے ہیں اور امریکہ اور کینیڈا پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں وہ موسم گرما خوشبوؤں کے ساتھ گزارتے ہیں۔ جونہی خزاں کا آغاز ہوتا ہےاور موسم میں خنکی بڑھتی ہے،تو تتلیاں واپسی کا سفر اختیار کرتی ہیں۔سرما کی برف باری سے پیشتر انہیں امریکہ چھوڑ کر واپس میکسیکو پہنچنا ہوتا ہے۔ان تتلیوں نے کبھی میکسیکو نہیں دیکھا ہوتا، کیونکہ ان کی پیدائش رستے میں ہوئی ہوتی ہے۔لیکن ان میں سے ہر ایک اسی درخت کی اسی شاخ پر آن بسیرا کرتی ہے، جہاں چند ماہ پیشتر پرواز سے قبل اس کے ماں باپ کا ٹھکانا تھا۔

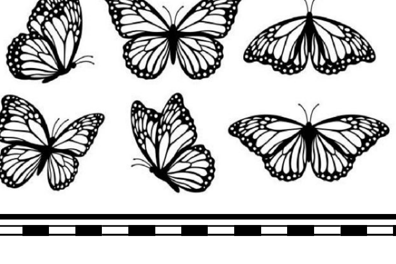

زھرہ (Venus) اور ھماری زمین

۱۹۷۸ء میں مشہور فلکیات دان مائیکل ہارٹ نے دنیا کو بتایا کہ اگر زمین اور سورج کا فاصلہ محض ایک فیصد زیادہ یا پانچ فیصد کم ہوتا تو زمین پر حیات نہ ہوتی۔ تاہم بعد کی تحقیقات میں بتایا گیا ہے کہ یہ فاصلہ ۵ فیصد قریب اور پندرہ فیصد دور ہوتا تو حیات پنپ نہ سکتی۔ (ہیلوسٹون کے ابلتے چشموں میں موجود ایکسٹریمو فائلز کی دریافت سے سائنسدانوں نے یہ بات جان لی ہے کہ حیات کے لیے کوئی بھی چیز مشکل نہیں۔ عین ممکن ہے کہ پلوٹو کی یخ بستہ سطح کے نیچے بھی حیات موجود ہو؟ تاہم ہم یہاں ان شرائط کی بات کر رہے ہیں جن کی موجودگی پیچیدہ حیات کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے۔)

بیان کردہ سورج کا زمین سے فاصلہ کتنا کم ہے اس کا اندازہ لگانے کے لیے ہم زہرہ کو دیکھتے ہیں۔ زہرہ ہماری نسبت سورج سے اڑھائی کروڑ میل قریب ہے۔ (زمین سے سورج تک کا فاصلہ تقریباً نو کروڑ اٹھائیس لاکھ میل یا پندرہ کروڑ کلومیٹر ہے) سورج کی روشنی اور حرارت ہم تک زہرہ کی نسبت ۲ منٹ دیر سے پہنچتی ہے۔ (زمین پر سورج کی روشنی ۸ منٹ میں پہنچتی ہے) اس کا حجم اور ساخت زمین سے مماثل ہے لیکن مدار کا فرق ہی اصل میں اہم ہے۔ بظاہر نظامِ شمسی کے اوائل میں زہرہ پر درجہ حرارت زمین سے ذرا سا زیادہ گرم تھا اور وہاں شاید سمندر بھی تھے۔ لیکن چند ڈگری کی اضافی حدت سے زہرہ پر پانی نہ رک سکا اور بخارات کی شکل میں اُڑ گیا اور زہرہ کا کرہ ہوائی تباہ ہوگیا۔ ہائیڈروجن کے ایٹم خلاء میں نکل گئے اور آکسیجن نے کاربن سے مل کر کاربن ڈائی آکسائیڈ کی فضا بنائی جو سبز مکانی گیس ہے۔ یہاں سے زہرہ کی تباہی شروع ہوگئی۔ کبھی سائنسدانوں کا خیال تھا کہ زہرہ پر گہرے بادلوں کے نیچے حیات ہوسکتی ہے۔ مگر اب سب جانتے ہیں کہ زہرہ کا درجہ حرارت اتنا زیادہ ہے کہ کوئی بھی جاندار وہاں زندہ نہیں رہ پائے گا۔ زہرہ کی سطح کا درجہ حرارت ۴۷۰ ڈگری ہے۔ اس حدت پر سیسہ بھی پگل جاتا ہے۔ اس کی سطح پر ہوا کا دباؤ زمین سے ۹۰ گنا زیادہ ہے جو انسانی جسم کے لیے برداشت کرنا ناممکن ہے۔ ہماری موجودہ ٹیکنالوجی کے مطابق ایسے خلائی لباس یا خلائی جہاز بنانا ممکن نہیں جو زہرہ پر اتر سکیں۔ زہرہ کی سطح کے بارے میں ہماری معلومات دور سے لیے گئے ریڈار کے مطالعے پر

مشتمل ہیں یا پھر ۱۹۷۲ء میں زہرہ کی سطح پر اترنے والے روسی خلائی جہاز کے چند مشاہدات ہیں جو سطح پر اترنے کے ایک گھنٹے کے اندر ہمیشہ کے لیے بیکار ہو گیا تھا۔

جب آپ سورج سے روشنی کی رفتار کے حساب سے دو منٹ قریب ہوں تو مندرجہ بالا صورت بنے گی ۔ جتنے سورج سے دور ہوتے جائیں، مسئلہ گرمی کی بجائے ٹھنڈ کا بن جاتا ہے۔ مریخ یخ بستہ سیارہ ہے۔ کبھی مریخ پر بھی موسم مناسب حد تک گرم ہوتا تھا لیکن اپنا کرہ ہوائی کھو دینے کے بعد یہ محض ایک یخ بستہ اور بیکار سیارہ بن چکا ہے۔ تاہم زہرہ کی سطح سے ۵۰ کلومیٹر اوپر فضا زمین جیسی ہے۔ سائنسدان اس فضا میں آباد ہونے کے متعلق سوچ رہے ہیں۔

تاہم سورج سے فاصلہ ہی اہم نہیں، ورنہ تو چاند پر بھی جنگلات ہوتے۔ ہمارے سیارے زمین کا اندرونی حصہ پگھلے ہوئے مادے پر مشتمل ہے۔ تاہم مرکزے میں گردش کرتے ہوئے میگما کے بغیر زمین پر حیات ممکن نہیں تھی۔ دیگر باتوں کے علاوہ یہ بات بھی اہم ہے اسی میگما سے نکل کر قشر ارض تک پہنچنے والی گیسوں نے ہماری زمین کے کرہ فضائی کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہی کرہ فضائی ہمیں کاسمک تابکاری سے بچاتا ہے۔ اس کے علاوہ پلیٹ ٹیکٹانکس بھی اسی کی وجہ سے ہیں جس سے زمین کی سطح مسلسل بدلتی رہتی ہے۔ اگر زمین بالکل مسطح ہوتی تو ہر جگہ پانی کی بلندی چار کلومیٹر ہوتی۔ سمندر میں تو زندگی ممکن ہوتی لیکن انسان فٹ بال نہ کھیل سکتے۔ مفید مرکزے کے علاوہ بھی ہمیں درست عناصر کی درست مقدار درکار ہوتی ہے۔ لغوی معنوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم بالکل ٹھیک عناصر سے بنے ہوئے ہیں۔

(بیل برائسن کی کتاب A Short History of Nearly Everything سے ماخوذ۔)

انسانی دماغ

ہمارے اعصابی نظام کا محور دماغ (اور ریڑھ کی ہڈی) ہے۔ دماغ میں دس ارب سے سو ارب تک اعصابی خلیے ہوتے ہیں اور ہر خلیہ دوسرے خلیوں سے ایک ہزار ریشوں کے ذریعے جڑا ہوتا ہے۔ جسم کے اندر کی اور باہر کی تمام اطلاعیں انہیں پیچ در پیچ راہوں سے شعور کی مختلف سطحوں تک پہنچتی ہیں۔ چنانچہ ہمارے علم، حافظے اور خیال کی لاکھوں کروڑوں شکلیں انہیں اعصابی خلیوں کی مرہون ہیں۔ مثلاً آنکھ جس سے ہم دیکھتے ہیں اس کے بالائی پردے (Retina) میں ۱۳ کروڑ خلیے ہوتے ہیں جو خارجی اثر قبول کرتے ہیں۔ یہ بالائی پردہ دس لاکھ سے زائد اعصابی ریشوں کے ذریعہ دماغ سے جڑا ہوتا ہے۔ دماغ اپنا فریضہ انہیں اربوں اعصابی خلیوں کے ذریعہ سرانجام دیتا ہے۔

ایم کیو ایم

اگر قارئین تھوڑا سا غور کریں تو ایم کیو ایم کا کیس بھی سمجھ جائیں گے۔ایم کیو ایم کی بنیاد جنرل ضیاء الحق نے رکھی تھی۔نواز شریف صاحب بھی ضیاء کی پیداوار ہیں ۱۹۹۲ء میں جب نواز شریف (جنرل ضیاء الحق کے سیاسی جانشین) کے دور حکومت میں اس تنظیم کے خلاف فوج نے گرینڈ آپریشن کیا تھا اور بتایا تھا کہ یہ نہایت خطرناک جماعت ہے۔اور سات سال بعد یہ جماعت جنرل پرویز مشرف صاحب کے ساتھ مل کر پاکستان پر حکومت کر رہی تھی۔سیاستدانوں کے خلوص کا شکار بننے والے جنرل مشرف کی حکومت جانے کے ساتھ ہی ایم کیو ایم پر غدار وطن پارٹی کا پروپیگنڈا شروع ہوگیا۔فوج نے آپریشن شروع کیا جو گزشتہ کئی برسوں سے جاری ہے۔بلدیاتی انتخابات ہوئے ایم کیو ایم جیت گئی مگر منتخب نمائندوں کو دس مہینے حلف اٹھانے کی اجازت نہ دی گئی۔گزشتہ دنوں بے ہودہ نعروں کے جواب میں ایم کیو ایم کے دفاتر سیل کر دیے گئے یا گرا دیے گئے۔سمجھ نہیں آتی فوج نے ایم کیو ایم کیوں بنائی،فوج نے ایم کیو ایم سے حکومت کروائی،فوج ہی کہتی ہے کہ یہ غدار اور پاکستان کے دشمن،ظالم اور قاتل ہیں۔اگر آئی ایس آئی کے پاس اس پارٹی کے خلاف مصدقہ شواہد ہیں تو اس پارٹی کو بین کیوں نہیں کیا جاتا؟ تمام سیاسی جماعتیں اس پارٹی کو را کا ایجنٹ کہہ رہی ہیں۔اگر ایسا ہے تو اس جماعت کو بین کرنے کا مطالبہ کیوں نہیں کرتیں؟ شاید اس لیے کہ غدار بے شک پھلتے پھولتے رہیں، پارلیمنٹ نہ ٹوٹے۔ہمارے میڈیا کی بھی سمجھ نہیں آتی کہ وہ طاقت وروں کو غدار وطن کہنے سے کیوں کتراتا ہے؟ رینجرز والے ایم کیو ایم کے لیڈروں کو پکڑتے ہیں اور جب شام کو چھوڑتے ہیں تو وہ مصطفیٰ کمال کے ہو جاتے ہیں۔یہ بھی اچنبھے کی بات ہے کہ ذوالفقار مرزا جن کے خلاف مقدمے بھی درج تھے۔جب انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو موصوف اپنے ساتھیوں سمیت ہتھیار بند ہو کر قانون نافذ کرنے والوں کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔اور بات ختم ہوگئی۔لال مسجد والا برقعہ پوش مولوی سر عام ریاست کے آئین اور جمہوریت کا مذاق اڑاتا ہے اور فوجی لوگ اس سے گریز کرتے ہیں اور فاروق ستار جیسے منحنی انسان کو دھکے دیتے ہیں۔یہ بھی عجیب بات ہے کہ پاناما لیکس نے جن کے چہرے سیاہ کر دیے تھے وہ جنرلوں کے ساتھ بیٹھتے

ہیں۔اب اگر کوئی سیاہ چہرے والوں سے گلے ملے گا تو اس کا بھی منہ تو کالا ہوگا ہی۔خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑے گا ہی۔یاد رکھنا چاہیے پاکستان میں اگر انصاف کے تقاضے پورے نہ کیے گئے تو کوئی بہت بڑا سانحہ خون کے آنسو رلا سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہر قسم کے لیڈروں اور عوام کو سیدھا رستہ دکھائے۔آمین۔

شیطانی قوتوں کے سردار

پرویز رشید نے کہا ہے کہ ’’حج کے مقدس مہینے میں عمران خان نے دو وعدے کیے تھے۔پہلا وعدہ حج پر جانے کا اور دوسرا رائیونڈ جانے کا۔عمران خان کو یا تو اللہ نے اجازت نہیں دی یا پھر شیطان سے مک مکا ہو گیا۔‘‘ عبدالعلیم جن کا تعلق پی ٹی آئی سے ہے نے جواباً کہا ’’شیطانی قوتوں کا تعلق پرویز رشید کے ساتھ ہے،پرویز رشید تو شیطانی قوتوں کے سردار ہیں۔‘‘

قارئین بہتر ہے کہ اعوذ باللہ پڑھ لیں کیونکہ شیطان کو بھگانے کا یہی اسلامی طریقہ ہے۔یہ درست ہے کہ عمران خان اپنے دونوں وعدے بر وقت پورے نہ کر سکے۔اور جو اپنے وعدے پر پورا نہ اترے، جھوٹ بولے اور امانت میں خیانت کرے،اسے منافق کہتے ہیں۔اگر عمران خان میں یہ تینوں برائیاں موجود ہیں تو انہیں کہنے والے منافق کہہ سکتے ہیں مگر یہ کہنا کہ عمران کا شیطان سے مک مکا ہوگیا ہے تو یہ بہت خطرناک بات ہے۔مک مکا دو شیطانوں کے بیچ ہی ہوسکتا ہے۔اگر ایسا ہی ہے جیسے پرویز رشید کہہ رہے ہیں تو یہ سوال بھی اُٹھے گا کہ ان دونوں میں بڑا شیطان کون ہے؟ اور جہاں تک عبدالعلیم کے اس بیان کا تعلق ہے کہ پرویز رشید تو شیطانی قوتوں کے سردار ہیں۔تو یہ بات بھی بتانی چاہیے تھی کہ اس وقت کون کون سی شیطانی قوتیں سرگرم عمل ہیں،کون سے مولوی ہیں،کون کون فوجی ہیں یا کتنے سیاست دان ہیں؟ یقین کیجیے ہمیں یہ کہنے میں قطعاً شرم محسوس نہیں ہوتی کہ پرویز رشید شیطانی قوتوں کے سردار نہیں ہیں۔ہم نے تو یہ سن رکھا ہے کہ جو سب سے زیادہ قوت والا اور با اختیار ہو وہ سردار ہوتا ہے۔اب ہم کیا کہیں؟ قارئین خود ہی فیصلہ کریں کہ پاکستان میں کون شیطانی قوتوں کا سردار ہے؟ فیصلہ کرنا نہایت مشکل ہے اس لیے کہ سمجھ نہیں آتی پارلیمنٹ طاقتور ہے یا جی ایچ کیو اور یا پھر مدرسہ۔اگر کسی کو سمجھ آجائے تو ضرور مطلع کرے۔

ایک سے زائد خواتین سے شادیاں

میانمار کے صدر تھین سین نے ایک نئے مسودہ قانون پر دستخط کر دیے ہیں۔ نئے قانون کے تحت ایک سے زائد خواتین سے شادیاں کرنے والے شخص کو قید و بند کی سزا سنائی جا سکے گی۔ انسانی حقوق کی تنظیموں نے اسے مسلم مخالف امتیازی قانون قرار دیا ہے۔ (روزنامہ امت یکم ستمبر ۲۰۱۵ء)

عصر حاضر میں جن ممالک میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت ہے وہ بھی مطمئن نہیں اور جہاں ایسی اجازت نہیں وہ بھی بے چین ہیں۔ اب جہاں زیادہ شادیاں کرنے کے شوقینوں کو برما یعنی میانمار میں نئے قانون نے مشکل میں ڈال دیا ہے، وہاں اریٹیریا میں بھی ایک نئے قانون نے مردوں اور عورتوں کی نیندیں اڑا دی ہیں۔ نئے قانون کے مطابق ہر مرد کے لیے دو شادیاں کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ قانون میں بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی مرد دوسری شادی نہیں کرے گا تو اسے بامشقت جیل کی سزا ہو گی اور اگر کوئی عورت دیسی عورتوں کی طرح دوسری شادی میں رکاوٹ ڈالے تو اسے عمر قید کی سزا دی جائے گی۔ اب اگر اریٹیریا میں کوئی مرد شادی رچانا چاہے گا تو اسے کم از کم دو خواتین کو شادی کے لیے آمادہ کرنا ہو گا۔ سعودی عرب کے ۷۰ سے زائد مفتیوں نے عارضی شادی مسیار نامی کو جائز قرار دے دیا ہوا ہے۔ یہ قانون بھی متعہ نامی شادی کی طرح ہی ہے، فرق یہ ہے کہ متعہ میں وقت طے کیا جاتا ہے اور مسیار میں معاہدہ کا وقت مقرر نہیں کیا جاتا، کسی بھی وقت اس معاہدہ کو توڑا جا سکتا ہے۔ اور یہ فرق بھی ہے کہ متعہ میں والدین کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے اور مسیار میں ایسی ضرورت نہیں ہوتی۔ مسیار نامی شادی میں عورت کو ہر قسم کے حقوق ادا کرنے سے آزادی دی جاتی ہے، سوائے ایک حق جنسی تعلق قائم کرنے کے، جس کے لیے رقم دی جاتی ہے۔ اس وقت اسلامی دنیا میں آٹھ قسم کے نکاح ہوتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی کئی قسم کے نکاح ہوتے تھے۔

سعودی مفتی عبداللہ بن عبدالرحمن کا فتویٰ ہے کہ جو شخص متعدد شادیوں کی قدرت رکھتا ہے اور پھر بھی نہیں کرتا جبکہ اسے بیوہ عورتوں کی کثرت کا مشاہدہ اور علم بھی ہے کہ کس طرح کفار و فساق ان عورتوں کی عزتوں کو نقصان پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا شخص ایک بیوی پر قناعت کر کے گناہ گار ہو گا

اور روز محشر اس سے سوال ہوگا کہ اس نے بذریعہ نکاح ان عورتوں عفت و پاک دامنی کا انتظام کیوں نہیں کیا؟

مفتی صاحب کے اس فتوے کی لاکھوں کاپیاں پاکستان میں ضرور تقسیم ہونا چاہئیں کیونکہ پاکستان اس لحاظ سے وہ بدنصیب ملک ہے جس میں بیوہ کی شادی کو غیرت کا مسئلہ قرار دے کر اس کی شادی کو گناہ اور ذلت سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ بیوہ کی شادی کو بھی ضروری قرار دیتا ہے۔ پاکستان میں بیوہ اپنی جوانی بھائیوں کے در پر، دکھوں کے بھنور میں بوڑھا کرتی ہے اور بے نام مرجاتی ہے۔ اور کنواریوں کے ساتھ بھی بہیمانہ سلوک کیا جاتا ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ نوجوان بچیوں کی شادی قرآن سے یا بوڑھے مرد کے ساتھ کردی جائے۔ دونوں صورتوں میں عورت کنواری ہی رہتی ہے اور ان کی موت ایک بار نہیں ہوتی بلکہ ہر روز واقع ہوتی ہے۔

ڈاکٹر پروفیسر محمد عبدالسلام

عالمی شہرت یافتہ پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالسلام (۲۹ جنوری ۱۹۲۶ء تا ۲۱ نومبر ۱۹۹۶ء) کو ۱۹۷۹ء میں فزکس کے شعبہ میں گرانقدر خدمات کے صلہ میں نوبل انعام دیا گیا تھا۔ بعدازاں انہیں دنیا بھر میں اعزازات سے نوازا گیا۔

حکومت پاکستان مختلف مواقع پر انہیں (ڈاکٹر عبدالسلام کو) ستارہ پاکستان، پرائیڈ آف پرفارمنس، تمغہ وایوارڈ حسن کارکردگی اور پاکستان کا سب سے بڑا سول اعزاز شان امتیاز عطا کرچکی ہے۔ ایٹمی توانائی کمیشن کی طرف سے خصوصی نشان دیا گیا ہے۔ پاکستان لیگ نے گولڈ میڈل دیا اور ان کی وفات پر گورنمنٹ کالج لاہور نے اپنی لائبریری کا نام ڈاکٹر عبدالسلام کردیا ہوا ہے۔ اٹامک انرجی کمیشن، پنجاب یونیورسٹی، ملتان یونیورسٹی، پشاور یونیورسٹی قائد اعظم یونیورسٹی، کراچی یونیورسٹی، یونیورسٹی گرانٹ کمیشن، گورنمنٹ کالج لاہور، مختلف بڑے شہروں کی کارپوریشنوں اور دیگر غیر سیاسی تنظیموں نے ہمیشہ ان کے اعزاز میں تقریبات منعقد کیں، اعزازی ایوارڈ دیے اور انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ پنجاب یونیورسٹی اور اسلام آباد یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹر آف سائنس کی اعزازی ڈگریاں دیں۔ پنجاب یونیورسٹی ہر سال ایک طالب علم کو ڈاکٹر عبدالسلام ایوارڈ دیتی ہے۔

یاد رہے حال ہی میں نواز شریف نے قائداعظم یونیورسٹی کے نیشنل سینٹر فار فزکس کا نیا نام عبدالسلام سینٹر فار فزکس رکھا تھا۔ چند دن بعد ہی وزیراعظم نواز شریف نے مذہبی وسیاسی لیڈروں کی مخالفت پر اپنا فیصلہ تبدیل کرلیا تھا۔

قرض لینا، خودکشی ہے!

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں | رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

کہا جاتا ہے کہ بے عزتی اس کی ہوتی ہے جس کی کوئی عزت ہو۔اور اسے کیا کہا جا سکتا ہے جس کی کوئی عزت ہی نہ ہو، میرا دوست کہا کرتا ہے صرف بے غیرت کی عزت نہیں ہوتی۔اس بات کو ہر کوئی جانتا ہے کہ ہندو بنیے کی کھاتے کی کتاب میں بڑے بڑے عزت داروں کی عزت و آبرو قید ہوتی ہے۔جب تک ایک شریف آدمی کی پگڑی آزاد نہیں ہوتی اس وقت تک آرام و چین اس پر حرام ہو جاتا ہے۔اور بے غیرت آدمی وقت آنے پر اپنی بیوی کو بھی داؤ پر لگا دیتا ہے۔قرض لینا یا قرض دینا گناہ کی بات قطعاً نہیں ہے۔ہاں قرض دینے والا مقروض کی حالت دیکھ کر اسے سہولت دے اور مقروض کا یہ فرض ہے کہ مقررہ وقت پر قرض واپس کرے، نا صرف واپس کرے بلکہ خوشدلی بھی دکھائے اور اگر ہو سکے تو کچھ زائد بھی دے۔ہمارے حبیب آقا رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا ہے:۔

''یقیناً بہترین لوگ وہ ہیں جو ادائیگی میں اچھے ہیں۔''

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ:۔

''رسول اللہ ﷺ نماز میں یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں گناہوں اور قرض سے تیری پناہ چاہتا ہوں'' کسی کہنے والے نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے قرض کے بارے میں کتنی ہی زیادہ پناہ طلب کرتے ہیں۔اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:''ایک شخص جب مقروض ہو جاتا ہے تو بات کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کر کے خلاف ورزی کرتا ہے۔'' (بخاری کتاب الاستقراض)

جس طرح شراب کی لت نے غالبؔ کو مقروض کر دیا تھا اسی طرح اسلامی جمہوریہ پاکستان کو بھی عیاشی کی ایسی لت لگی ہے کہ قرض کے پہاڑ لینے کے باوجود اس کی ضرورتیں جوں کی توں موجود ہیں۔اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حکمرانوں کے عوام کی بہبودی کے نام پر لیے گئے قرضوں کے متعلق چند حقائق پیش خدمت ہیں:۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مجموعی قرضے اور واجبات ایک برس کے دوران ۲۶ کھرب، ۱۱۲ ارب

اور۶۰ کروڑ روپے کے اضافے سے ۲۲۴ کھرب، ۵۹ ارب روپے کی بلندترین سطح تک پہنچ چکے ہیں۔گزشتہ بارہ ماہ کے دوران حکومت کے اندرونی قرضوں کے حجم میں ۱۴ کھرب، ۳ ارب روپے کے اضافہ کے ساتھ ۱۳۶ کھرب ۲۳ ارب اور بیس کروڑ روپے اور آئی ایم ایف کے قرضے، دوسرے بیرونی قرضوں سمیت ۶۰ کھرب ۵۰ ارب ۸۰ کروڑ روپے ہو چکے ہیں۔ نئے مالی سال ۲۰۱۶ء، ۲۰۱۷ء کے آغاز ہی میں یعنی جولائی سے اگست کے تیسرے ہفتے کے دوران اسٹیٹ بنک سے وفاقی حکومت ۹۲۹ ارب پانچ کروڑ روپے لے چکی تھی۔اڑھائی برس پہلے ہر پاکستانی ۸۷ ہزار روپے کا مقروض تھا۔ چند ماہ پہلے ہر پاکستانی ۹۱ ہزار روپے کا مقروض تھا اور اب تک یعنی ۲۰۱۶ء کے آخری مہینے تک ایک لاکھ پندرہ ہزار کا مقروض ہے۔اہم ترین بات یہ ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی تمام آمدنی کا ۵۷ فیصد سے زائد دفاعی امور اور قرضہ کی واپسی اور سود پر خرچ ہوتا ہے۔

اب صورت حال یہ بنتی ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی عزت مہاجنوں کے بنک لاکرز میں پڑی ہے۔ جب اسلامی جمہوریہ پاکستان کا وزیراعظم یہ کہتا ہے کہ ہم ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم قرض کی ایک اور قسط لے کر بے شرمی کی ایک اور منزل طے کرنے والے ہیں۔ جب ہمارا جنرل راحیل شریف ہندوستان کو مخاطب کر کے یہ کہتا ہے کہ ہم تمہیں ایسا سبق سکھائیں گے کہ تمہیں اسے نصاب میں شامل کرنا پڑے گا تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ آئی یم ایف، ورلڈ بنک یا کسی دوسرے بیرونی مالی ادارے نے قرض کی قسط جاری کر دی ہے۔کہا جاتا ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا اس لیے یہ اسلامی ملک ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اسلام قرض کے متعلق کیا کہتا ہے۔اور ہمارے حبیب آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقدس ارشادات پڑھتے ہوئے یہ ذہن میں رکھیے کہ ہر پاکستانی ایک لاکھ ۱۵ ہزار روپے کا تا حال مقروض ہے۔اور یہ بھی یاد رہے کہ پاکستان تقریباً ساڑھے تین ارب ڈالر سالانہ امداد یعنی خیرات بھی لیتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا: ”خودکشی نہ کرو۔“ یا رسول اللہ ﷺ! ہمارا خودکشی کرنا کیسے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قرض سے۔“ (المستدرک۔کتاب البیوع)

رسول خدا ﷺ کا مندرجہ بالا مقدس ارشاد ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ بے شرمی سے عادتاً قرض لینا

خودکشی کے مترادف ہے۔اور خودکشی اسلام میں حرام ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:۔

''میں کفر اور قرض سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں'' (یہ آپؐ دعا کر رہے تھے) ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہؐ! کیا قرض کا معاملہ کفر کے برابر کیا جائے گا؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''ہاں۔'' (مسند احمد بن حنبل)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:۔

''قرض کے علاوہ شہید کا ہر گناہ بخش دیا جائے گا۔'' (صحیح مسلم جلد ۱۰ کتاب الامارۃ حدیث نمبر ۳۴۸۴)

ایک حدیث میں ہے کہ''سوائے قرض کے کیونکہ جبرائیل نے مجھ سے یہ کہا ہے۔''

حضرت امام نوویؒ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ''قرض کی ادائیگی کا وقت ہونے کے بعد قرض دینے والے کی اجازت کے بغیر جہاد کی غرض سے سفر کرنا حرام ہے۔'' (منہاج الطالبین)

ایک دفعہ حضرت ابوقتادہؓ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک انصاری کا جنازہ لایا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ''اس پر کوئی قرض تو نہیں؟''لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ قرض ہے۔حضور نے دریافت فرمایا:''کوئی ترکہ بھی چھوڑا ہے۔''لوگوں نے بتایا کہ کچھ نہیں۔اس پر حضور نے ارشاد فرمایا: کہ ''آپ لوگ جنازہ پڑھ لیں۔'' حضرت ابوقتادہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں اس کا قرض ادا کردوں تو حضور جنازہ پڑھائیں گے۔آپؐ نے ارشاد فرمایا:''ہاں''۔چنانچہ ابوقتادہؓ اٹھے اور گھر سے روپیہ لا کر اپنے مرحوم بھائی کا تمام قرض بے باق کر دیا۔ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۴۰۳)

ہمارے حبیب آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ قرض لینے سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے اور حتی الامکان قرض لینے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔اگر آپؐ کسی حقیقی ضرورت کے تحت قرض لیتے تو وقت پر اور عمدگی کے ساتھ قرض واپس کرتے اور بڑھا کر دیتے۔ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:۔

''اسراء والی رات میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا کہ صدقے کی جزاء دس گنا ہوگی اور قرض دینے کی جزاء ۱۸ گنا ملے گی۔میں نے پوچھا اے جبرائیل! قرض صدقہ سے افضل کیوں ہے؟ (تو جبرائیل نے) جواب دیا کہ سائل اس حال میں سوال کرتا ہے کہ اس کے پاس کچھ ہوتا ہے جبکہ قرض لینے والا

صرف ضرورت کے وقت ہی قرض مانگتا ہے۔'' (سنن ابن ماجہ باب القرض کتاب الاحکام)

اس حدیث میں ایک سبق، نصیحت ہے کہ سوائے اشد ضرورت کے قرض نہ مانگیں ورنہ ان کا شمار بھی صدقہ کھانے والوں میں ہوگا۔اس ضمن میں امام الزماں نے فرمایا ہے:۔

''بعض لوگوں اور (بعض اقوام) نے قرض لینے کو پیشہ بنا لیا ہے، کام کچھ کرتے نہیں، مانگنے کا ذرا بہتر طریقہ یہ اختیار کرلیا کہ قرض لے لیتے ہیں اور اتارنے کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔بعض قرض لینے والے بعد میں ڈھٹائی سے کہہ دیتے ہیں کہ ابھی حالات نہیں، ابھی واپس نہیں کر سکتے اور واپس کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی سے قرض کی رقم لینی ہو اور وہ اس کو مقررہ میعاد گزرنے کے بعد بھی مہلت دیتا ہے تو ہر وہ دن جو مہلت کا گزرتا ہے وہ اس کے لیے صدقہ ہو گا۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد۴ صفحہ ۴۴۲ مطبوعہ بیروت)

ان مقدس احادیث کے مطالعہ سے یہ بات حقیقت بن کے سامنے آتی ہے کہ پاکستان میں جھوٹ جیسے خبیث بت کی پوجا کیوں ہو رہی ہے اور مکاری بے شرمی کی حد سے نکل کر بے غیرتی کی ذیل میں کیوں داخل ہو چکی ہے؟ پاکستان کو اسلام کا لباس پہنا کر رستے ناسور چھپائے نہیں جا سکتے ہیں۔کاش یہ اسلام کے نام پر اپنی خبیث حسرتوں کو پورا کرنے کی بجائے اس کی انمول تعلیمات پر عمل کر کے برگزیدہ بنتے۔ہمارے حکمران، سیاستدان، جرنیل، جج صاحبان، مذہبی لیڈران اور ان کے آگے جھکنے والی عوام صدقہ کھا کر کبھی بھی خوشحالی کا منہ نہیں دیکھ سکتی۔رسول اللہ ﷺ نے بلا ضرورت قرضے اور صدقے کھانے والوں کو کافر اور خودکشی کرنے والا قرار دیا ہے۔نام نہاد اسلامی جمہوریہ پاکستان میں شہیدوں کی لمبی فہرستیں موجود ہیں، اور یہ شہید مقروض مرے ہیں۔آرمی چیف صاحب اور وزیر اعظم صاحب کے گالوں کی لالی قرض کے انگاروں کی بدولت ہے۔کاش راحیل شریف صاحب ایک مرتبہ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ ان کے بدن پر سجی وردی کے بٹن تک قرض اور صدقے کے مرہون منت ہیں یہاں تک کہ وہ چھڑی جسے انہوں نے جنرل کیانی سے لیا تھا اور اسے بڑی شان سے گھماتے ہوئے جنرل قمر باجوہ کو تھما دیا وہ بھی قرض کی کاریگری ہے۔بلکہ یہ چھڑی اب اس بات کی علامت بن چکی ہے کہ جنرل بے بسی کی تصویر ہیں۔جنرل پرویز

مشرف نے اس چھڑی کو استعمال کر کے تھوڑی سی غیرت دکھائی تھی اور اس کے نتیجے میں آئی ایم ایف کے قرضے سے قوم کی جان چھوٹ گئی تھی۔ جنرل کیانی نے چھڑی کو ہمیشہ بغل میں رکھا اور ہاتھ ماتھے پر ہرایرے غیرے کے لیے۔ بغیر کسی مزاحمت کے قرضہ، صدقہ کھایا اور چھڑی راحیل شریف کو دے دی اور یہ جنرل بھی قرض اور صدقے کے پیسوں سے بڑے بڑے پوسٹر بنوا کر اور قرض کے بارود سے ضرب عضب نامی نامکمل کھیل چھوڑ کر چھڑی جنرل قمر کو دے کر رخصت ہو گیا۔ نواز شریف صاحب اور ان کے ساتھی قرض اور صدقہ کھلا کر عوام کو عظیم بنانے کا اظہار کر کے قوم کو مزید مکاری سکھاتے ہیں۔ مولوی بھی عجیب مخلوق ہیں مشہور قاتل ممتاز قادری کے جنازہ کے لیے لاکھوں افراد اکٹھے کر لیتے ہیں، مگر قرض اور صدقہ خیرات کے لیے بنے حکومتی کشکول کی طرف دیکھتے بھی نہیں، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مولویوں، مدرسوں اور مدرسہ کے طالب علموں کی زندگیوں کا مدار مانگے تانگے کے کھانے پر ہے۔ اب تو شاعر لوگ بھی کہنے لگے ہیں۔

ہماری زندگی ہے اک حسین سزا | زیست اپنی ہے غم پرائے ہیں
ہم کن مفلسوں کی دنیا میں | قرض کی سانس لینے آئے ہیں

یہ بھی بڑی ہی عجیب بات ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے کرتا دھرتا اور زندہ باد مردہ باد کے نعرے لگانے والے قرض اور خیرات دینے والے ممالک اور اداروں کو برا بھلا کہتے ہوئے رتی بھر بھی نہیں شرماتے۔ حالانکہ ہمارے حبیب آقا نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ:۔

اوپر کا ہاتھ (یعنی دینے والا ہاتھ) نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔''

اس حدیث کی تفصیل احادیث کی کتاب ''چالیس جواہر پارے'' میں درج ذیل بیان ہوئی ہے۔

''اس حدیث میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ گو متمول لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے غریب بھائیوں کی مدد کریں اور پھر غرباء میں عزت نفس کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ ''اوپر کا ہاتھ (یعنی دینے والا ہاتھ) نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔'' ان مختصر الفاظ میں آپ نے خودداری اور عزت نفس کی وہ روح بھر دی ہے جس کی کامل تفصیل شاید ضخیم کتابوں میں بھی نہ سما سکتی۔

صحابہؓ کی مقدس جماعت نے جب آپؐ کے اس ارشاد کو سنا تو اسے اپنے سر آنکھوں پر جگہ دی۔

چنانچہ حکیم بن حزامؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ کے اس ارشاد کے بعد میں نے کبھی کسی سے کوئی امداد نہیں لی۔ مجھے خلفاء کی طرف سے مقررہ امداد کی رقم آتی تھی مگر میں یہ کہتے ہوئے ہمیشہ انکار کر دیتا تھا کہ رسول اللہﷺ نے جس ہاتھ کو اونچا رکھنے کا حکم دیا ہے مَیں اسے نیچا نہیں ہونے دوں گا۔

حضرت علیؓ آنحضرتﷺ کے چچا زاد بھائی بھی تھے اور داماد بھی تھے اور پھر آپ کے بعد اسلام کے چوتھے خلیفہ بھی ہوئے اور قریش کے ایک نہایت معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ان کا ہجرت کے بعد یہ حال تھا کہ کلہاڑا لے کر جنگل میں جاتے اور لکڑی کاٹ کر مدینہ میں لاتے اور اسے بازار میں بیچ کر اپنا گذارا چلاتے تھے۔ مگر کبھی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ ابو ہریرہؓ مشہور صحابی ہیں انہیں بعض اوقات کئی کئی دن کا فاقہ ہو جاتا تھا مگر کبھی کسی سے سوال نہیں کیا ایک دفعہ بھوک نے نڈھال کر دیا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ سے اتنا پوچھا کہ فلاں قرآنی آیت کے کیا معنی ہیں؟ اس میں بھوکوں کو کھانا کھلانے کی تلقین تھی۔ دونوں معمولی تشریح بیان کر کے آگے روانہ ہو گئے۔ اتفاق سے آنحضرتﷺ یہ گفتگو سن رہے تھے آپؐ نے ابو ہریرہؓ کو آواز دی کہ معلوم ہوتا ہے تمہیں بھوک لگی ہے آؤ ادھر آؤ اور پھر آپؐ نے انہیں کچھ دودھ پینے کو دیا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایک دفعہ ایک سفر پر جاتے ہوئے ایک گھوڑ سوار معزز صحابی کا کوڑا ان کے ہاتھ سے نیچے گر گیا۔ اس وقت ان کے آس پاس بعض پیدل لوگ بھی سفر کر رہے تھے مگر انہوں نے خود سواری سے اتر کر اپنا کوڑا اٹھایا اور کسی سے امداد کے طالب نہیں ہوئے۔ اور جب ان کے ایک ساتھی نے ان سے کہا کہ آپ نے ہمیں کیوں نہ کہہ دیا؟ کہ ہم آپ کو کوڑا اٹھا کر دیتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول خدا نے سوال سے منع کیا ہے اور میں اگر آپ سے کوڑا اٹھانے کو کہتا تو یہ بھی گویا سوال ہی کا رنگ ہو جاتا۔

آنحضرتﷺ کی تعلیم کا کمال یہ ہے کہ ایک طرف اغنیاء کو ہدایت دی کہ اگر کوئی سوال کرے تو اسے رد نہ کرو۔ اور دوسری طرف غرباء کو یہ تاکید فرمائی کہ عزت کی روٹی کھاؤ اور سوال سے پرہیز کرو۔ بظاہر یہ دونوں باتیں متضاد نظر آتی ہیں لیکن حق یہ ہے کہ ان دونوں باتوں کا مرکب نظریہ ہی امیر و غریب کے باوقار برادرانہ تعلق کی صحیح بنیاد بن سکتا ہے۔''

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مقروض قوم کو خوددار قوم بنائے۔ آمین

"ہاتھ دھو کر شام کے پیچھے اجالے پڑ گئے"

ہر سال ۱۵ اکتوبر کو ہاتھ دھونے کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔اس کا آغاز عالمی ادارہ صحت اور یونیسف نے ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۸ء کو کیا تھا۔اس دن کے منانے کا مقصد ہاتھ نہ دھونے کے نقصانات سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے۔محققین کی تحقیق کے مطابق ہاتھ باقاعدگی سے دھونا بہت بڑی بڑی بیماریوں سے بچانے کا باعث بنتا ہے۔جدید تحقیق کے مطابق بعض لوگوں کے گندے ہاتھوں پر اتنے جراثیم براجمان ہوتے ہیں جتنے گندی نالی میں بھی نہیں ہوتے۔کرنسی نوٹ پر گندے جراثیموں کی تعداد پاخانے میں موجود جراثیموں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جو کرنسی نوٹ گنتے وقت بار بار اپنی انگلی کو زبان سے گیلا کرتے ہیں بعض اوقات ان کی زبان گلنے لگتی ہے۔

ہاتھ دھونا یقیناً بہت اچھی عادت ہے۔میرے ہم وطن ہاتھ دھونے کو نہایت وسیع معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔اس پر یقیناً میرے ہم وطن داد کے مستحق ہیں۔ہماری قوم کے صفائی پسند عوام، سیاست دان، جرنیل اور مولوی سبھی ایک دوسرے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہیں۔اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ ہاتھ دھونے والی قوم پاکستانی قوم ہے۔مولویوں کو دیکھ لیں مسلمانوں کو مسلمان کرنے کے لیے ہاتھ دھو کر پیچھے پڑے ہیں،شاید انہیں ہاتھ دھونے کی بیماری ہے۔سیاستدان، عوام کی ہڈیوں، ماس اور خون سے دولت ہاتھ دھو کر کشید کر رہے ہیں۔فوج اپنا اقتدار میں حصہ لینے کے لیے گزشتہ پچاس سال سے ہاتھ دھو کر پیچھے پڑی ہے اور اس کشمکش میں قوم آدھے ملک سے بھی ہاتھ دھو چکی ہے۔سیاستدانوں اور جرنیلوں کی بدمعاشی کی وجہ سے لاکھوں بے گناہ دلیر سپاہی اور معصوم شہری اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں یا ٹانگوں اور بازوؤں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔اور جہاں تک عوام کا تعلق ہے تو سبھی ہر قسم کے اخلاق سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ریڑھی والے سے لیکر چیف جسٹس تک سبھی جھوٹ بولنے کے عادی ہو کر سچائی جیسے عظیم وصف سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ساس، بہو کے پیچھے اور بہو ساس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہے۔ڈاکٹر، مریض کے اور مریض، ڈاکٹر کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہیں۔ساری قوم کسی نہ کسی برائی کو سینے

سے لگا کر ایک دوسرے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساری مسلم دنیا بالعموم اور پاکستانی قوم بالخصوص عقل و دانش سے ہاتھ دھو بیٹھی ہے۔ اتفاق جیسی قیمتی مالا سے ہاتھ دھو کر ذلت اور مسکنت سے دو چار ہو چکے ہیں۔ اب ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ ایسی قوم کو کیسے کہیں کہ ہاتھ دھونے کو اپنی عادت بنائیے۔ آیئے دیکھتے ہیں شاعر لوگ ہاتھ دھونے کے متعلق کیا کہتے ہیں:۔

سرہانے سے یہ کیوں اُٹھے ، وہ دُنیا سے نہیں اٹھتا
مسیحا ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے بیمار کے پیچھے
دودھ میں مکھی تھی چوہا تو نہیں تھا حضور
ہاتھ دھو کر پیچھے ہی پڑ جائیں گے کیا
دیکھ کے ایک بار انہیں دل سے تو ہاتھ دھو چکے
دیکھیے کیا گزرتی ہے دوسری بار دیکھ کر
ڈوبنے سے پہلے سورج کے نکل آتا ہے چاند
ہاتھ دھو کر شام کے پیچھے اجالے پڑ گئے
بے تکلف ہاتھ دھو کر بیٹھ جاتے ہیں ضرور
دیکھ لیتے ہیں بچھا جس جا پہ دستر خوان شیخ
ہاتھ دھو کر پڑی ہو پیچھے تم
جان پر آ بنی حواس ہیں گم
پیارے ہاتھ تو پھرتے ہو مال و زر کے لیے
بالآخر ان سے مگر ہاتھ دھونا پڑتا ہے
گو تیرے ہونٹ ظالم آب حیات ہوں اب
کیا ہم کو جی کی بیٹھے ہم جی سے ہاتھ دھو کر

☆☆☆

ٹوائلٹ ڈے

۱۹ نومبر کو ورلڈ ٹوائلٹ ڈے منایا جاتا ہے۔ دنیا کی آبادی سات ارب سے زائد ہے اور ۱۳ ارب سے زائد افراد کے پاس ٹوائلٹ کی سہولت موجود نہیں۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں تقریباً ساڑھے آٹھ کروڑ افراد اس بنیادی سہولت سے محروم ہیں۔ ساری دنیا میں ساڑے تین ارب سے زیادہ لوگ ٹوائلٹ کی سہولت سے محروم ہیں ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے مطابق جن ملکوں میں ٹوائلٹ کی سہولت سب سے کم ہے ان میں پاکستان کا تیسرا نمبر ہے۔

پاکستانی اچھی طرح جانتے ہیں کہ پاکستان کی آدھے سے زیادہ آبادی اس بنیادی سہولت سے محروم ہے۔ جہاں یہ سہولت موجود ہے وہاں اتنی گندگی ہوتی ہے کہ بندہ سانس بھی نہیں لے سکتا۔ جنہیں ہماری قوم کافر اور گندے کہتی ہے ان کے باتھ روم بھی صاف اور خوشبودار ہوتے ہیں۔ جب تک ذہن کا گند صاف نہ ہو صفائی کا شعور بھی بیدار نہیں ہوتا۔ جسے میری بات کا یقین نہ آئے وہ پی آئی اے کے جہاز میں سفر کرے، ریل گاڑی یا پاکستان کی سڑکوں پر سفر کرے جہاں بھی باتھ روم میں جائے گا اسے دن میں تارے نظر آئیں گے۔ اور گندگی سے لتھڑی کھڈیوں اور گرکیوں پر بیٹھنے والے ختم نبوت کے مجاہد، مولویوں کی گندگیوں کے ساتھی بن کر سب کچھ کرتے ہیں بس صفائی نہیں کرتے۔ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری ظفراللہ خان نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ جس گھر کا باتھ روم گندا ہو اس گھر کا بھید کھل جاتا ہے۔ یاد رہے کہ سر چوہدری محمد ظفراللہ خان متحدہ ہندوستان میں وزیر ریلوے بھی رہے تھے۔ جب انہیں ایک بار شکایت ملی کہ تھرڈ کلاس ڈبوں کے ٹوائیلٹ بہت گندے ہوتے ہیں تو چوہدری صاحب نے خود اس ٹرین میں سفر کر کے گندگی کو دیکھا اور اس کا سدباب کرنے کا بھی بندوبست کیا تھا۔

سلمان صوفی فاؤنڈیشن کے چیف سلمان صوفی کا کہنا ہے کہ ہر سال 22,000 سے زیادہ بچے اسہال کی وجہ سے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ 53 فیصد پاکستانی خواتین کو مناسب صفائی ستھرائی تک رسائی نہیں۔ سلمان صوفی نے بتایا کہ پاکستان کے سیاحتی مقامات پر بیت الخلا کی مناسب سہولت نہیں ہے۔

عوامی بیت الخلا کی کمی سے پاکستان کو سالانہ 2.5 ارب ڈالر کا نقصان ہوتا ہے۔

دو ہزار سترہ میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق، 2030 تک کھلے میں رفع حاجت سے ''پاک'' پاکستان کے حصول کے لیے روزانہ تقریباً 820 لیٹرینز تعمیر کرنے کی ضرورت ہے۔

عبادت خانہ

اکبر اعظم نے ایک عبادت خانہ بنوایا تھا جہاں علماء جمع ہو کر مذہبی امور پر بحث و مباحثہ کرتے تھے۔ اکبر اعظم نے یہ عبادت خانہ اس لیے بنایا تھا کہ علماء سے مذہب کے بارے میں سمجھا جائے۔ اکبر اس وقت حیران رہ گیا جب علماء نے نشستوں پر شدید لڑائی شروع کر دی۔ اکبر اعظم جوان علماء کو علم اور زہد تقوی کے نادر نمونے سمجھتا تھا۔ جب اس نے انہیں گفتگو کے دوران، چیختے، چلاتے اور بدتمیزی کرتے دیکھا تو اسے یہ حکم دینا پڑا کہ اگر ان میں سے اب کوئی بھی بدتمیزی یا بکواس کرے اسے عبادت خانہ سے نکال دیا جائے۔ اس پر بدایونی نے کہا ایسے تو ہر ایک کو نکالنا پڑے گا۔ اکبر اعظم نے دیکھا سبھی ایک دوسرے کو کافر، مشرک کہتے ہیں، غصہ میں ذہنی توازن کھو بیٹھتے ہیں۔ دو بڑے عالم مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی ایک دوسرے کو نا صرف کافر کہتے تھے بلکہ قاتل بھی کہتے تھے۔ ایک عالم کسی چیز کو حرام بتاتا تو دوسرا اسے حلال قرار دے دیتا۔ قرآن کی تفسیر کرنے کو کہا گیا تو قاضی جلال اور دوسرے علماء ہر بات پر آپس میں اختلافات کرنے لگتے۔ اس طرح ایک ایسا بادشاہ جو مذہب اور علماء مذہب کا ادب کرتا تھا سخت مایوس ہوا۔ اسے علماء سے نفرت ہو گئی۔ اس نے آخر کار ان سے پیچھا چھڑا لیا وہ اس طرح کہ بہت سے علماء کو قتل کروا دیا، کچھ کو جلاوطن کر دیا اور باقی ماندہ سے سب اختیارات واپس لے لیے۔ اکبر کا وہ دور شاندار گزرا جس میں مولوی کا اثر رسوخ نہیں تھا۔ اگر اکبر اعظم نام نہاد علماء کے خلاف جہاد نہ کرتا تو بہت جلد ان دیمکوں کی خوراک بن جاتا۔

عصر حاضر کے نام نہاد مولوی بھی اکبر اعظم کے زمانہ کے علماء سے نسبت رکھتے ہیں۔ ان کے انداز و اطوار بھی جاہلانہ ہیں۔ اس نسبت کی وجہ سے امن و سکون لوٹانے کے لیے ضروری ہے کہ انکے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے جو اکبر اعظم نے کیا تھا۔ ایسا آج کیا جائے یا کل بہر حال کرنا ہی پڑے گا۔

(مشہور مورخ ڈاکٹر مبارک علی کی کتاب سے ماخوذ)

مذہب کا معاملہ

سپریم کورٹ کے جسٹس آصف سعید کھوسہ نے ایک احمدی طاہر مہدی کی درخواست ضمانت مسترد کرتے ہوئے درج ذیل تاریخی ریمارکس دیے ہیں کہ:

''بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں جس معاملے میں مذہب آجاتا ہے، وہاں قوانین پیچھے چلے جاتے ہیں۔''

ملزم طاہر مہدی کے وکیل عابد حسن منٹو نے عدالت سے درخواست کی تھی کہ ملزم پر گستاخانہ مواد کی اشاعت کا الزام جھوٹا ہے اور ملزم ۸ ماہ سے بغیر کسی عدالتی کاروائی کے جیل میں بند ہے۔

قارئین کرام! ''بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی'' آگ کیسے نہ لگے ایسے معاشرے کو جس میں قانون وانصاف کو مذہب کھا جاتا ہو۔ جہاں تک ہمیں علم ہے مذہب لاقانونیت اور ناانصافی کی تعلیم نہیں دیتا۔ انتہا ہے ہماری عدالتوں میں بیٹھے منصفوں کی بے بسی کی۔ یہ انصاف کرنے کے ذمہ دار نہ نام نہاد مذہب کے ٹھیکیداروں پر گرفت کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان سے خوف کھانے کی وجہ سے کسی سے انصاف کر سکتے ہیں۔ اگر یہی چلن رہا تو یقینی بات ہے کہ مظلوموں کی آہیں ان مذہبی شیطانوں اور منصفوں کو جلا کر راکھ کر دیں گی۔ اگر موجودہ صورتحال پر غور کریں تو اس کا آغاز بہت پہلے سے ہو چکا ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہ جو فرقۂ مولویوں آج کل بڑی بڑی گاڑیوں میں پھرتا ہے، مرغن کھانے کھاتا ہے، قیمتی لباس پہنتا ہے، پوش علاقوں میں بنے کشادہ گھروں میں رہتا ہے چالیس برس قبل اس کی سائیکل رکھنے کی بھی اوقات نہیں تھی، مانگے تانگے کے کھانے کھاتا تھا، خستہ حال مکانوں میں رہتا تھا۔ پھر اچانک ایک امام مسجد کا بیٹا جو کہ فوج میں جنرل تھا، سیاسی حکومت کا تختہ الٹا کر ملک کا سربراہ بن گیا۔ اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے وزیراعظم کو پھانسی دے دی۔ اور مولویوں، رسہ گیروں، بدمعاشوں اور اسمگلروں کو پارلیمنٹ میں لے آیا۔ جہاد افغانستان کے نام پر انمولویوں میں اربوں ڈالر تقسیم کیے۔ مولویوں کا مستقبل محفوظ بنانے کے لیے توہین مذہب ورسالت نامی قانون کا آئینی کلہاڑا ان کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ ☆☆☆

”الزام اپنی موت کا موسم پہ کیوں دھروں“

(دارالفساد میں ردّالفساد)

ہر طرف ہے فساد و ہنگامہ | کوئی رُستم ہے اور کوئی گاما

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے کوئی ذی عقل انسان نہیں جھٹلا سکتا کہ دارالامن کو دارالفساد میں تبدیل کرنے والے فسادی ہوتے ہیں اور ہمارے ملک میں نام نہاد مولوی، بے ضمیر سیاست دان اور کرپٹ فوجی اور بکاؤ جج سب سے بڑے فسادی ہیں اور فسادیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتا ہے:۔

”إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَاداً أَن يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۔“

ترجمہ:”یقیناً اُن لوگوں کی جزا جو اللہ اور اُس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں یہ ہے کہ انہیں سختی سے قتل کیا جائے یا دار پر چڑھایا جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں یا انہیں دیس نکالا دے دیا جائے۔ یہ اِن کے لیے دُنیا میں ذلّت اور رُسوائی کا سامان ہے اور آخرت میں تو اُن کے لیے بڑا عذاب (مقدر) ہے۔“ سورۃ المائدۃ آیت ۳۴)

ایسی ہوا بہی کہ ہے چاروں طرف فساد | جز سایۂ خُدا کہیں دارالاماں نہیں

معزز قارئین! اللہ تعالیٰ نے فساد کی تعریف فرما کر اس کی سزا بھی تجویز فرما دی ہے۔ پاکستان میں بھی فسادیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے افواج پاکستان نے آپریشن ردالفساد شروع کیا ہے۔ آپریشن شروع کرنے کی وجہ دہشت گردی کی اس لہر کو بنیاد بنایا گیا ہے جس نے گزشتہ چند روز سے اپنی خونی کاروائیاں تیز کر رکھی ہیں ۔ان کاروائیوں میں اب تک تقریباً دو ڈیڑھ سو افراد کی جان جا چکی ہے اور سینکڑوں زخمی ہوئے ہیں۔ ہمیں اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ کیا خودکش بمبار ہی دہشت گرد ہیں؟ کیا چند سہولت کار ہی فسادیوں کے زمرے میں آتے ہیں؟ کیا وہ عبدالعزیز برقعہ پوش دہشت گرد نہیں جو لال مسجد میں بیٹھ کر کھلم کھلا ریاست کی

رٹ کو چیلنج کرتا ہے اور داعش سے اپنی وابستگی کا اقرار کرتا ہے؟ کیا وہ وزیر، مشیر اور مذہبی لیڈر دہشت گرد اور سہولت کار نہیں جو کالعدم تنظیموں کے کرتا دھرتاؤں سے نا صرف ملتے ہیں بلکہ ان سے مالی، سیاسی مدد اور خونی کام بھی لیتے ہیں؟ کیا فضل الرحمان دہشت گرد نہیں جو بغیر کسی لحاظ کے کتے کو شہید سمجھتا ہے اور فوجی کو غیر شہید؟ منور حسن نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا تھا۔ سمیع الحق طالبان کو اپنا باپ کہتا ہے کیا یہ دہشت گرد نہیں؟ کیا وہ مساجد کے امام جو سر عام ان دہشت گردوں کو اپنے بھائی اور مظلوم کہہ کر سپورٹ کرتے ہیں کیا کہلائیں گے؟ کیا بے ضمیر اور وطن فروش سیاستدان، کرپٹ اور عیاش فوجی افسران، بکاؤ، ناانصاف اور بزدل جج اور کیا رشوت خور، ملاوٹ کرنے والے، ذخیرہ اندوزی کرنے والے، لالچی ڈاکٹر اور وہ تمام لوگ جو پرامن ماحول کو اپنی خباثتوں سے پراگندہ کر کے فتنہ وفساد کے بیج بوتے ہیں فسادی نہیں ہیں؟ اور کیا وہ عوام جو چپ چاپ ''تماشہ اہل ستم دیکھتی ہے'' فسادیوں کے زمرے میں نہیں آتی؟ دارالامن کو دارالفساد میں تبدیل کرنے والا کوئی ایک شخص نہیں ہوتا، پوری قوم ذمہ دار ہوتی ہے۔ ۱۹۵۳ء میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ ممتاز دولتانہ نے ذاتی اغراض کے لیے پنجاب میں جس فتنہ وفساد کو برپا کیا تھا اس کی تفصیل منیر انکوائری رپورٹ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ کاش ان منحوس چہروں کو جنہیں جسٹس منیر نے ننگا کیا تھا انہیں عبرت کا نشان بنا دیا جاتا تو ہماری حالت کبھی بھی موجودہ حالت زار میں تبدل نہ ہوتی۔ یہی وہ فتنہ تھا جس نے فوجی حکومت قائم کرنے کا جواز فراہم کیا تھا۔ اگر عوام الناس اس وقت فسادیوں کی قیادت میں جلاؤ گھیراؤ اور قتل و غارت کی کاروائیوں میں حصہ نہ لیتے تو آج ملک کی موجودہ دردناک صورت حال نہ ہوتی۔ اگر اسی وقت فسادیوں کو دار پر لٹکا دیا جاتا تو بعد میں بھٹو اور جنرل ضیاء الحق کو مذہب کے نام پر قوم کو تقسیم در تقسیم کرنے کی جرآت نہ ہوتی، ریاست اپنا کام کرتی اور شہری برابر کے حقوق ملنے کے نتیجے میں ترقی کی شاہراہوں پر گامزن ہوتے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو قوم کا ہر فرد فسادی ہے یا فسادیوں کا آلہ کار بن چکا ہے۔ جب ایک شخص جھوٹ بول کر اپنے ہم وطن کو نقصان پہنچاتا ہے یا رشوت، دھوکے بازی یا بے ایمانی سے کسی دوسرے کا حق غصب کرتا ہے تو یہ بھی فتنہ فساد کی ذیل میں آتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس طرح کے بداعمال کرنے والے قتل و غارت بھی کرتے ہیں اور مظلوم بھی ظالمانہ اقدام کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں۔

الزام اپنی موت کا موسم پہ کیوں دھروں　　میرے بدن میں میرے لہو کا فساد تھا

معزز قارئین! فتنہ وفساد پھیلانے والے ہی دراصل معاشرے کو بربادی کی طرف لے جاتے ہیں جس کی زندہ مثال اسلامی ممالک کے بدنصیب معاشرے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتا ہے کہ ''وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ ''ترجمہ:''اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین ہوتا ہے۔''(سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۲) اور ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔'' ترجمہ:''اور فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔''(سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۸) پھر ایک اور سورۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:''وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ۔''

اور وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو پختگی سے باندھنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اُسے قطع کرتے ہیں جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد کرتے پھرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے لعنت ہے اور اُن کے لیے بدتر گھر ہوگا۔　(سورۃ الرّعد آیت ۲۶)

مندرجہ بالا قرآن حکیم کی مقدّس آیات کو عصرِ حاضر کے حالات پر چسپاں کریں تو یہ پتہ چلے گا کہ نام نہاد مولویوں، بے ضمیر سیاست دانوں، کرپٹ فوجیوں اور بکاؤ ججوں اور عوام کی راہ قطعاً اسلام اور فلاح کی طرف نہیں جاتی۔آج اگر مسلمان عزت وتوقیر سے جینا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت چاہتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل صرف حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ کو سامنے رکھ کر کرنا ہوگا۔حضرت محمد ﷺ بانیٔ اسلام کی سیرت اس پُرامن مذہب کی مکمل تفسیر ہے۔اگر اسلامی دنیا کے گزشتہ تیس سال کی تاریخ کا کوئی مطالعہ کرے تو اس پر یہ حیرت انگیز راز کھلے گا کہ جس آگ میں عراق، شام، لیبیا، افغانستان جل چکے اور پاکستان وغیرہ جل رہے ہیں، اس آگ کو اسلامی حکمرانوں، مذہبی لیڈروں اور عوام نے خود اپنے ہی ہاتھوں سے لگایا ہے۔

''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے''

اگر پاکستانی قوم حقیقی معنوں میں امن کی چاہت دل میں رکھتی ہے اور یہ چاہتی ہے کہ بچوں،

بوڑھوں، جوانوں اور خواتین کے جسموں کو چیتھڑوں میں تبدیل کر کے انسانیت کی تذلیل نہ کی جائے تو اسے ہر اس سیاستدان سے قطع تعلقی اختیار کرنی ہوگی جس کی سیاست کا محور اپنی ذات ہو، ایسے کسی سیاستدان کے جلسے میں جانا، اسے ووٹ دینا اپنے اوپر حرام قرار دینا ہوگا، ایسے مذہبی لیڈر جو ان بے ایمان کرپٹ سیاستدانوں کے تلوے چاٹتے ہیں یا اپنے مریدوں سے اپنے پاؤں چٹواتے ہیں یا انسانیت کی باتیں بیان کرنے کی بجائے فرقہ واریت پیدا کر کے منافرت پھیلاتے ہیں اور مذہب کو اپنے اغراض و مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہوئے انسانیت کا گلا گھونٹتے ہیں۔ انہیں منبر رسول سے علیحدہ کر کے ان کے جرائم کی سزا دینے کے لیے قانونی کاروائی کرنی ہوگی۔ ان کام چور نام نہاد اماموں کو بھیک دینا بند کرنا ہوگا۔ وہ تمام منصف جو انصاف کرنے کے لیے عدالت کی مقدس کرسی پر بیٹھتے ہیں اگر انصاف کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے معاشرے میں فساد پیدا کرتے ہیں تو ایسے منصفوں کو عبرت ناک سزا دینا ہوگی۔ اسی طرح قانون نافذ کرنے والے اداروں کے افسران چاہے وہ فوجی ہوں یا پولیس افسران ان کی کج اداؤں پر بھی گرفت کرنا ہوگی۔ عوام یہ سمجھتی ہے کہ وہ ان بگڑے تگڑوں کا کیا بگاڑ سکتی ہے تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ عوام سب کچھ کر سکتی ہے اگر چاہے۔ اگر کسی کو یہ پتہ چلتا ہے کہ فلاں مدرسے میں بچوں سے زیادتی ہوئی ہے یا بچوں کو دہشت گردی کی تعلیم دی جا رہی ہے تو والدین کو ایسے مدارس کا مکمل بائیکاٹ کرنا چاہیے۔ اسی طرح دوسرے تمام بے ضمیروں کا ایسے ہی محاسبہ اور گھیراؤ کرنا چاہیے۔ پچھلے دنوں فلاڈیلفیا میں ایک بس ڈرائیور نے ایک افریقی نوجوان کے ساتھ بدتمیزی کی اور بس سے اتار دیا۔ اس زیادتی پر افریقی لوگوں نے صرف یہ فیصلہ کیا کہ کوئی افریقی اس بس کمپنی کی کسی بس میں سفر نہیں کرے گا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چند دنوں میں ہی وہ بس کمپنی دیوالیہ ہو کر ختم ہوگئی۔ اسی طرح جب جنوبی کوریا میں ایک وزیر پر کرپشن کا الزام لگا تو عوام نے صرف یہ کیا کہ شام کو کام ختم کرنے کے بعد پوری قوم گھر جانے کی بجائے گلیوں میں بیٹھ گئی اور وزیر صاحب کو جانا پڑا۔ وطن عزیز میں بھی اگر توڑ پھوڑ اور گالی گلوچ کی بجائے عوام کا خون پینے والوں کا بھرپور اتحاد سے خاموش احتجاج کیا جائے تو امیر شہر سے لے کر خاکروب تک بندے کے پتر بن جائیں۔ یاد رہے ہمارے ملک کے اکثر امیر ہر فساد کے پیچھے ہوتے ہیں۔

جب شہر میں فساد ہوا تو امیر شہر دیکھا گیا کہ آپ ہی بلوائیوں میں تھا

ہے کوئی ہمارے ملک میں جوان نام نہاد مولویوں، بے ضمیر سیاست دانوں، کرپٹ فوجیوں اور بکاؤ ججوں کے خلاف آپریشن ردالفساد قرآنی حکم کے مطابق کر سکے؟ اگر نہیں تو آپریشن ردالفساد بھی فساد کے زمرے میں آئے گا۔اور اس کا انجام بھی ذلّت اور رُسوائی کا سامان بنے گا۔جب تک سیاستدانوں، مذہبی لیڈروں، جنرلوں اور منصفوں کی صفوں میں گھسے دہشت گردوں، اسمگلروں، کرپٹ ،غداروں ، قاتلوں اور شیطانی سوچ رکھنے والے نام نہاد مولویوں کو قرآن کریم میں بیان کردہ سزا نہیں دی جاتی، آپریشن ضرب عضب ہو یا آپریشن ردالفساد صرف فساد پیدا کرنے کا سبب بنیں گے۔اور ہم یہ کہنے سے خود کو روک نہیں پائیں گے۔

دشمن نہیں تھے وہ اپنے ہی تھے راز کھل گیا روشن فساد میں یہ مکاں اس قدر ہوا

کلمہ بدل گیا ہے؟

مشہور کالم نگار جناب عطاالحق قاسمی صاحب لکھتے ہیں:۔

’’ہم عارف مرحوم کے پیچھے سر جھکائے ،آنکھیں نیم وا کیے، ذکر وفکر میں مشغول چلے جاتے تھے کہ سامنے سے گاؤں کے میراثی کا گزر ہوا۔عارف مرحوم نے تبلیغی جماعت کے روائتی مفکرانہ انداز میں اس سے دو منٹ گفتگو کے لیے مانگے۔وہ رُکا تو عارف نے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اسے جماعت کے مخصوص عاجزانہ انداز میں کہا’’بھائی کلمہ سناؤ!‘‘اس پر اُس (میراثی) کے چہرے پر گھبراہٹ اور پریشانی کے آثار نمایاں ہوئے اور وہ ہڑ بڑا کر بولا’’کیا بات ہے،کلمہ بدل گیا ہے؟‘‘

جمیعت ٹرانسپورٹ

’’جمیعت ٹرانسپورٹ کے نام سے کئی بسیں مخالف روٹوں پر چلتی ہیں۔تاہم اس میں سے کسی کے نام کے آگے’’علمائے اسلام‘‘ کا اضافہ ہے اور کئی کے ساتھ’’علمائے پاکستان‘‘ درج ہے اور پھر آگے ان کی کئی شاخیں ہیں جس سے مسافروں کو اکثر دھوکا ہوتا ہے اور پھر وہ بغیر دیکھے ان میں سے کسی ایک بس میں سوار ہو جاتے ہیں، ان مسافروں میں زیادہ تعداد زائرین کی ہوتی ہے۔چنانچہ اس کمپنی کی بسوں میں صرف نعتوں،قوالیوں کے ریکارڈ بجائے جاتے ہیں۔کھڑکیوں کے اوپر آیات قرآن اور احادیث درج ہیں۔تاہم یہ کھڑکیاں ہمیشہ بند ہوتی ہیں جس سے ایک تو تازہ ہوا اندر آنے نہیں پاتی اور دوسرے مسافروں کو باہر کا منظر دکھائی نہیں دیتا۔ان بسوں کی انتظامیہ کو چاہیے کہ وہ کھڑکیاں کھلی رکھیں کیونکہ یہ امر زائرین کی عمدہ صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔‘‘

(روزن دیوار عطاالحق قاسمی)

قائد اعظمؒ پر الزام یا حقیقت؟

گزشتہ دنوں قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے ایک پرائیویٹ سیکرٹری کے ایچ خورشید کی کتاب ''تاریخی مشاہدات و واقعات'' پڑھنے کا موقع ملا۔اس کتاب میں صاحب کتاب نے ایک ایسی بات لکھی جس نے طبیعت بے قرار کردی۔اس بات کو بیان کرنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ قائد اعظم جیسی ہستی کی ذات پر لگائے گئے رقیق الزام کو بے نقاب کیا جائے۔آیئے دیکھتے ہیں کے ایچ خورشید صاحب نے اپنی کتاب میں ایسا کیا لکھا ہے؟ لکھتے ہیں:۔

''قائداعظم فرقہ پرستی کے سخت دشمن تھے یہاں تک کہ ایک بار مسلم لیگ کے ایک ضلعی سربراہ کے خلاف یہ تحریک شروع ہوئی کہ وہ قادیانی ہے اور معاملہ قائداعظم تک پہنچا تو انہوں نے یہ رولنگ دی کہ اگر وہ خود کو مسلمان کہتا ہے تو بس ٹھیک ہے۔قائداعظم قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے تھے یا نہیں سمجھتے تھے اس پر بحث بیکار ہے کیونکہ اس رولنگ کا اصل مقصد صرف اتنا تھا اس دور کا تقاضا یہ تھا کہ جتنے بھی لوگ ساتھ ملیں، انہیں ملا لیا جائے۔اگر کسی طرح کی مذہبی پابندی عائد کردی جائے، تو آپ ہمارے ہاں کے مذہبی فرقوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔مجھے یقین ہے کہ ایسا کرنے سے تحریک پاکستان میں شامل ہونے والوں کی تعداد میں کمی واقع ہوجاتی۔ جب کبھی ان (قائداعظمؒ) سے بات ہوتی وہ (قائداعظمؒ) لوگوں سے یہی کہتے کہ مذہبی بحثوں میں نہ الجھو اور جو شخص خود کو مسلمان کہتا ہے اسے مسلمان سمجھ لو۔جب ہمارا مقصد پورا ہوجائے گا اور ملک مل جائے گا تو عوام مل کر جو چاہیں گے، کرلیں گے۔''

اس اقتباس کے آخری فقروں کو اگر سچ مان لیا جائے تو قائداعظمؒ کے صاف شفاف کردار پر اتنے ہی دھبے نظر آئیں گے جتنے کسی بھی دھوکے باز کے دامن میں ہوسکتے ہیں۔کوئی بھی ذی عقل انسان جو قائد اعظمؒ کے کردار و اصول اور دیانت سے واقف ہے وہ یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ قائداعظم منافقانہ سوچ رکھتے تھے۔دکھ اس بات کا ہے کہ یہ بات قائداعظم کے سیکرٹری صاحب بیان کررہے ہیں۔اگر کوئی پاکستان مخالف مولوی ایسی بات کہتا تو کہا جاسکتا ہے کہ جس کے دل میں پاکستان مخالف کیڑے کلبلا رہے ہوں وہ بانی

پاکستان سے بغض وکینہ کی وجہ سے ایسا کہہ رہا ہے۔ حیرت اس بات پر بھی ہے کہ اس قسم کے سوقیانہ خیالات ان تاریخ دانوں کو بھی نظر نہیں آتے جو قائداعظم پر تحقیقات کے نام پر کھاپی رہے ہیں۔ ایچ کے خورشید کی لن ترانیوں کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی جب ہم قائداعظمؒ کے مدبرانہ اور دانشمندانہ خیالات پر نظر ڈالتے ہیں۔

۱۵ دسمبر ۱۹۴۷ کراچی میں آل انڈیا مسلم کونسل کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:۔

''پاکستان اسلامی نظریات پر مبنی ایک مسلم ریاست ہوگی اور یہ کوئی پاپا پیت نہیں ہوگی۔''

آئین ساز اسمبلی کے پہلے صدر کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی پہلی تقریر کرتے ہوئے پاکستان کی آئین سازی کا سنگ بنیاد ان الفاظ کے ساتھ رکھا تھا:۔

''خواہ آپ کا تعلق کسی مذہب، ذات یا عقیدے سے ہو اس کا امور مملکت سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ وقت گزرنے کے بعد ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے۔ مذہبی اعتبار سے نہیں کہ یہ ہر فرد کا ذاتی عقیدہ ہے بلکہ سیاسی اعتبار سے کہ وہ ایک قوم کے شہری ہیں''

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے اس قول کو عملی ثبوت کے طور پر پاکستان کی پہلی اسمبلی کے سپیکر جگن ناتھ اور وزیر قانون جگندھر ناتھ مندل کو مقرر کر کے دیا تھا اور اسی طرح مسیحی فرقے سے تعلق رکھنے والے کو سپریم کورٹ کے پہلے چیف جسٹس مسٹر کارنیلیسن اور فارن آفس میں ایس ایم برق کو نامزد کیا ان کے چیف سیکیوریٹی افسر پارسی تھے اسی طرح جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والے سر محمد ظفر اللہ خان کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کیا۔

قائداعظم نے دہلی میں تیسویں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''مسلمان گروہوں اور فرقوں کی نہیں اپنے اندر اسلام اور قوم کی محبت پیدا کریں کیونکہ ان برائیوں نے مسلمانوں کو دو سو برس سے کمزور کر رکھا ہے'' مزید برآں یہ فرمایا کہ ''جس ملک کی آج ہم بنیاد رکھنے جا رہے ہیں اس میں ذات پات، نسل و مذہب کی بناء پر کسی سے امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا اور ہم سب ایک ریاست میں برابر کے شہری ہیں۔''

اب ہمارا یہ سوال کرنا بنتا ہے کہ کیا قائداعظم محمد علی جناحؒ کے یہ ارشادات اور عملی اقدامات منافقانہ

سوچ کا نتیجہ تھے یا ان کی شاندار سوچ کے عکاس؟ قائداعظم کی مدبرانہ اور دانشمندانہ سوچ کو اگر پیش نظر رکھ کر پاکستان کی تعمیر اور ترقی کے لیے کام کیا جاتا تو بلاشبہ پاکستان کی عوام دنیا کی پرامن اور خوشحال ترین عوام ہوتی۔ قائداعظم کے عظیم افکار و خیالات پر سیاہی پھیرنے کا آغاز اور باعث ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو پہلی دستور ساز اسمبلی سے پاس ہونے والی قرارداد مقاصد کا آنا بنا تھا۔ جس میں قائداعظم کی اس سوچ کہ ''خواہ آپ کا تعلق کسی مذہب، ذات یا عقیدے سے ہو اس کا امور مملکت سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔'' پر خط تنسیخ کھینچ دیا گیا۔ اور ریاست نے قائداعظم کے ارشادات کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں کو مسلمان بنانے ٹھیکہ لے لیا۔ قرارد مقاصد کے متن میں موجود درج ذیل فقرہ قائداعظم محمد علی جناح کے افکار و خیالات کا منہ چڑاتا دکھائی دیتا ہے۔

''مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو قرآن وسنت میں درج اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق ترتیب دے سکیں۔''

ریاست کے کاروبار میں قائداعظم نے فرمایا تھا کہ یہ نہیں پوچھا جائے گا کسی کا مذہب کیا ہے اور عقیدہ کیا ہے، ہم سب ایک ریاست میں برابر کے شہری ہیں۔ قرارداد مقاصد کی اگلی شق میں ریاست نے یہ ذمہ داری بھی اپنے ہاتھ میں لے لی کہ اقلیتوں کو اپنے مذہب کو آزادی سے پریکٹس کی اجازت بھی ریاست دے گی۔

جب دستور ساز اسمبلی سے قرارداد مقاصد منظور ہوئی اس دن سے لے کر آج کے دن تک پاکستانی قوم، قائداعظم کے بیان کردہ نشانِ منزل سے دور سے دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اسی قرارداد کی بدولت پاکستان مخالف مولوی نما مذہبی جوکروں کو گل کھلانے کا موقع میسر آیا۔ ۱۹۵۳ء کے فسادات کروانے کے لیے دولتانہ جیسے بے ضمیر سیاست دان نے سب سے پہلے مولوی نما درندوں کو اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لیے احمدیوں کے خلاف استعمال کیا۔ ممتاز دولتانہ کی اس بے ہودہ حرکت کی وجہ سے نا صرف پاکستان مخالف ملاؤں کو اپنی اہمیت منوانے کا موقع ملا بلکہ فوج کو بھی اقتدار کے خمار سے آشنا کرنے کا باعث بنا۔ دولتانہ جو پنجاب کے وزیراعلیٰ تھے، پنجاب میں مذہبی منافرت کی ایسی آگ لگا بیٹھے تھے جسے بجھانا ان کے بس کی بات نہ

رہی۔ان آگ کے شعلوں کو بجھانے کے لیے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین کو پنجاب میں مارشل لا لگانا پڑا۔ جنرل اعظم نے نہ صرف شورش کو جلد ختم کروایا بلکہ ان مولوی نما بھیڑیوں کی اصلیت بھی ظاہر کی۔اس کی تفصیلات منیر انکوائری رپورٹ میں موجود ہیں۔بعد میں ایوب خان نے ۱۹۵۸ء میں پورے ملک میں مارشل لاء نافذ کر کے قرارداد مقاصد سے محبت رکھنے والے سیاستدانوں اور نام نہاد مولویوں کا گٹھ جوڑ ختم کر کے پاکستان میں پرامن ماحول پیدا کیا۔جب سے پاکستان بنا ہے اگر بنظر غور دیکھا جائے تو ایوب خان کا دس سالہ دور سنہری دور کہا جا سکتا ہے۔بھٹو وہ پہلا لیڈر ہے جس نے قرارداد مقاصد کو عملی رنگ میں پاکستان میں نافذ کرنے کی ابتدا کی اور نام نہاد مولویوں کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر ملک میں فساد کی بنیاد رکھی۔پاکستان کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہو گیا۔اقلیتوں کے لیے ملک کا سربراہ بننا ممنوع ہو گیا اور لاکھوں مسلمان کہلانے والے غیر مسلم قرار دیے گئے وغیرہ وغیرہ۔اور پھر یہی قرارداد مقاصد سے محبت،بھٹو کو پھانسی کے تختے تک لے گئی۔فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ بھٹو ہائیکورٹ میں دہائیاں دیتے رہے کہ کیا مَیں نام کا مسلمان ہوں؟ کیا میں نے جوئے،شراب،ریس اور احمدیوں کو کافر قرار دے کر نوے سالہ مسئلہ حل نہیں کیا؟ جب بھٹو صاحب کی پھانسی کے بعد ان کے جسم کے مخصوص حصہ کی تصاویر لی گئیں تب بھٹو کے دشمنوں کو کچھ یقین آیا کہ وہ مسلمان تھے۔

جنرل ضیاء الحق اس تاریکی کا نام ہے جس کے دورِ حکومت میں ہر قسم کی اخلاقیات کا جنازہ بڑی شان سے نکالا گیا۔قائداعظم محمد علی جناح کے ان تمام فرامین کو ریزہ ریزہ کر دیا گیا جن میں آپ نے کہا تھا کہ ریاست کے تمام شہری برابر کے شہری ہوں گے اور کسی کے مذہب یا عقیدے سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ جنرل ضیاء الحق نے قرارداد مقاصد کی روشنی میں مسلمانوں کو مسلمان اور نمازی بنانے کے لیے قانون سازی کی۔یہ تاریک انسان جاہل مولویوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونے کی طرح تھا۔یہ جنرل ایسا شخص تھا جسے اپنے سوا ہر شخص غیر مومن نظر آتا تھا۔اسی کے دور میں اسلام علیکم کہنے،تلاوت کرنے،مسجد کو مسجد کہنے،نماز کو نماز کہنے اور درود پڑھنے،بسم اللہ پڑھنے اور دوسرے بہت سے شعائر اسلام کو پریکٹس کرنا احمدیوں کے لیے جرم قرار دے دیا گیا تھا جس کی کم سے کم سزا تین سال بامشقت اور زیادہ سے زیادہ سزا موت قرار دی گئی تھی۔یہی نہیں

بلکہ قائداعظم کے پاکستان میں، پاکستان کے تاریک سربراہ نے یہ بھی کہا کہ پاکستانی احمدی وہ کینسر ہیں جسے اکھاڑ پھینکا جائے گا۔ جنرل ضیاء الحق نامی تاریکی ایسا کچھ کرتو نہ سکی مگر خاک ہونے سے پہلے غیور پاکستانیوں کو ایک دوسرے کا دشمن ضرور بنا گئی۔ قوم کے نونہالوں کے ہاتھوں میں ہتھیار، ہیروئین جیسا منحوس جان لیوا نشہ اور لڑنے مرنے اور ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے کے لیے مذہبی منافرت کی تلوار اور فرقہ واریت جیسی بے رحم کلاشنکوف ضرور تھما گیا تھا۔ اور قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا تھا:۔

''آپ مملکت پاکستان میں اپنے مندروں اور اپنی مسجدوں یا کسی عبادت گاہ میں جہاں بھی آپ جانا چاہتے ہیں جانے میں آزاد ہیں۔ آپ کا تعلق کس مذہب سے ہے۔ آپ کی کیا ذات ہے؟ آپ کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس کا مملکت پاکستان کے امور کی انجام دہی کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔''

بھٹو نے مولویوں کو خوش کرنے کے لیے قائداعظم کے ارشادات پر سیاہی پھیرتے ہوئے احمدیوں کو نا صرف ریاستی تشدد کا نشانہ بنایا بلکہ انہیں غیر مسلم قرار دے کر فساد کی بنیاد رکھ دی تھی۔ وہ قرارداد مقاصد جس پر عمل کرنے کی ۱۹۵۳ء میں ناکام کوشش کی گئی تھی وہ بھٹو دور میں کامیاب ہو کر منافرت کا نقطہ آغاز بن گئی اور پھر اس بنیاد پر ضیاء الحق نے ایک ایسی منحوس عمارت کھڑی کی جس کی منحوس چھاؤں میں پاکستانی قوم آج تک خون تھوک رہی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ

اُتر ضرور مگر آہ صبح آزادی
کسی زمین پہ وجہ فساد بن کے نہ آ

دشمن کے ساتھ عدل وانصاف

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں سورۃ المائدۃ کی آیت ۹ میں فرماتا ہے:۔

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر مضبوطی سے نگرانی کرتے ہوئے انصاف کی تائید میں گواہ بن جاؤ اور کسی قوم کی دُشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقویٰ کے سب سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ یقیناً اللہ اِس سے ہمیشہ باخبر رہتا ہے جو تم کرتے ہو۔''

فیصلہ سپریم کورٹ کے ہاتھ میں ہے

کرپشن کرنا ایک ایسا فعل ہے جسے ملک کے ساتھ غداری کرنا سمجھا جاتا ہے۔ یہ کرپشن ہی ہے جو کسی بھی ملک میں فساد عظیم کا باعث بنتی ہے۔ اگر ملک کا سربراہ اور اس کے حواری کرپشن کریں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ پوری قوم کو کرپٹ اور غدار عناصر نے یرغمال بنالیا ہے۔ کسی بھی زندہ قوم کے لیے یا جو قوم زندہ رہنا چاہتی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ کرپٹ عناصر کو کیفر کردار تک پہنچائے۔ ان دنوں سپریم کورٹ پاکستان بھی ایسا ہی ایک کرپشن کیس کا فیصلہ سنانے جا رہی ہے۔ اس کیس کا فیصلہ اس لیے بھی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ پہلی مرتبہ ایک بڑی مچھلی کے منہ میں پاناما نامی کانٹا پھنسا ہے۔ اور حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ یہ فیصلہ دور رس نتائج کا باعث بنے گا۔ ہم جب تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی کوئی قوم مذہبی درندوں یا عیاش بادشاہوں کی گرفت میں آکر زندہ درگور ہونے لگتی ہے تو اسے ایک اتاترک چاہیے ہوتا ہے جو مشکل حالات میں مشکل فیصلے کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ کیا پاکستان کے معزز جج صاحبان کو اس بات کا ادراک اور حوصلہ ہے کہ وہ کرپٹ عناصر کو ایسی سزا سنا سکیں جو ان کی موت کا پیغام لائے اور قوم کو حیات کی نوید سنائے۔ کرپشن جیسی غداری کی سزا وہی ہونی چاہیے جس نے فرانس کی کایا پلٹ دی تھی۔ فرانس کے حکمران جوڑے نے عیاشی کی انتہا کر دی تھی اور فرانس کے لوگوں کی خون پسینے کی کمائی کو جوار بوں ڈالر تھی آسٹریا منتقل کر دیا تھا۔ انقلاب فرانس کی داستان کچھ یوں ہے۔

نپولین سے پہلے فرانس میں رواج تھا کہ ملکہ برسرعام بچہ جنتی تھی، وضع حمل کے وقت محل کے دروازے کھول دیے جاتے اور عورتیں و مرد اندر ہجوم کر آتے اور بچے کی پیدائش کا نظارہ کرتے، ملکہ میری انتوانت Marie Antoinette نے اسی عالم میں سیکڑوں لوگوں کے سامنے بچے کو جنم دیا تھا۔ خیال یہ تھا کہ کسی کو یہ شک نہ ہو کہ بچہ بادشاہ کا نہیں ہے کسی اور کا لا کر رکھ دیا ہے۔

Marie Antoinette کو ۱۶ اکتوبر ۱۷۹۳ء کو ۱۲ بج کر ۱۵ منٹ پر کرپشن اور غداری کے جرم میں جس طرح اس نے بچوں کو سرعام جنا تھا، سرعام پھانسی دے دی گئی تھی۔ جرم ثابت ہونے پر پھانسی سے

پہلے تین سو سپاہیوں کے سامنے کپڑے بدلوائے گئے، سفید رنگ کا وہ لباس پہننے پر مجبور کیا گیا جسے بیوہ عورتیں پہنتی تھیں، بال کاٹ دیے گئے، اس کے ہاتھ مظبوطی سے کمر پر باندھ دیے گئے، رسی باندھ کر کھینچ کر کھلے چھکڑے پر لا کر بٹھایا گیا ہاں اس چھکڑے میں جس میں Marie Antoinette کے کرپٹ شوہر Louis XVI کو پہلے سے بٹھا دیا گیا تھا۔ ان دونوں کے دائیں بائیں گارڈ بیٹھے تھے اور سامنے پادری بیٹھا تھا جس کی طرف ان دونوں نے دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ پھانسی گھاٹ تک کا فاصلہ ایک گھنٹے میں طے ہوا۔ راستے کے دونوں اطراف ۸۰ ہزار سے زائد لوگ شور مچا رہے تھے تیس سے زائد ڈھول بجائے جا رہے تھے اور خوشی کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ Marie Antoinette اور Louis XVI کے گلے میں جب پھانسی کے لیے رسی ڈالی گئی تو ان کے سر جھکے ہوئے تھے جنہیں جلاد نے ہاتھ سے پکڑ کر سیدھا کر کے عوام کی طرف کر دیا اور عوام کے پر جوش نعروں کے جواب میں جلاد نے اپنا کام مکمل کر دیا۔

معزز قارئین! قوموں کی زندگی میں ایسے مرحلے بھی آتے ہیں جب ناعاقبت اندیش لیڈروں کے منحوس اور لعنتی فیصلے پوری قوم کے چہرے سیاہ کر دیتے ہیں۔ آج پاکستان بھی ایسے فیصلے کرنے والے ایسے بہادر جانبازوں کی راہ دیکھ رہا ہے جو بے ضمیر اور کرپٹ سیاستدانوں، نام نہاد مذہبی درندوں، بکاؤ منصفوں اور عیاش جنرلوں جیسی گندگی سے پاک کرنے کے ساتھ ساتھ آئین پاکستان کو بھی پاک صاف کر کے پاکستان کو حقیقی طور پر پاکستان یعنی پاک جگہ بنائے۔ سپریم کورٹ کے پاس موقع ہے کہ وہ ایمان داری سے جرآت کے ساتھ ایسے فیصلے کرے جس سے تاریکیوں میں ڈوبی قوم کو کچھ تو دکھائی دے۔ اللہ ہمارے ملک کو سلامت رکھے اور قوم کے ہر فرد کو اس بات کی توفیق دے کہ وہ اپنے حصے کا کام ایمانداری سے کرنے والا بنے۔ آمین

جہاد اور انسانیت

حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب سول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کی کوئی پارٹی جہاد کے لیے روانہ فرماتے تو اس کے امیر کو نصیحت فرماتے تھے کہ ”اللہ کا نام لے کر خدا کے رستہ میں نکلو اور کبھی خیانت نہ کرو۔ اور نہ کبھی دشمن سے بدعہدی کرو اور نہ قدیم وحشیانہ طریق کے مطابق دشمن کے مقتولوں کے اعضاء وغیرہ کاٹو۔ اور نہ کسی بچے یا عورت کو قتل کرو۔“ (صحیح مسلم)

ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ریلیاں

یہ تو بالکل صحیح بات ہے کہ ناموس رسالت پر کسی قسم کی آنچ نہیں آنی چاہیے۔دنیا میں لاکھوں کتابیں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لکھی گئیں،کیا ان کتابوں نے اسلام کی شان وشوکت کو کم کیا اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اور مرتبے میں کوئی کمی واقع ہوئی؟ کیا دنیا کا کوئی خبیث ایسا ہوسکتا ہے جو ہمارے حبیب آقا رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور بلند ترین مرتبہ کو گھٹا سکے؟ یہ مسلمان ہی ہیں جو اپنی غیر اسلامی حرکات سے اسلام کو گزند پہنچاتے ہیں۔آسمان پر تھوکنے سے اپنا ہی منہ گندا ہوتا ہے۔حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم روحانی آسمان پر چمکنے والے سب سے زیادہ روشن سورج ہی تو ہیں۔اگر توہین رسالت کے تحت دائر ہونے والے مقدمات کی طرف نظر کی جائے تو سب سے زیادہ مقدمات پاکستانی مسلمانوں کے خلاف ہیں۔ان کے کیس پر شوکت صدیقی بات کیوں نہیں کرتے؟ آج کل پورے پاکستان میں مولوی لوگ ناموس رسالت ریلیاں نکال رہے ہیں کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس ان ریلیوں کی محتاج ہے۔ایک اور بات بھی قابل غور ہے یہ جو سوشل میڈیا پر خباثت کی جارہی ہے ان کا ماخذ بھی اسلامی کہلانے والا لٹریچر ہے۔مثال کے طور پر اگر کوئی مولانا مودودی کی کتاب تفہیم القرآن پڑھ کر سوشل میڈیا پر یہ لکھ دے کہ قرآن کریم اور انجیل میں کوئی فرق نہیں ہے نعوذ باللہ۔تو اصل مجرم کون ہوگا؟ مولانا مودودی لکھتے ہیں:۔

''جہاں سیرت کا مصنف کہتا ہے کہ مسیح نے یہ فرمایا یا لوگوں کو یہ تعلیم دی،صرف وہی مقامات اصل انجیل کے اجزاء ہیں۔قرآن انہیں اجزاء کے مجموعے کو''انجیل'' کہتا ہے،اور انہیں کی وہ تصدیق کرتا ہے۔آج اگر کوئی شخص ان بکھرے ہوئے اجزاء کو مرتب کر کے قرآن سے اِن کا مقابلہ کر کے دیکھے،تو وہ دونوں میں بہت ہی کم فرق پائے گا اور جو تھوڑا بہت فرق محسوس ہوگا،وہ بھی غیر متعصّبانہ غور وفکر (تامّل) کے بعد بآسانی حل کیا جاسکے گا''۔(گویا انجیل اور قرآن کی تعلیمات ایک جیسی ہیں۔یہ وہی عقیدہ ہے جسے یہودی اور عیسائی بیان کرتے ہیں کہ قرآن کی تعلیمات نعوذ باللہ انجیل سے لی گئی ہیں)(تفہیم القرآن از مودودی صفحہ ۲۷۵ تفسیر ال عمران) بے شمار ایسی چیزیں اسلامی کہلانے والے لٹریچر میں موجود ہیں۔رشدی ہو یا تسلیمہ

نسرین یا کوئی اور وہ اسلامی کہلانے والے لٹریچر ہی سے مواد لیتے ہیں۔ اور اس لٹریچر سے مذہبی لائبریریاں اور ویب سائٹس بھری ہوئی ہیں۔ جسٹس شوکت صدیقی صاحب کا دل کچھ کرنے کو کرتا ہے اور ان میں اخلاقی جرآت بھی ہے تو ایک نظر اسلامی لٹریچر کے نام پر موجود رنگ برنگی تفسیریں کو بھی دیکھ لیں۔ اگر ممکن نہیں تو عاصمہ جہانگیر صاحبہ کا کہا مان کر امام مسجد بن جائیں۔

☆☆☆

وہ کافر نہیں ہوتا

مسلم لیگ ن سے تعلق رکھنے والے لیڈر طلال چوہدری نے کہا ہے کہ:۔

''شناختی کارڈ پر بھٹو لکھوانے سے کوئی بھٹو نہیں بن جاتا۔''

طلال صاحب نے سیاسی مخالفت کے جوش میں ایک ایسی حقیقت بیان کی ہے جسے مشتہر کرنا ہر حقیقت پسند کا فرض ہے۔ کتنی سچی بات طلال صاحب نے کہی ہے اگر یہ بات ہماری قوم کو سمجھ آ جائے تو وہ دنیا کی عظیم ترین قوم بن جائے۔ سچ ہے کہ کالے پھول کو اگر سفید کہا جائے، وہ سفید نہیں ہو جاتا۔ پاک کو ناپاک کہنے سے پاک ناپاک نہیں ہوتا۔ مسلمان کو جتنی بار چاہو کافر کہو وہ کافر نہیں ہوتا۔ اسی طرح پاسپورٹ پر مسلمان لکھنے سے یا کافر لکھنے سے کوئی مسلمان یا کافر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح متفقہ طور پر پارلیمنٹ بھی کسی مسلمان کہلانے والے کو کافر قرار دے دے تو بھی مسلمان کہلانے والے کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جھوٹ کسی بھی طریقے سے بولا جائے کبھی سچ نہیں ہوتا۔ حرام کو کسی بھی نام سے پکارا جائے حلال نہیں ہوتا۔ باطل کو کتنے بھی تاویلوں کے ہار پہنا دو وہ حق نہیں ہو سکتا۔ فسادی کا نام چاہے عبد العزیز رکھ دو یا فضل اللہ وہ فسادی ہی کہلائے گا۔ مذہب کو جتنے مرضی خود ساختہ عقیدوں کے زیور پہنا دو، وہ دین نہیں ہوتا۔ دین زندگی بخش جام ہے اور خود ساختہ مذاہب زہر کا پیالہ۔ عالم 'مولوی' نہیں ہو سکتا اور 'مولوی' عالم نہیں ہو سکتا چاہے 'مولوی' کو شیخ الاسلام کہا جائے۔ بہت سی اور مثالیں دی سکتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ظلمت کے اندھیرے کسی صورت بھی نور نہیں کہلا سکتے۔

ریاست کے پَروں کے نیچے

مولانا فضل الرحمان عام طور پر جھک ہی مارتے ہیں مگر درج ذیل بیان پر انہیں شاباش کہنے کو جی چاہتا ہے۔مولانا نے کہا:۔

''آج بھی پاکستان میں مسلح تنظیمیں اور افراد موجود ہیں جنہوں نے اسلحہ اٹھا رکھا ہے، وہ ریاست کے پَروں کے نیچے پل رہے ہیں۔کبھی کہتے ہیں کہ ان کی افغانستان میں ضرورت ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ کشمیر میں ضرورت ہے، نظریہ ضرورت کے تحت سب چیزیں جائز ہو جاتی ہیں اور پھر کل وہی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔جنہیں دہشت گردی ختم کرنے کا کام دیا گیا، وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے، نہ چاہتے ہوئے بھی فوجی عدالتوں کی حمایت کریں گے۔''

مولانا کی یہ باتیں مفروضے پر مبنی نہیں ہیں بلکہ یہ حقائق نامہ ہے۔دیکھ لیجیے کالعدم تنظیموں کو وہ کہنے کو کالعدم ہیں مگر سرگرم ہیں۔یہ تنظیمیں مذہبی، سیاسی، لسانی اور علاقائی بنیادوں پر کھڑی ہیں۔عجیب بات یہ ہے کہ ریاست ان سے ڈرتی بھی ہے اور ان کی پشت پناہی کر کے اپنے سیاسی اور مذہبی مقاصد بھی حاصل کرتی ہے۔جب ضیاء الحق کو امریکہ جسے پاکستانی مردہ باد کہتے ہیں سے موٹی رقم کے عوض پاکستانی نوجوانوں کی قربانی کی ضرورت پڑی تو اس نے اسے پورا کرنے کیلیے مدرسوں کو ٹریننگ سینٹروں میں تبدیل کر دیا۔تحریک نظام مصطفیٰ کو اپنے اقتدار کے لیے سیڑھی کے طور پر استعمال کیا۔اپنی ذاتی خواہشات کی تکمیل کے لیے فوج نے فی اذان پندرہ روپے بھٹو کی حکومت گرانے کے لیے دن رات اذانیں دینے والوں کو دیے۔جب ضیاء اقتدار کی کرسی پر بیٹھ گیا تو عدلیہ نے حسب سابق نظریہ ضرورت کے تحت اسے حکمران تسلیم کر لیا اور وہ آئین جس کا راگ دن رات آلاپا جاتا ہے اسے ضیاء کی لونڈی بنا کر یہ اجازت بھی دے دی کہ اس کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو۔عباسی اور عثمانی خلیفوں نے بھی ایسا سلوک لونڈیوں کے ساتھ نہ کیا ہوگا جیسا ضیاء نے آئین نامی لونڈی کے ساتھ کیا۔

اور یہ بات کہ دہشت گردی کا خاتمہ نہیں کیا جا سکا ہے تو یہ بات بھی درست ہے۔اگر ضرب عضب

کامیاب ہوگیا تھا تو ردالفساد کیوں شروع کیا گیا؟ اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ ضرب عضب (رسول اللہ ﷺ کی ایک تلوار کا نام) آپریشن کو مکمل کامیابی تک کیوں نہ جاری رکھا گیا۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اس آپریشن میں رسول اللہ ﷺ کی تلوار کا نام نامکمل کاروائی کے لیے کیوں منتخب کیا گیا؟ فوجی عدالتوں نے پہلے دوسال میں کیا ایسا کر دیا تھا کہ انہیں دوبارہ موقع دیا جائے۔ اگر گند ہی کرنا ہے تو معزز کہلانے والی عدالتیں کافی نہیں۔ اگر ہمارے پیارے وطن کے دوادارے گند کرنا بند کر دیں تو وطن عزیز فوراً ہی ترقی کی جانب دوڑنا شروع ہو جائے گا۔ انشاءاللہ۔ اور وہ دوادارے ہیں عدلیہ اور فوج۔

کون جہنم میں جائے گا

وزیراعظم نواز شریف نے ہولی کے موقع پر خطاب میں کہا تھا:۔

"مَیں ایک ایسا پاکستان دیکھنا چاہتا ہوں جہاں ہر مذہب کے ماننے والے شخص کو مساویانہ مواقع دستیاب رہیں۔ کون جنت میں جائے گا اور کون جہنم میں جائے گا؟ یہ فیصلہ کرنا کسی انسان کا کام نہیں ہے۔ زبردستی کے ذریعے کسی کا مذہب کا تبدیل کروانا ایک سنگین جرم ہے۔ حکومت اسلام کی تعلیمات اور آئین پاکستان کی بنیاد پر شہریوں کے مساوی حقوق کو یقینی بنائے گی اور اس بات کا اہتمام کیا جائے گا کہ کسی کے ساتھ مذہب کی بنیاد پر کوئی امتیازی سلوک نہ کیا جائے۔ انہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہو۔ ملازمتوں اور دوسرے معاملات میں انہیں کسی محرومی کا احساس نہ ہو۔"

نواز شریف صاحب کی خواہش، جذبہ اور خوش فہمی قابل تعریف ہے لیکن وہ جو کہا جاتا ہے کہ زمینی حقائق کچھ اور ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق ایک ہزار نوجوان ہندو لڑکیوں کو سالانہ زبردستی مسلمان بنایا جاتا ہے۔ تقریباً لاکھوں احمدی جو خود کو مسلمان نا صرف کہتے ہیں بلکہ دل و جان سے اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں کو ریاست نے کافر قرار دے رکھا ہے۔ اسلام کی تعلیمات زندگی بخش جام ہیں، سبھی کے لیے۔ اور آئین وہ بے آبرو لونڈی ہے جسے سب سے پہلے بھٹو جیسے شرابی نے رگیدا اور پھر ضیاء الحق جیسے تاریک شخص نے اسے کسی قابل نہ چھوڑا۔ جنت، دوزخ والی بات مولوی تک نہیں پہنچی۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ سوائے مسلمانوں کے کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔

(سعودی عرب،قطر تنازعہ)

(ڈونلڈٹرمپ کا دورہ سعودی عرب)

طعنہ زن کفر پہ ہوتا ہے عبث اے زاہد! | بُت پرستی ہے ترے زہد ریا سے بہتر

سعودی عرب اور قطر کے درمیان کشیدگی میں خطرناک حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔قطر کے متعلق خلیج کونسل کی جانب سے لگائی جانے والی سفارتی،فضائی اور زمینی پابندیوں کی امریکی صدر ٹرمپ نے بھی حمایت کی ہے۔ان پابندیوں کے باعث قطری عوام شدید مشکلات کا شکار ہو چکی ہے۔غذائی قلت کا سامنا ہے۔بذریعہ سعودی عرب ۸۰ فیصد غذائی اشیاء قطر آتی ہیں۔فوری طور پر ایران اور ترکی نے قطر کو بھرپور طریقے سے مدد دینا شروع کر دیا ہے۔سعودی عرب نے ہمیشہ عالم اسلام کو درپیش مسائل کا حل نکالنے کی بجائے اپنے اقتدار کو بچانے اور نہ ختم ہونے والی خواہشات کی تکمیل کے لیے عالم اسلام کو خون میں نہلایا ہے۔وہ خوں آشام رات کون بھول سکتا ہے جب عراق پر امریکی اتحادیوں کی جانب سے پہلی بمباری کی گئی تھی،امت مسلمہ اپنے مسلمان بھائیوں پر ٹوٹ پڑنے والی آفت پر خون کے آنسو رو رہی تھی اور سعودی خوشی کے شادیانے بجا رہے تھے۔اسی طرح افغانستان،مصر،شام،یمن،لیبیا کی بربادی بھی مسلمانوں کو ماتم پر مجبور کرتی رہی مگر سعودی حکمران پھولے نہ سماتے تھے۔یہ سعودی عرب کے حکمرانوں کا ہی کیا دھرا ہے کہ مسلمان پھوٹ کا شکار ہیں۔نفرت کی آگ بلکہ نفرت کے لاوے اب مسلمان ملکوں میں بہہ رہے ہیں۔سعودی عرب اور امریکہ کے لیے قطر کے متعلق طریقہ واردات نیا نہیں ہے۔قطر سے پہلے افغانستان،عراق،مصر،لیبا،شام اور یمن وغیرہ میں دولت اور طاقت میں اضافہ کے لیے انسانوں کا بے حد لہو بہایا جا چکا ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۰ء سے لے کر اب تک چالیس لاکھ مسلمان سعودی خواہشوں کی بھینٹ چڑھائے جا چکے ہیں۔اقوام متحدہ کے سابق جنرل سیکرٹری جناب کوفی عنان نے سارے منظر نامے کی بالکل درست تصویر کشی کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ”بعض ممالک کا ارادہ ہے کہ وہ قطر کو دہشت گردی کا حامی قرار دیں،جبکہ ایسا نہیں ہے۔اس کی اصل وجہ قطر کو اپنے سائے تلے لانا،اس کو اسلامی گروہوں کی مدد سے روکنا ہے۔سعودی عرب ڈالروں کی مدد سے خلیجی ممالک

پر اپنا اثر ورسوخ بڑھانا چاہتا ہے۔اوراس وجہ سے وہ عنقریب اکیلا ہو جائے گا۔''انہوں نے آخر میں یہ بھی کہا کہ ''سعودیہ ایک چھوٹا ملک ہے مگر اس کے خواب بڑے ہیں، وہ کبھی بھی اسلامی ممالک پر حکمرانی نہیں کر سکے گا۔''

سن کان کھول کر کہ تنک جلد آنکھ کھول | غافل یہ زندگانی فسانہ ہے خواب ہے

قطر کے زبردست طاقت بننے کے خوف نے سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک کی نیندیں حرام کر دی ہوئی ہیں۔قطر کا ترقی کی جانب سفر کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔اور یہ ترقی کا سفر سعودی عرب کی تھانیداری کے لیے شدید خطرے کا باعث ہے۔قطر کا قدرتی گیس برآمد کرنے والا دوسرا ملک بننا، قطر کے الجزیرہ نیوز چینل کا عالمی طور پر لوہا منوانا، قطر میں ۲۰۲۲ء میں ورلڈ کپ ہونا، اخوان المسلمین کی مصر اور دیگر ممالک میں مدد کرنا، قطر میں ترک فوج کا موجود ہونا جو اخوان المسلمین کے لیے نرم گوشہ رکھتی ہے، امریکی بحری بیڑے کی قطر میں موجودگی اور ایران کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کرنا سعودی عرب اور اس کے اتحادیوں کے نزدیک ایسے جرائم ہیں جو ان کے لیے ذلت ورسوائی کا باعث بن رہے ہیں۔سعودی عرب کی قطر سے مخاصمت کا اندازہ صرف ایک اس واقع سے لگایا جا سکتا ہے۔۲۰۱۱ء میں جب مصر میں انقلابی تحریک نے مرسی کی اخوانی حکومت کو اکھاڑا تو فوج نے سعودی حکومت کی حمایت سے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔جنرل فتح السیسی کے اقتدار پر قبضہ کر لینے کی وجہ سے قطر نے مصر کے لیے آٹھ بلین ڈالر کی امداد روک دی لیکن سعودی عرب کی ڈکٹیٹر لیڈر شپ نے مصر کے ڈکٹیٹر کی مدد کے لیے ۱۲ارب ڈالر کی خطیر رقم عطا کر دی۔اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ مصر میں قطر اور سعودی عرب، اخوان المسلمین اور جنرل السیسی کی صورت میں برسرپیکار ہیں۔شام میں بھی پراکسی جہادی گروپوں کی ڈوریاں بھی خلیجی ریاستیں ہلا رہی ہیں۔

قطر تنازعہ پر مکہ مکرمہ میں ہونے والے رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام عالمی سیمینار کے اختتام پر اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ 'دنیا بھر کے مسلمان سعودیہ، کا ساتھ دیں۔' مسلمانوں کو رابطہ اسلامی کے کرتا دھرتاؤں سے پوچھنا چاہیے کہ سعودیہ نے وہ کیا کیا ہے جس کے لیے سعودی حکمرانوں کا ساتھ دیا جائے؟ سعودی دولت کے پہاڑ امریکہ کے بنکوں میں پڑے ہیں، سعودیہ، اسرئیل اور امریکہ کے لیے دلالی کرتا ہے۔مسلمان ممالک

میں فرقہ واریت، دہشت گردی بھی کرواتا ہے اور وہابی اسلام کی ترویج کے لیے مساجد اور مدارس بنانے کے لیے بے حساب دولت خرچ کرتا ہے۔ مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ مکہ اور مدینہ سے اٹھنے والی آوازیں سعودی حکمرانوں کے تقویٰ پر مبنی نہیں ہیں بلکہ آواز ان کی ہے اور خیال یا منصوبہ کسی اور کا ہے۔ مکہ اور مدینہ کے نام پر مسلمانوں کے جذبات کو برانگیختہ کرنے والے خادمین حرمین شریفین کسی اور ہی کی زلفوں کے اسیر ہیں۔ اسلام نے بتوں کی پرستش کا عرب میں خاتمہ کر دیا تھا مگر سعودی حکمرانوں نے نئی طرز کے بت تراش کر ان کی پوجا کو کامیابی کا زینہ سمجھ لیا ہے۔

اس بت شوخ کی ہے طینت میں | دشمنی میرے دین و ایماں کی

سعودی عرب کی باچھیں کھلانے کا باعث یقیناً امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کا دورہ سعودی عرب بنا ہے۔ امریکی صدر کا یہ پہلا سرکاری دورہ تھا۔ سعودیوں نے امریکی صدر کا نہایت شاندار استقبال کیا۔ اور اس تاریخی موقع پر سعودی عرب نے امریکہ سے شاندار تعلقات کا نظارہ ۵۵ اسلامی ممالک کے سربراہان کو بھی کروا کر انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کی۔ فلک نے یہ نظارہ کب دیکھا ہوگا کہ امت مسلمہ کے تقریباً ۵۵ ممالک کے سربراہان کو امریکی صدر ٹرمپ (جسے اسلامی مذہبی تنظیمیں اور ان کے چیلے، کافر، دجال وغیرہ دن رات کہتے ہیں) نے اسلام پر لیکچر سنایا، اسلام کے محاسن بیان کیے اور مسلمان ملک اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف اکسایا۔ اور ٹرمپ کے اکسانے پر ٹرمپ کے شاگردوں نے اپنے مسلمان بھائی کو خوب سنائیں۔ ہمارے وزیراعظم صاحب جو سعودی بادشاہ کے اعلیٰ درجہ کے وفادار ہیں یہ کہتے سنائی دیے ''خادمین حرمین شریفین کے باعث مسلم دنیا سعودی فرمانروا کی طرف دیکھتی ہے۔'' نواز شریف صاحب نے خادمین حرمین شریفین کے تحفظ کے لیے بھی بھرپور عزم کا اظہار بھی کیا ہے۔ ہمارے وزیراعظم صاحب اپنی ذات میں گم رہنے والے ایسے بیخبر ہیں جو کنوئیں کے مینڈک کی طرح ٹراتے رہتے ہیں۔ نواز شریف صاحب کو ایران، شام، ترکی، قطر، کویت اور عمان وغیرہ بھی بھیک منگے ہی دکھائی دیتے ہیں۔ جس سعودی عرب کی طرف نواز شریف کی نظریں دیکھتی رہتی ہیں اور جن خادمین حرمین شریفین کے تحفظ کو وہ یقینی بنانا چاہتے ہیں، وہ ان کو اور ان کی عوام کو کیا سمجھتے ہیں، آیئے دیکھتے ہیں۔ جب پاکستان نے یمن کے خلاف سعودی جارحیت پر فوج بھیجنے

کی بجائے افہام وتفہیم سے مسئلہ حل کرنے کا مشورہ دیا تھا تب ۲۳ اپریل ۲۰۱۵ء کو سعودی وزیر دفاع محمد بن سلمان آل سعود نے پاکستانیوں کو برا بھلا کہتے ہوئے شاہ سلمان کو ایک خط میں لکھا تھا:۔

’’پاکستان ہمارے لیے دھوکا باز ہے اور پاکستانی حکمران اپنی نام نہاد جمہوریت کے دعویدار بن کر ہم پر فخر کرتے ہیں۔ان دھوکا بازوں کو جان لینا چاہیے کہ وہ جن اپنے اعلیٰ فوجی عہدوں پر ناز کرتے ہیں ان کی اصل حالت تو یہ ہے کہ وہ اتنے بے بس ہیں کہ اپنی چھوٹی سی اندرونی مشکل بھی تنہا حل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور اگر ہم مالی طور پر، میڈیا اور انفارمیشن کے میدانوں میں ان کی مدد نہ کرتے تو یہ کبھی بھی اپنے مخالفین کو ہٹا کر آج حکمران نہ ہوتے اور کل تک تو وہ ہم سے بھیک اور خیرات مانگا کرتے تھے اور اب بھی ہمارے مال و دولت سے بھیک اور خیرات مانگ رہے ہیں۔ یہ احسان فراموش ہیں، ہم سے کہتے ہیں کہ یمن کے مسائل کے حل کا کاراستہ پرامن راہ حل تلاش کرنے میں ہے۔اور یہ بات بھول جاتے ہیں کہ یمن کے خلاف یہ فیصلہ کن طوفانی حملہ حقیقت میں عروبتہ یعنی عرب ازم کا دفاع ہے۔اور تم عربوں کے نوکر ہو اور ہر باشرف عربی کے لیے باعث فخر ہے اور یہ حملہ امن کے قیام اور باغی گروہ کو کچلنے کے لیے ہے۔

اے خادم حرمین شریفین! ہمیں ان نمک حرام لوگوں کی مدد کی ہرگز ضرورت نہیں کہ جن کے ہمارے ملک میں مزدوری کرنے والے شہریوں کو اگر ہم ملک بدر کر دیں تو پھر دیکھیں کہ وہ کس طرح ہماری منت و سماجت کرتے ہیں اور کیسے وہ کتوں کی طرح بھونکتے ہیں۔‘‘

سعودی عرب کے حکمران، پاکستان کو اور اس کے لیڈروں کو کیا سمجھتے ہیں اس خط نے سب کچھ ننگا ننگا دکھا دیا ہے۔اور درج ذیل فتوے نے اس خط کے بالمقابل سعودی عرب کے حکمرانوں کی سوچ وفکر کی غلاضت کو نا صرف نمایاں بلکہ الف ننگا کر دیا ہے۔

سعودی دارالافتاء کے رکن مفتی جحمان نے فتویٰ جاری کیا ہے کہ ’’امسال قطریوں کا روزہ قبول نہیں ہوگا کیونکہ وہ والی امر (سعودیہ) کی اطاعت نہیں کر رہے اور قطریوں کا روزہ تب قبول ہوگا جب وہ سعودی عرب سے معافی مانگے اور سعودی عرب معاف بھی کر دے۔جلد معافی کی تلقین کرتے ہوئے مفتی صاحب نے کہا ہے کہ سعودی عرب بہت رحم دل ہے معاف کر دے گا۔اگر قطری دہشت گردوں سے قطع تعلق کی اسناد

نہ پیش کی گئیں تو صدام حسین جیسا حشر ہوگا،اور یہ کافروں کی جزا ہے۔''

معزز قارئین! ساحرلدھیانوی نے اپنی ایک نظم ''آج'' کے آخری الفاظ یوں لگتا ہے کہ تمام اسلامی وغیراسلامی ممالک کے حکمرانوں کو مخاطب کرتے ہوئے بڑے درد سے کہے ہیں:۔

''عورتیں بچیاں۔۔۔۔ہاتھ پھیلائے خیرات کی منتظر ہیں۔۔۔۔ان کو امن اور تہذیب کی بھیک دے دو۔۔۔۔ماؤں کو ان کے ہونٹوں کی شادابیاں۔۔۔۔ننھے بچوں کو ان کی خوشی بخش دو۔۔۔۔ملک کی روح کو زندگی بخش دو۔۔۔۔مجھ کو میرا ہنر میری لے بخش دو۔۔۔۔آج ساری فضا ہے بھکاری۔۔۔۔اور مَیں اس بھکاری فضا میں۔۔۔۔اپنے نغموں کی جھولی پسارے۔۔۔۔دربدر پھر رہا ہوں۔۔۔مجھ کو پھر میرا کھویا ہوا ساز دے دو۔۔۔۔مَیں تمہارا مغنی تمہارے لیے۔۔۔۔جب بھی آیا نئے گیت لاتا رہوں گا۔

اللہ سبھی حکمرانوں کو فراست دے۔

کھیل سیاست کے ہیں یہ لاشیں یہ جلتی بستیاں چُپ رہوں تو غدّار وطن کا سچ کہوں تو جُرم

''بے دین'' اور ''مجوسی کی اولاد''

ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ علی خامنہ ای نے سعودی حکام کو ''بے دین'' قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ''مذہبی مقامات کا انتظام مسلم دنیا کو اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہیے۔انہوں نے کہا ہے کہ سعودی عرب کے حکمرانوں نے حج کو سیاست بنا دیا ہے۔اور خود کو حقیر اور چھوٹے شیطانوں میں بدل لیا ہے جو بڑے شیطان (امریکہ) کے مفادات خطرے میں پڑنے کی وجہ سے تھرتھرا رہے ہیں۔''

سعودیہ کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز الشیخ نے جواب میں کہا ہے کہ ''ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ (ایرانی شیعہ) مسلمان نہیں ہیں۔ان کے اہم دشمن وہ ہیں جو سنت کے پیروکار ہیں۔ایرانی لیڈر مجوسی کی اولاد ہیں۔''

سعودی مفتی کے جواب میں ایرانی وزیرخارجہ جواد ظریف نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''یہ بیانات سعودی حکام کے تعصب کا ثبوت ہیں۔حقیقت میں اس اسلام میں جو ایران کا یا زیادہ تر مسلمانوں کا ہے اور اس اسلام میں جس کی متعصب انتہا پسند وہابی عالم اور سعودی دہشت گرد ماسٹر تبلیغ کررہے ہیں بہت بڑا فرق ہے۔''

سعودی اسلام اور اقلیتیں

آج کل پاکستان میں ہندوؤں اور برما کے انتہا پسندوں کو انتہائی ظالم قرار دیا جارہا ہے۔ پاکستانی مسلمانوں اور بالخصوص مذہبی راہنماؤں کے پیٹ میں برما اور ہندوستان کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم پر مروڑ اٹھتے ہیں۔ جماعت اسلامی کو تو باقاعدہ احتجاج کے دورے پڑتے ہیں۔ تاریخ کے سینے پر درج ہے کہ جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی نے جسٹس کیانی کی عدالت میں پوچھے گئے ایک سوال کہ ''''اگر ہندو اپنے نظامِ حکومت میں منوشاستر کے تحت مسلمانوں سے ملیچھوں یا شودروں کا سا سلوک کرے تو کیا آپ کو کوئی اعتراض ہوگا؟'' کے جواب میں کہا تھا کہ ''یقیناً مجھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ حکومت کے اس نظام میں مسلمانوں سے ملیچھوں یا شودوروں کا سا سلوک کیا جائے ان پر منو کے قوانین کا اطلاق کیا جائے اور انہیں حکومت میں حصہ اور شہریت کے حقوق قطعاً نہ دیے جائیں۔ اور حقیقت یہی ہے کہ اس وقت بھی ہندوستان میں صورت حال یہی ہے۔'' اور یہ جواب میاں طفیل صاحب کالعدم جماعت اسلامی کے امیر کا بھی تھا اور مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صدر جمیعت العلمائے پاکستان کا بھی تھا۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ مسلمان ممالک جو خود کو اسلام کا علمبردار سمجھتے ہیں، وہ اپنے ممالک میں اقلیتوں کے ساتھ اور اپنی عوام کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟ اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اقلیتوں پر ظلم کے سبھی سوتے سعودی عرب سے پھوٹے ہیں۔

سعودی حکمرانوں نے جتنی خدمت وہابی اسلام کی کی ہے اگر اتنی خدمت اسلام کی کرتے تو کم از کم مسلمان عوام سکھ چین میں ہوتے۔ سعودی عرب نے وہابی اسلام کے پھیلاؤ کے لیے جس قدر دولت خرچ کی ہے، اس دولت سے کم از کم اسلامی دنیا سے بھوک کا صفایا ہوسکتا تھا۔ سعودی حکمرانوں نے جب بھی اپنے تخت کو خواب میں بھی ہلتے دیکھا، انہوں متوقع طاقت ور کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ جہاں ضرورت پڑی اپنے مغربی آقاؤں کی خدمات بھی بھاری معاوضہ دے کر حاصل کیں۔ اور پھر ان غیر ملکی آقاؤں نے عراق، شام، لیبیا وغیرہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ابھی تک چالیس لاکھ مسلمان گزشتہ ۲۷ برسوں میں قتل ہو چکے ہیں۔ اور آج

کل سعودی عرب کی قیادت میں چالیس ممالک شیعہ آبادی کا شام اور یمن میں صفایا کرنے کے درپے ہیں۔ شیعوں اور سلفیوں کے بارے میں سعودی سمجھتے ہیں کہ شیعہ، سلفی، علوی اور دوسرے غیر وہابی مسلمان وغیرہ سچا ایمان رکھنے والوں (وہابی اسلام) کے دشمن ہیں۔کسی بھی فرقے یا غیر مسلم کو جلوس نکالنے کی اجازت نہیں۔شیعہ فرقے کو یوم عاشور منانے کی اجازت صرف ایک شہر قاطف میں ہے۔علی الاحمد ڈائریکٹر آف سعودیہ انسٹی ٹیوٹ کے مطابق شیعہ اسلام یہودیوں کی سازش ہے۔سعودی عرب میں مذہب تبدیل کرنے والے مسلمانوں اور مذہب کی توہین کرنے والوں کی سزا موت مقرر ہے۔سنی اسلام (سنی وہابی اسلام) کے خلاف بات کرنے والے کی سزا موت ہے یا عمر قید ہوسکتی ہے۔ ۲۰۱۵ء میں ایک فلسطینی نوجوان کی شاعری کو توہین مذہب قرار دے کر اسے قتل کر دیا گیا تھا۔عجیب بات یہ ہے کہ مذہبی امور کی وزارت کی نگرانی میں ۵۰۰ افراد غیر مسلموں کو مسلمان بنانے پر مامور ہیں۔ بہت سے غیر مسلم مشکلات سے بچنے کے لیے سعودی اسلام قبول کر لیتے ہیں۔اور واپس اپنے ملک جانے پر مرتد ہو جاتے ہیں۔سعودی افواج کے اعلیٰ افسروں، سفیروں، وزارتوں وغیرہ میں ایک بھی شیعہ یا کسی دوسرے مکتبہ فکر کا شخص اور غیر مسلم اقلیتی فرد افسر نظر نہیں آتا۔طالب علموں کو وہابی اسلام کی تعلیم دی جاتی ہے اور طالب علموں کو بتایا جاتا ہے کہ عیسائی، یہودی اور دوسرے مسلمان شیعہ، سلفی، علوی وغیرہ سچا ایمان رکھنے والوں کے دشمن ہیں۔اسلام کی تشریحات پر تنقید کرنا یا نئی تشریحات کرنا ممنوع ہے اور قابل سزا ہیں۔سعودی فنڈ سے چلائے جانے والے دنیا بھر کے مدرسوں کی اکثریت میں یہی سعودیہ کا مقرر کردہ نصاب پڑھایا جاتا ہے۔

غیر مسلموں کے لیے سعودی عرب جہنم سے کم نہیں۔سعودی عرب جانے والے سبھی لوگ جانتے ہیں کہ جدہ سے مکہ جاتے ہوئے راستے میں ایک بورڈ پر لکھا آتا ہے کہ صرف مسلمانوں کے لیے۔صرف مکہ اور مدینہ جانے پر ہی غیر مسلموں کو اجازت نہیں ہے بلکہ سعودی عرب کی کسی بھی مسجد میں غیر مسلموں کا داخلہ ممنوع ہے۔حال ہی میں جدہ میں موجود ۴ مساجد میں غیر مسلموں کو محدود سیاحتی اجازت دی گئی ہے۔ہم مفتی نہیں ہیں کہ ہم کوئی فتویٰ دیں۔تاہم جو بات ہم نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت مقدس میں دیکھی ہے اسے بیان کرنے سے نہیں رُک سکتے۔

طائف کے وفد کا رئیس عبد یا لیل وہی شخص تھا (یہ وہی جاہل تھا جس نے سفر طائف میں اپنے دو بھائیوں کے ساتھ مل کر آپ ﷺ کو طائف سے نکال دیا تھا جب ایک جگہ آپ ﷺ زخموں سے چور ہونے اور تھکان کی وجہ سے بیٹھ گئے تو آپؐ کو بغلوں سے پکڑ کر اُٹھا دیا تھا) جو رسول اللہ کی ایذاء رسانی میں پیش پیش تھا۔اس گُستاخ رسول، بدتہذیب اور آزار رساں دُشمن اور کافر کو آنحضرت ﷺ نے دُنیا کے مقدّس مقام مسجد نبوی میں اُتارا اور اُس کے ساتھیوں کو مسجد نبوی کے صحن میں خیمے نصب کروا کر ٹھہرایا۔اِس پر صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ پلید مُشرک قوم ہے مسجد میں اِن کا ٹھہرانا جائز نہیں۔آپؐ نے فرمایا: اس آیت میں (يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ ۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مشرکین تو ناپاک ہیں۔پس وہ اپنے اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکیں۔سورۃ توبہ آیت ۲۸) دِل کی بُلندی کی طرف اشارہ ہے، جسموں کی ظاہری گندگی مُراد نہیں، اور نہ کوئی انسان ان معنوں میں پلید ہے۔کیونکہ سب انسان پاک ہیں اور وہ ہر مقدّس سے مقدّس جگہ پر جا سکتے ہیں۔(بحوالہ احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۱۰۹)

مفسرین کے مطابق مشرکین کے نجس ہونے سے مُراد اُن کے عقیدہ کی نجاست ہے، جسمانی نجاست مُراد نہیں۔زمانہ جاہلیت میں مشرکین ننگے ہو کر اور اپنے بُتوں کو ساتھ لے کر حج کرتے تھے۔پس مشرکوں کو حج سے روکنے سے مُراد یہ ہے کہ ان کو اپنی مشرکانہ رسومات ادا کرتے ہوئے حج نہ کرنے دیا جائے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے بعض فقہا کے نزدیک بھی مشرکین، مسلمانوں کی ہر مسجد میں حتیٰ کہ مسجد حرام میں بھی داخل ہو سکتے ہیں، البتہ انہیں وہاں اپنی مشرکانہ رسومات کے ساتھ حج یا عمرہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ، تالیف الدکتور وھبۃ الزحیلی جلد ۶ صفحہ ۴۳۴، ۴۳۵ دار الفکر۔دمشق)

سعودی عرب میں مذہبی آزادی کی بات تو کی جاتی ہے مگر کسی کو بھی مذہبی حوالے سے نہ تحفظ دیا جاتا ہے اور نہ آزادی۔مذہبی پولیس غیر مسلموں کو مذہب پر عمل کرنے کی عام اجازت نہیں دیتی۔سعودی عرب میں عیسائیوں، یہودیوں کے علاوہ اکتالیس لاکھ ہندو، ۷۰ ہزار بدھ اور ۴۵ ہزار سکھوں کے علاوہ بھی بہت سے مذاہب کے لوگ موجود ہیں ۲۰۱۴ء میں ایک قانون بنایا گیا ہے کہ کسی بھی دہریہ کو دہشت گرد سمجھا جائے گا

جس کی سزا موت ہے۔کسی بھی قسم کے دہریہ خیالات رکھنے والے کو دہریہ یعنی دہشت گرد ہی سمجھا جاتا ہے۔ غیر مسلموں کو کسی بھی مذہبی خدمت کے لیے سعودی عرب آنے کی اجازت نہیں ہے۔کسی بھی غیر مسلم کو کسی بھی قسم کی مذہب سے متعلق کتاب تقسیم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔یہاں تک کہ بائیبل کی تقسیم کی بھی اجازت نہیں ہے۔حال ہی میں ایک قانون بنایا گیا ہے کہ اگر کوئی بائیبل سعودی عرب اسمگل کرتے ہوئے پکڑا گیا تو اس کی سزا موت ہو گی۔کوئی عیسائی یا یہودی ایک بائیبل سے زیادہ اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تبلیغ نہیں کر سکتا،جس طرح مسلمان فٹ پاتھ پر بھی نماز پڑھتے ہیں،(سعودیوں میں ایک عجیب بات اس عاجز نے دیکھی کہ ڈرائیوروں کی اکثریت جائے نماز کو چوتڑوں کے نیچے رکھتی ہے) غیر مسلم نہ سرعام عبادت کر سکتے ہیں اور نہ اجتماع۔مندروں اور گرجا گھروں یا دوسرے عبادت خانے سعودی عرب میں شاید ہی کہیں ملیں۔غیر مسلموں کے غیر حلال کھانے سعودی عرب نہ آسکتے ہیں اور نہ بنائے جاسکتے ہیں۔سعودی عرب میں سینما میں فلم دیکھنا ممنوع ہے۔بحرین کے قریب رہنے والے سعودی اس شوق کو بحرین جا کر پورا کرتے ہیں۔۱۴ فروری کو دنیا بھر میں ویلنٹائین ڈے منایا جاتا ہے مگر اس دن سعودی عرب میں سرخ گلاب بیچنا مستوجب سزا ہوتا ہے۔سرخ رنگ کی ہر چیز استعمال کرنا جرم قرار دیا جاتا ہے۔اگر کوئی طالبہ سرخ کپڑے یا اسکارف پہن کر اسکول چلی جائے تو اسے گھر بھیج دیا جاتا ہے کہ سرخ رنگ کے کپڑے بدل کر آئے۔

سعودی عرب میں صرف وہابی اسلام کے سوا دوسرے تمام فرقوں سے تعلق رکھنے والے بھی دوسرے درجہ کے بلکہ شودروں سے بھی بدتر سمجھے جاتے ہیں اور ان کے عقائد کو مشرکانہ کہا جاتا ہے۔مثلاً وہابی اسلام کی رو سے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا شرک ہے۔اس عاجز نے خود ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے والے مسلمانوں کو روضہ رسول اللہ ﷺ پر دھکے کھاتے دیکھا ہے۔شہداء بدر کے لیے ہمیں بھی ہمارے عربی ڈرائیور نے ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں کرنے دی،اور خواتین کو چونکہ وہابی اسلام میں قبرستان جا کر دعا کرنے کی اجازت نہیں ہے اس لیے عربی ڈرائیور نے خواتین کو گاڑی سے اتر کر نہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے دی اور نہ ہی زیارت کرنے دی۔غیر ملکی مسلمانوں کے ساتھ نہایت ناروا سلوک کیا جاتا ہے۔ہر غیر ملکی کے گلے میں کفیل کی غلامی کا پٹہ ڈال دیا جاتا ہے۔اور یہ پٹہ اس وقت تک اس کے گلے میں رہتا ہے جب تک وہ مر نہیں جاتا یا واپس اپنے دیس نہیں چلا

جاتا۔کفیل نامی بھوت کی مرضی کے بغیر غیر ملکی غلام کوئی کام نہیں کر سکتے۔اور اکثر یہ کفیل نامی بھوت اپنے ان بے بس غلاموں سے ان کی آدھی کمائی تک چھین لیتے ہیں،اگر کسی غلام کی مجبوریوں کی آغوش میں سوئی ہوئی غیرت جاگ جائے تو اسے سعودی عرب سے نکال دیا جاتا ہے۔علاج معالجہ کی سہولتوں کا سعودی عرب میں فقدان نہیں ہے ہاں اس کا فائدہ غلاموں کو نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ہمیں تو سعودی عرب میں گزارے دس دنوں میں اپنے ہم وطن سعودیوں کو برا بھلا کہتے ہی سنائی دیے۔بعض تو ادھر ادھر دیکھ کر کہ کوئی شرطہ تو نہیں دیکھ رہا ننگی گالی دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔اور ہمارے مولوی اور سیاست دان ان بھوتوں کو بھائی کہتے ہیں جو دن رات پاکستانی غلاموں سے بدترین سلوک کرتے ہیں۔

سعودی عرب میں خواتین پر بھی سخت ترین پابندیاں عائد ہیں۔اگر سعودی عرب میں جب بھی کبھی کسی انقلاب نے انسانیت کو بحال کیا تو ہمیں یقین ہے کہ سعودی خواتین تازہ ہوا میں آزادی کا سانس لے کر سکون وراحت محسوس کریں گی۔جبکہ دیگر دنیا کی خواتین خلانوردی کر رہی ہیں،سعودی خواتین کو گاڑی تک چلانے کی اجازت نہیں۔ایسی خواتین جنہیں اپنی مرضی سے گھر سے نکلنے کی اجازت نہ ہو ان کے لیے آزادی جیسی دلکش نعمت کو سمجھنا ناممکن ہوتا ہے۔بدر شہر میں ہم کچھ دیر ٹھہرے تھے سارے شہر میں ایک بھی خاتون دکھائی نہ دی۔سعودی خواتین کو گھر سے نکلتے وقت گارڈین کی طرف سے لکھا ہوا اجازت نامہ اپنے پاس رکھنا ہوتا ہے۔ عورتوں کو کام کرنے کی محدود اجازت ہے اور وہ بھی ڈھانپے چہرے کے ساتھ۔میوزک کی اجازت ہے مگر سکھانے کی اجازت نہیں۔لڑکیوں کے لیے اسکولوں کالجوں میں کوئی جم خانہ نہیں ہے۔اولمپکس کھیلوں میں خواتین کا دستہ نہ بھیجنے پر اولمپکس کمیٹی نے سعودیہ کے لیے اولمپکس کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔اگر بغور دیکھا جائے تو سعودیہ صرف مردوں کی ریاست دکھائی دے گی۔سعودی مرد عیاشی کے لیے چار نکاحوں کے علاوہ بھی ایسے نکاح کرتے ہیں جس میں سوائے ایک حق کے دوسرے تمام حقوق سے سعودی فارغ ہوتا ہے۔سعودی خاتون کو صرف آنکھیں ننگی رکھنے کی اجازت ہے اور سعودی شاہ سلمان مسز ٹرمپ سے ہاتھ بھی ملا سکتا ہے۔ سعودی خواتین کو ناچنے کی اجازت نہیں مگر سعودی شاہ بمعہ اپنی کابینہ کے ٹرمپ کے ساتھ مل کر ناچ سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سعودی عرب کا آئین اسلامی ہے۔اب ہم یہ نہیں جانتے کہ سعودی عرب نے کس

سنہری چڑیا کا نام اسلامی رکھا ہے۔سعودی عرب دنیا کا واحد ملک ہے جس کے دو شہروں میں غیر مسلموں کو جانے کی اجازت نہیں، جس میں غیر مسلموں کو کسی بھی قسم کے مذہبی حقوق حاصل نہیں، غیر مسلم صرف گھروں میں چھپ کر عبادت کر سکتے ہیں۔سعودی عرب دنیا کا واحد ملک ہے جس میں خواتین کو ڈرائیونگ کی اجازت نہیں اور نہ ہی کوئی عالمی اتھلیٹ خاتون ہے۔سعودی عرب دنیا کا واحد ملک ہے جس میں ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے کی اجازت نہیں۔سعودی عرب دنیا کا واحد ملک ہے جس کے قوانین کے مطابق کوئی سعودی خاتون کا ملک سے یا شہر سے باہر جانا، پاسپورٹ حاصل کرنا، شادی کرنا، یہاں تک کہ جیل سے رہائی بھی سرپرست کی اجازت کے بغیر ممکن نہیں۔

سونو نگم کے چند قابلِ غور فقرے

مشہور بھارتی گلوکار و اداکار جناب سونو نگم نے گزشتہ دنوں کہا تھا کہ ''غلط وقت پر کسی بھی مذہبی تقریب میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کو جائز نہیں سمجھتے اور وہ آزادیِ اظہار پر یقین رکھتے ہیں۔'' اس بیان پر ایک مولوی نے فتویٰ کیا کہ جو بھی سونو نگم کی ''ٹنڈ'' کرے گا اسے دس لاکھ روپے ملیں گے۔سونو نگم نے ایک مسلمان سے خود ہی ''ٹنڈ'' کروا کر رقم کا مطالبہ کر دیا مگر مولوی پیشاب کی جھاگ بن گیا۔(بی بی سی نیوز ۱۹ اپریل ۲۰۱۷ء)

سونو نگم نے اس واقعہ کے بعد چند قابل غور فقرے کہے ہیں۔

1۔ضروری نہیں ہے کہ کسی دوسرے مذہب کا انسان آپ کے مذہب کے کسی جز و کو بھی اسی طرح پسند کرے جس طرح آپ کرتے ہیں۔

2۔کوئی مذہب لاؤڈ اسپیکر کا پابند نہیں ہے بلکہ مذہب تو بجلی کی ایجاد سے پہلے سے موجود ہیں۔

3۔میرے خیال میں کسی کا دھرم کسی دوسرے کے کہنے سے اچھا یا برا نہیں ہوتا۔

4۔جس طرح کسی مسلمان کی زبان پر فوری طور پر شری کرشن نہیں آتا، اسی طرح میری زبان پر محمد صاحب نہیں آتا۔

معزز قارئین! سونو نگم کے فقرے کیا کسی مذہبی توہین کا پہلو تو نہیں رکھتے ہیں؟

آخری فیصلہ

تربیت کے لیے دو مراکز گھر اور مساجد نہایت اہم ہوتے ہیں۔ جب گھر اور مساجد کے کرتا دھرتا تربیتی امور سے بغاوت اختیار کرتے ہیں تو اخلاق جیسے اعلیٰ وصف کا خون ہو جاتا ہے۔ وہ مساجد جو دکانداری کا نقشہ پیش کرتی ہوں ان مساجد کے کرتا دھرتاؤں سے اصلاح احوال کی توقع رکھنا دیوانے کی ہی سوچ ہو سکتی ہے۔ وہ گھر جو لوٹ گھسوٹ سے چلتے ہوں، ان گھروں میں آنکھ کھولنے والے بچوں سے اعلیٰ اقدار اور قناعت کی امید رکھنا ایسے ہی ہے جیسے آگ کو پانی میں تبدیل کرنا۔ ہماری عجیب قوم ہے کہ ہر پاکستانی کرپشن کرپشن کا شور مچاتا ہے اور خود کرپشن کرتا ہے۔ جنرل، وزیر اعظم، چیف جسٹس آف پاکستان سے لے کر ریڑھی بان تک ہر کوئی یہی کچھ کہتا ہے اور کرتا بھی ہے۔ مذہبی کہلانے والے، مولویوں، علاموں اور شیخوں کو اس ماحول نے خوب نوازا ہے اور اس قدر نوازا ہے کہ وہ مذہب کی آڑ میں پیٹ بھرائی کے لیے کسی کی بھی جان لے سکتے ہیں۔ پاکستان میں آئے روز نا صرف اقلیتوں کے گھر مکینوں سمیت جلائے جاتے ہیں بلکہ مسلمان کہلانے والوں کو بھی نہیں بخشا جاتا۔ ان مسلمانوں کا قصور یہ ہوتا ہے کہ وہ اقلیتی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر بغور دیکھا جائے تو مالی کرپشن سے زیادہ مذہبی کرپشن نے ہماری قوم کو بدحال کیا ہے۔ اسلام کے نام پر لوگوں کو جنونی بنانے والا یہ نام نہاد مذہبی طبقہ حکمرانوں کے کندھوں پر کلاشنکوف اور خنجر لے کر بیٹھ گیا ہے اور اس کے بھاری وزن اور اسلحے کے زور نے انہیں کنوئیں کے مینڈک بنا دیا ہے۔ جب بھی یہ سیاسی مینڈک کنوئیں کی منڈیر سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں اور حالات کی سنگینی اور اس کے حل کے متعلق سوچنے لگتے ہیں تو اس سوچ کے پیدا ہوتے ہی نام نہاد مذہبی طبقہ جاہل عوام کی مدد سے احتجاج کے اتنے جوتے مارتا ہے کہ یہ کنوئیں کے مینڈک اندھیروں کو ہی غنیمت سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ مذہبی کہلانے والے نام نہاد جبہ پوش مولوی بدنام قاتل ممتاز قادری کے جنازے میں لاکھوں لوگوں کو یہ بتا کر کہ یہ قاتل سچا عاشق رسول ﷺ ہے اکٹھا کر لیتے ہیں۔ اور مشال کے قتل پر نہ مولوی کی رگِ شرافت پھڑکتی ہے اور نہ جاہل عوام سڑکوں پر دکھائی دیتی ہے۔ پاکستان کے گلی کوچوں میں رنگ برنگے مختلف فرقوں کے مولوی فتووں کی گٹھڑیاں اٹھائے عقائد کی وزنی بوریوں کے نیچے دبے رینگتے

دکھائی دیتے ہیں۔ مانگے تانگے کے کھانے پر پلے مدرسوں سے فارغ التحصیل لاکھوں مولوی ناصرف سڑکوں کی خاک چھانتے ہیں بلکہ انہیں جب بھی موقع ملتا ہے مساجد پر قبضہ کر لیتے ہیں یا مساجد بنانے کے لیے سرکاری زمین پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اگر بغور دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ پاکستان کی سب سے بڑی صنعت مولوی چلا رہے ہیں اور یہ مذہب کی صنعت ہے۔ سالانہ اربوں ڈالر مذہبی لیڈروں کو اپنے گناہوں کے کفارہ کے طور پر خیرات پاکستانی عوام دیتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جوں جوں گناہوں کے کفارہ کی رقم بڑھتی جاتی ہے توں توں ملک میں غربت اور جہالت کے علاوہ اخلاقی گراوٹ بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اسلام امن وامان کا علمبردار مذہب ہے، اس کی تعلیمات زندگی بخش ایسا جامِ شربت ہیں جنہیں پینے پر قرآن مجید دنیا اور آخرت میں جنت کا وعدہ کرتا ہے۔ مگر پاکستان میں جس دن سے اسلام کو آئین کے گھوڑے پر سوار کیا گیا ہے اس دن سے پاکستان میں مسلمان طاقت ور اور اسلام کمزور ہو گیا ہے۔ اکبر اعظم پڑھا لکھا عالم فاضل نہیں تھا مگر علم حاصل کرنے کی شدید خواہش نے اسے علماء سے رابطہ کرنے اور انہیں سننے کی طرف راغب کر دیا۔ علمی پیاس بجھانے کے لیے اکبر اعظم نے عبادت خانہ بھی تعمیر کروایا، جہاں علماء بیٹھ کر مباحثات کیا کرتے تھے۔ یہ وہی عبادت خانہ ہے جہاں مذہبی علماء کی پہلی لڑائی اس بات پر ہوئی تھی کہ کون کہاں بیٹھے گا؟ اکبر اعظم کو جب مذہبی علماء کی اس کرتوت کا علم ہوا تو اس نے خود ان کی نشستیں مقرر کیں۔ آخر کار مذہبی کہلانے والے علماء کی لمبے عرصہ تک کرتوتیں دیکھنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ یہ تھالی کے بینگن ہیں۔ رواداری جیسے حسین پھول کی دلنواز خوشبو کے لیے ان کے خمیر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ اکبر اعظم کی شاندار پچاس سالہ حکومت کا راز رواداری ہی تو تھا اور یہ علماء رواداری کے اسی طرح دشمن تھے جس طرح آج کے علماء مذہبی رواداری سے کوسوں دور ہیں۔ آخر کار اکبر اعظم کو ان سے پیچھا چھڑانے کا درج ذیل واقع کے بعد موقع مل گیا۔

مغل بادشاہ کو ۱۵۷۹ء میں متھرا کے قاضی نے یہ شکایت کی کہ ایک برہمن نے مسجد کے تعمیری مواد میں سے کچھ اٹھا لیا، واپسی کے مطالبے پر برہمن نے توہین رسالت بھی کر دی۔ سزا کے معاملے پر مولویوں میں اختلاف ہو گیا، کچھ قتل کرنا چاہتے تھے اور کچھ کوڑے لگانا چاہتے تھے اور اکبر بادشاہ اس کی زندگی بچانا چاہتا تھا۔ مگر بادشاہ کے فیصلے سے پہلے شیخ عبدالنبی نے اسے قتل کروا دیا۔ اکبر نے تمام علماء سے عبادت خانہ میں برہمن

کے قتل پر رائے لی تو علماء کی اکثریت نے شیخ عبدالنبی کے خلاف فیصلہ دیا۔اس پر بادشاہ اکبر نے آخری فیصلہ کیا جس کے نتیجے میں مولویوں کے فیصلوں کا دروازہ بند ہوگیا۔فیصلہ مختصراً یہ تھا۔ا۔ایسے تمام مولوی جنہوں نے اکبر کو کافر قرار دیا،عوام کو بغاوت پر اکسایا،انہیں قتل کر دیا گیا۔مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کو حج پر واپس نہ آنے کی ہدایت پر بھیج دیا۔(بعد میں بلا اجازت وطن واپس آنے پر ان دونوں کو قتل کر دیا گیا تھا)۔۲۔پنجاب کے علماء کو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بھیج کر ان کی طاقت کو توڑ دیا گیا۔۳۔اکبر نے ان علماء کو جن کا وطیرہ بلا تفریق مذہب وملت انصاف تھا اور فتنہ وفساد اور بغاوت شیوا نہیں تھا ملازمت اور مالی امداد دی ۔۴۔سلطنت کے اہم معاملات مذہبی علماء کی بجائے حکیم ابوالفتح ،حکیم حمام ، حکیم علی حکیم عین الملک اور فیضی جیسے دانشوروں کے سپرد کر دیے۔اوران لبرل دانشوروں کی نگرانی میں علماء کو دے دیا۔علماء کے زوال کے ساتھ ہی اکبر کے عقائد کے بارے میں علماء کی طرف سے پھیلائی گئی باتیں بھی آہستہ آہستہ ختم ہوگئیں۔اوراکبر کے بعد دو جانشین جہانگیر اور شاہ جہاں ان مولویوں کے اثر سے آزاد رہے۔

آج بھی ایک آخری فیصلے کی ضرورت ہے۔اور یہ آخری فیصلہ نام نہاد علماء کی سرکوبی ہے۔ان نام نہاد علماء نے عصر حاضر میں مسلمانوں کی اسلامی سوچ پر کاری ضرب لگائی ہے۔اور یہ ایسی کاری ضرب ہے جو مسلمانوں کے لیے مہلک ثابت ہورہی ہے۔اسلامی دنیا کی حالت زار بآسانی ملاحضہ کی جاسکتی ہے۔اتنے جوتے پڑ رہے ہیں جنہیں شمار کرنا ممکن نہیں ۔یہ مصیبت نام نہاد علماء کی ہی لائی ہوئی ہے۔یقیناً تعصب کی عینک اتارنے سے سب کھلا کھلا نظر آئیگا۔☆☆☆

بے وفا لونڈی

طاقت ورکو اپنی اندھی طاقت کمزوروں پر آزما کر بے حد مزا آتا ہے۔اور یہ مزا کل تک مسلمان کہلانے والے بادشاہ لیا کرتے تھے اور عصر حاضر میں غیر مسلم بادشاہ طاقت جیسی بے وفا لونڈی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔اور کمزور سمجھے جانے والے بھی دن رات اسی بے وفا لونڈی کا قرب حاصل کرنے کے لیے پر تکلف دعائیں کرتے ہیں۔یعنی بش کو بددعائیں دیتے ہیں اور خود بش بننے کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔

سانحہ احمد پور شرقیہ مجرم کون؟

جرمن زبان میں ایک کہاوت ہے کہ ''اگر گھوڑے کی نعل لگانے والا اگر نعل غلط لگائے تو وہ ہل جاتی ہے اس کے ہلنے سے گھوڑا بھاگ نہیں سکتا اگر گھوڑا نہ بھاگے تو سوار بے بس ہو جاتا ہے اور اس کی بے بسی کی وجہ سے اہم پیغام میدان جنگ میں پہنچ نہیں پاتا اور نتیجہ یہ نکلتا ہے فوج جنگ ہار جاتی ہے۔''

۲۵ جون ۲۰۱۷ء احمد پور شرقیہ کے قریب سے گزرنے والی ہائی وے پر چالیس ہزار لیٹر تیل سے بھرا آئل ٹینکر اُلٹ گیا۔ جنت بی بی کے مطابق (جس کا بھائی اور تین دوسرے عزیز تیل لوٹتے ہوئے ہلاک ہو گئے تھے) صبح سحری کے بعد مسجد سے اعلان کیا گیا کہ ہائی وے پر ٹینکر الٹ گیا ہے جو تیل لوٹنا چاہے لوٹ لے۔ اسی طرح قریبی مدرسہ سے بھی انتظامیہ نے بچوں کو تیل لوٹنے کے لیے بھیج دیا۔ ہائی وے سے اتر کر سینکڑوں موٹر سائیکل سوار بھی تیل لوٹنے کے لیے ٹینکر کے قریب پہنچ گئے۔ مسجد سے اعلان ہوتے ہی مقامی آبادی کے سینکڑوں افراد اور قریبی مدرسہ کے بچے واٹر کولر، دیگچیاں، بوتلیں اور وہ سب کچھ لے کر جس میں لوٹ کا تیل ڈالا جا سکتا تھا موقع پر پہنچ گئے۔ اور پھر آئل ٹینکر سے تیل چوری کرنے کے لیے کسی عقلمند کے سوراخ بڑا کرنے کی کوشش میں ٹینکر کو آگ لگ گئی اور ٹینکر پھٹ گیا۔ اب تک تقریباً دو سو تیل لوٹنے والے افراد کی موت ہو چکی ہے۔ زیادہ تر لاشیں ناقابل شناخت ہیں۔ حکومت نے مرنے والوں کو بھاری معاوضہ دینے کا اعلان کیا ہے۔

ادراہ پیشوا کے منتظمین اس سانحہ پر اپنی قوم کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اور اس سانحہ کی ذمہ دار جہالت کو سخت ترین سزا دینے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ جہالت نام بدل بدل کر انسانوں کی ہلاکت کا باعث بن رہی ہے۔ یہ وہی ہائی وے ہے جہاں ۶ جولائی ۲۰۱۲ء کو غلام عباس نامی ذہنی مریض کو کاغذ جلانے پر قرآن کریم کی بے حرمتی کا الزام لگا کر سڑک بلاک کر کے زندہ جلا دیا گیا تھا اور جلتے غلام عباس کو پتھر بھی مارے گئے تھے۔ کل جنہوں نے جلتے انسان کو تڑپتے دیکھا تھا، آج دو سو جل مرنے والے انسانوں کو ان کے عزیزوں نے دفن کیا۔ مشال کا قتل ہو، یا سلمان تاثیر کا قتل ہو، غلام عباس کا قتل ہو یا کسی اور کا قتل ہو سب جہالت کی کارستانیاں ہیں۔ ہم نے تو جہالت کے ہاتھوں عیسائی، ہندو، سکھ، شیعہ اور دوسری اقلیتوں کو زندہ جلتے کئی بار

دیکھا ہے۔ ان واقعات کے پس منظر میں پاکستانیوں کے متعلق بین الاقوامی رائے نہایت بری ہے۔ اور قارئین یہ حقیقت ہے کہ جہاں تک ہم نے دیکھا ہے کہ پاکستانی قوم چوروں کی قوم میں تبدیل ہو رہی ہے۔حکمرانوں سے لے کر ٹرالیوں سے گنا چوری کرنے والوں تک چور ہی چور دکھائی دیتے ہیں۔جس ملک کے وزیر اعظم کو پارلیمنٹ اور گلی کوچوں میں چور کہا جاتا ہو اس ملک کی عوام کا تیل چوری کرنا اور مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے چوری کی ترغیب دینا اور مدرسہ کے اساتذہ کا طالب علموں کو چوری کرنے کے لیے بھیجنا قطعاً اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ پاکستان میں چوری کو برائی سمجھ کر نفرت کرنے والے شاید ہی کہیں ملیں۔گلی گلی میں شور ہے نواز شریف چور ہے کا جب نعرہ لگایا جاتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ ساری قوم چور ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔''اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں بسبب اس کسب کے جو وہ کرتے ہیں۔'' (سورۃ الانعام آیت ۱۳۰)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "**کماتکونوایولی علیکم**" یعنی جیسے تم خود ہو گے ویسے تم پر حکمران بنا دیے جائیں گے۔ (رواھا الدیلمی فی مسند الفردوس والبیھقی)

اگر پاکستانیوں کو بغور دیکھا جائے تو دکھائی دے گا کہ جس کی جتنی بڑی چونچ ہے وہ اتنا بڑا چور ہے۔حکمرانوں اور عوام کے درمیان چوری کے معاملہ پر کوئی اختلاف نہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ عوام الناس نام کے گھوڑوں کو جہالت جیسی بے ڈھنگی منحوس نعل لگانے والے وہ سیاسی اور مذہبی لوہار ہیں جو دن رات دہشت گردی کے خلاف جنگ جیتنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔اور یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ جس سالار کے پاس کمزور گھوڑے ہوں وہ کبھی بھی جنگ نہیں جیت سکتا۔ پاکستانی قوم ایک عظیم قوم بن سکتی ہے اگر انہیں جہالت کی بجائے تعلیم جیسی قیمتی نعل اچھے طریقے سے لگا دی جائے۔اگر ایسا ہو جائے تو مریل کام چور گھوڑے اتنی مستعدی سے بھاگیں گے کہ ملائیت، دہشت گردی، فرقہ واریت، کرپشن، انتہا پسندی اور دوسری برائیوں کے علاوہ چوری کے خلاف نا صرف با آسانی جنگ جیتی جا سکتی ہے بلکہ عالمگیر نیک نامی بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں، حکمرانوں، مولویوں اور عوام کو جہالت سے نجات دے اور اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔آمین ☆☆☆

بڑا ''بش'' کون؟

امریکہ، برطانیہ اور دوسرے مغربی ممالک کے سربراہان، اسلامی مذہبی، سیاسی اور فوجی لیڈروں کی نظر میں ناانصاف، دہشت گرد اور ایسے ڈاکو ہیں جو ان کے وسائل کو لوٹنے کے ساتھ ساتھ متاثرین کو قتل بھی کر رہے ہیں۔ نام نہاد مولوی صاحبان کی نظر میں ان کا طاقت کے نشے میں چور ہو کر ظلم کرنا بدترین گناہ ہے۔ سب سے زیادہ شور مچانے والا یہ وہی بدذات فرقہ مولویاں ہے جن کا وجود نامسعود انہیں طاقتوں کی بدولت پھلتا پھولتا ہے۔ اس نام نہاد مسلمان مذہبی طبقے کی رگِ احتجاج تبھی پھڑکتی ہے جب ان کے بیرونی طاقتیں فنڈز روکتی ہیں۔ یہ نام نہاد مذہبی تنظیمیں بنائی ہی اس لیے جاتی ہیں کہ وہ طاقتور قوموں کے مفادات کے لیے کام کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ عام مسلمان عام طور پر ان نام نہاد مذہبی اداکاروں سے جلد متاثر ہو کر اسلام کے نام پر ان پر نوٹ لٹاتے ہیں، ان کے ہاتھ چومتے ہیں اور کچھ ناعاقبت اندیش اپنی عزتیں بھی لٹا بیٹھتے ہیں۔

معزز قارئین! جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ شور مچانے والے یہ نام نہاد مذہبی پیشوا اور ان کے چیلے ہمیشہ ظالموں کے ساتھ مل کر یا علیحدہ ہو کر بدترین مظالم کے مرتکب ہوتے رہے، ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ جن مسلمان بادشاہوں نے اس بدذات طبقے کو اپنی گود میں بٹھا کر لاکھوں لوگوں کی گردنیں کاٹیں، انھیں یہ بدذات فرقہ اسلامی ہیرو قرار دیتا ہے اور جنہوں نے انھیں دھتکار دیا تھا انھیں اب تک کافر اور زندیق کہتے ہیں۔ مثلاً اکبر کو کافر کہتے ہیں اور اپنے باپ کو قید کرنے والے، اپنی بہن اور ۴ سگے بھائیوں کے قاتل اورنگ زیب عالمگیر کو پکا مسلمان سمجھتے ہیں۔ سبھی جانتے ہیں بنوامیہ کے بادشاہوں سے لیکر احمد شاہ ابدالی تک مسلمان بادشاہوں نے طاقت کے نشے میں چور ہو کر کسی کمزور کو نہیں بخشا۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ مسلمان کہلانے والے کروڑوں افراد کے قاتل ''بش'' مجاہد کہلائیں اور عصر حاضر کا ''بش'' ظالم سمجھا جائے۔ کل تک افغانستان کے ڈاکو لٹیرے شام، ترکی، اردن، ایران، عراق اور ہندوستان کے باسیوں کو لوٹتے اور قتل کرتے تھے اور آج وہی سلوک کوئی اور کر رہا ہے۔ طاقت کا کوئی مذہب یا فرقہ نہیں ہوتا جس کے پاس اچھی معیشت اور جدید ہتھیاروں سے لیس فوج ہوتی ہے اسے اپنی طاقت کا لوہا

منوانے کے لیے اپنے سے کمزور کو مار کر مزا آتا ہے۔ذرا سوچیے پاکستان میں مولوی کو توہین رسالت نامی قانون نے جو تھوڑی سی طاقت دی ہے اس نے انہیں بدمست کر رکھا ہے۔ذرا اس چھوٹی سی سفاک طاقت کا اندازہ تو لگائیں۔ہم وطنوں کو اس قانون کی آڑ میں گھروں،عبادت خانوں،فیکٹریوں اور بھٹیوں میں املاک سمیت زندہ جلا دینا،توہین رسالت کے ملزموں کو جیلوں میں کاٹ ڈالنا،سڑکوں اور چراہوں پر بہیمانہ تشدد کر کے جان سے مار کر لاشوں پر ڈنڈے برسانا کس قدر ہیبت ناک اور دل دہلا دینے والا فعل ہے۔طاقت اور کمزوری کے اس مقابلے میں طاقتور کو اپنی طاقت ایک کمزور پر استعمال کر کے جو مزا آتا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔اب ذرا سوچیے اگر امریکہ کو حاصل طاقت مولوی کو مل جائے تو بڑا ''بش'' کون کہلائے گا؟اور ہماری گونگی قوم کو کوئی لاکھ سمجھائے،وہ یہی کہتی ہے

نہ کر شور ناصح بہت ناتواں ہوں
کہاں بات اُٹھانے کی طاقت ہے مجھ کو

سعودی شہزادہ کی کرتوت

گزشتہ دنوں ایک خبر نظر سے گزری کہ دنیا بھر میں جوئے اور منشیات کا رسیا سعودی شہزادہ ماجد بن عبداللہ بن عبدالعزیز،رمضان کے مقدس مہینہ میں مصر کے معروف سنائی گرینڈ کسینو میں چھ گھنٹوں میں نا صرف ۳۵۰ ملین ڈالر (۳۵ کروڑ ڈالر) ہار گیا بلکہ اپنی ۹ بیویوں میں سے ۵ بیویاں بھی ہار گیا۔شہزاہ نے ۵ بیویوں کے بدلے اڑھائی کروڑ ڈالر لیے تھے جنہیں وہ ایک ہی بازی میں ہار گیا۔اور بازی ہارتے ہی اپنی خوبرو بیگمات کو ملے بغیر ہی شہزادہ کسینو سے چلا گیا۔کہا جا رہا ہے کہ اگر کسینو کو رقم واپس نہ ملی تو ان پانچ خواتین کو یمن اور قطر میں بولی لگا کر بیچ دیا جائے گا۔کسینو کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا جب کسی سعودی شہزادہ نے اونٹوں یا گھوڑوں کی بجائے اپنی پانچ خوبصورت بیویاں گروی رکھیں اور پلٹ کر ان کی خبر بھی نہیں لی۔اس خبر کا اثر ختم کرنے کے لیے کہا گیا کہ ماجد بن عبدالعزیز تو ۲۰۰۳ء میں مر گیا تھا۔سچ یہ ہے کہ شرابی،جواری،زانی شہزادہ ماجد بن عبداللہ ہے۔چار بیویوں کے علاوہ بھی سعودی سفری شادیاں کرتے ہیں۔

طاہر القادری کی نظر میں ''مسلمان''

اسلام آباد میں ہونے والے دھرنوں سے شہرت پانے والے منہاج القرآن کے بانی مولانا طاہر القادری لکھتے ہیں:۔

''اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہمارے عقائدمُردہ اور بے جان ہو چکے ہیں۔انہیں ہماری عملی زندگی میں توہمات سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں دیا جارہا۔عقیدہ توحید ہو یا عقیدہ رسالت،تصور آخرت ہو یا تصور جزاوسزا،ان میں دراڑیں پڑ چکی ہیں قلوب واذہان کو مومنانہ یقین میسر نہیں۔ خُدا پر ایمان رکھنے کے باوجود اس پر بھروسہ اور توکل باقی نہیں رہا۔کتاب وسُنّت کے قابل عمل اور عصر حاضر میں نتیجہ خیز ہونے پر بھی ہمارا ایمان متزلزل ہو چکا ہے۔ہم کفر کے مقابلے میں اسلام اور باطل کے مقابلے میں حق کے کامیاب وکامران ہونے پر بھی اعتقاد ختم کر بیٹھے ہیں۔''

''مذہبی لبادہ اوڑھے ہوئے اخلاق وشرافت اور انسانی قدروں کے دعوے دار ہوں یا دنیوی جاہ و منصب پر فائز ایثار اور قربانی کا درس دینے والے زعماء،آپ اگر ان کے باطن میں جھانکیں تو اِلا ماشاءاللہ وہ خودغرضی، جاہ طلبی،خواہشات نفسانی اور اُن تمام آلائشوں میں ملوث نظر آئیں گے، جو انسانیت کے دامن پر بد نما داغ ہیں۔عام مشاہدے کی بات ہے کہ جدید نسل کی بڑھتی ہوئی گمراہی اور بے راہ روی کے ذمہ دار اتنے الحادو لادینیت کا پرچار کرنے والے نہیں جتنے کہ اسلام کی تبلیغ کرنے والے مبلغ اپنے کردار کی گراوٹ اور فکرو عمل کے تضاد کی وجہ سے ہیں۔ دِل کا حال خُدا اور اس کے الہام سے اس کے رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اب کسی کا یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں کلمہ گو،منافق اور کافر ہے،اپنے آپ کو خُدا اور اُس کے رسول کے مسند پر بٹھانے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے؟'' (فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟ ازمولوی طاہر القادری صفحہ ۳۹،۴۳)

مولانا طاہر القادری صاحب ایک دوسری کتاب میں علم تفسیر،علم حدیث،علم فقہ،علم کلام،تصوف اور تاریخ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

''یہ حقیقت ہے کہ انسانی استعداد کے یہ زائیدہ مذہبی علوم زندگی میں نتائج پیدا کرنے میں مؤثر

نہیں رہے۔حتیٰ کہ اسلام کے عقیدہ وعمل کا کوئی اثر ہماری حیاتِ اجتماعی پر باقی نہیں رہا۔عقائد،اوہام میں اور عبادات،رسوم وظواہر میں بدل کر رہ گئی ہیں ۔ان کا علاقہ عملی زندگی سے یکسر منقطع ہوگیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ زندگی مذہبی اور غیر مذہبی کے دوشعبوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔

یہ علوم تو موجودہ اقدار کو محفوظ کرنے کے لیے معرضِ وجود میں آئے تھے،ان سے آج حیاتِ ملی کو از سرِ نو زندگی نہیں بخشی جاسکتی۔آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مذہبی علوم کے ذریعے معیاری دین اور معمول بہ دین میں امتیاز پیدا کیا جائے اور پھر اس امتیاز کی روشنی میں ان کی تکمیل کا رخ متعین کیا جائے۔''

(مذہبی اور غیر مذہبی علوم کے اصلاح طلب پہلو از مولوی طاہر القادری صفحہ ۱۲ اور ۱۷)

معزز قارئین! مولانا کی بیان کردہ صورتحال اگر حقیقت پر مبنی ہے تو اس کا علاج کون کرے گا؟ اس طرح کی گھمبیر صورت حال ایک نبی کا تقاضہ کرتی ہے۔اور آئین پاکستان کے مطابق کوئی نیا یا سابقہ نبی نہیں آ سکتا۔آئین پاکستان کہتا ہے کہ جو پاکستانی مسلمان کسی بھی مفہوم میں ختم نبوت پر یقین نہیں رکھتا،کافر ہے۔

☆☆☆

ڈان لیکس کون جیتا کون ہارا؟

آخر کار باجوہ اور نواز شریف پارٹی نے مک مکا کر لیا۔ڈان لیکس کے معاملے پر ابتدا میں جرنیلوں نے جس طرح کی باتیں کیں ان سے لگتا تھا کہ یہ حکومت کو ڈبو دیں گے یا خود ڈوب جائیں گے۔تین کمزور ترین بندوں کی قربانی کے باوجود جرنیل مطمئن نہ تھے۔جس کا اظہار آئی ایس پی آر نے ایک ٹوئٹ میں کیا تھا۔اور چند دن بعد جنرل باجوہ وزیر اعظم کے پاس آئے اور نا صرف مک مکا کر لیا بلکہ اپنا تھوکا بھی چاٹ لیا۔فوج نے عوام کو نہ یہ بتایا کہ اس نے نواز شریف حکومت کو کیا کہا تھا اور نہ بتایا کہ اب حکومت نے کیا کیا ہے۔ایک کے بعد ایک ''کیانی'' جنرل آ رہا ہے۔اللہ خیر کرے۔جہاں پاناما لیکس نے عدالتوں کا تقدس پامال کر دیا ہے وہاں ڈان لیکس نے فوج کی آبرو خاک میں ملا دی ہے۔ جہاں گاڈ فادرز حکمران ہوں وہاں عوام اور تمام اداروں کے نصیب میں ذلت و رسوائی ہی آتی ہے۔اور گاڈ فادر تب بنتے ہیں جب عوام اور ادارے بے ایمان ہو جائیں۔عوام ہزاروں لاکھوں میں بکتی ہے اور ادارے جتنے بڑے ہوں اتنی بڑی ان کی قیمت ہوتی ہے۔جہاں ضمیر بکتے ہیں وہاں گاڈ فادر حکومت کرتے ہیں۔

''ہندو جمہوریہ ہندوستان''

گزشتہ چند برسوں میں ہندوستان میں ہندوانتہا پسندوں نے کافی ترقی کی ہے،ان انتہا پسند ہندو مذہبی لیڈروں کوعوام اور ہندوستانی سیاستدانوں کی طرف سے بھی توانائی دینے کے شواہد آئے روز اخباروں کی زینت بنتے رہتے ہیں۔جب سے مودی سرکار آئی ہے تب سے ہندوانتہا پسندوں کی پذیرائی میں اضافہ ہوا ہے۔باوجود اس کے کہ ہندوانتہا پسندوں کی چھاپ رکھنے والا گروہ اقتدار میں ہے ہندوستان کے مسلمان، پاکستان کی اقلیتوں کی نسبت ہزاروں گنا کم اذیت میں ہیں۔ہندوستان کا آئین تمام شہریوں کو بلا امتیاز مذہب برابر کے حقوق دیتا ہے جبکہ پاکستان کا آئین اس کے برعکس اپنے اقلیتی شہریوں کو دوسرے درجہ سے بھی نیچے کا درجہ کراہت کے ساتھ دیتا ہے۔

قائداعظم نے پاکستان بنایا تھا۔۱۹۵۶ء کے آئین میں پاک زمین کومزید پاک کرنے کے لیے پاکستان کو''جمہوریت اسلامیہ پاکستان'' میں تبدیل کر دیا گیا۔اور جب ایوب خان کا دور آیا تو 'جمہوریت اسلامیہ پاکستان'' کا نام پھر سے پاکستان رکھ دیا گیا۔۱۹۷۳ء میں پاکستان کا ایک نیا نام رکھ دیا گیا یعنی''اسلامی جمہوریہ پاکستان''۔اور پاکستان دنیا کی معلوم تاریخ کا وہ پہلا ملک بن گیا جس نے اپنے نام کے ساتھ مذہبی شناخت کو شامل کیا۔ایران،افغانستان اور چند دوسرے مما لک نے بھی ترقی اور خوشحالی حاصل کرنے کی دوڑ سے نکل کرفراغت کی وجہ سے اپنے مما لک کو اسلامی کرلیا ہے۔''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' جسے کہنے والے دہشت گردوں کی جنت کہتے ہیں۔کرپشن،غربت اور جہالت میں جسے نمبر دیے جاتے ہیں۔ایک امریکی سینیٹر نے کبھی کہا تھا کہ پاکستانی دولت کے لالچ میں''کچھ بھی'' بیچ سکتے ہیں۔ایسے ملک کی تقلید کرنا سوائے جہالت کے کچھ نہیں۔اور ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' پھر ایک دن ضرور ''پاکستان'' بنے گا۔انشاءاللہ۔

قائداعظم کی وفات کے بعد فوراً ہی آپ کے افکار ونظریات کو دفن کر کے قرارداد مقاصد نامی اسلامی سنہری چادر پاکستان کو اوڑھا دی گئی تھی۔وہ مذہبی انتہا پسندی کی خونی فصل جو۱۹۴۸ء میں اگائی گئی

تھی، اس میں زہریلا پانی دینے والا بھٹو بنا اور جس میں ضیاء الحق نے نفرت کی کھاد ڈالی تھی، اب جوان ہو چکی ہے۔ اور آج پاکستانی قوم دن رات لاشیں اٹھا رہی ہے۔ اور اب ہندوستان کو بھی مذہبی انتہا پسندی مزا دینے لگی ہے۔ پاکستان نے ۷۰ برس کا سفر انتہا پسندی کی گود میں بڑے درد سے طے کیا ہے۔ آج جب ہندوستان بھی اس سفر کی ابتداء کر رہا ہے تو ہم اسے بتاتے ہیں کہ اس کا پہلا مرحلہ ہندوستان کو ''ہندو جمہوریہ ہندوستان'' بنانا ہوگا اور مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو آئین میں دوسرے درجہ کے شہری قرار دینا ہوگا۔ باقی مرحلے خود ہی طے ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اور اسی طرح اگر امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل بھی اپنے ملکوں میں پاکستانی بربادحالی کا عملی مظاہرہ دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ بھی اپنے ملکوں کے نام ''عیسائی جمہوریہ امریکہ'' ''یہودی جمہوریہ اسرائیل'' وغیرہ رکھ لیں۔ اور پھر دیکھیے گا کہ نفرت کس رفتار سے سفر کر کے انسانیت کا گلا گھونٹتی ہے۔

لکی کیڑیاں

کہا جاتا ہے کہ اگر سانپ زخمی ہو جائے تو اس کی موت یقینی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ چھوٹی چھوٹی لکی کیڑیاں زخم پر حملہ کر دیتی ہیں۔ سیاستدانوں اور فوجیوں نے پاکستان کے وجود کو جو زخم دیے ہیں ان پر بہت عرصہ ہوا مولوی نامی لکی کیڑیوں نے حملہ کیا تھا۔ ان زخموں کا علاج کرنے کی بجائے ہمارے، سیاسی، فوجی اور مذہبی لیڈروں نے ان لکی کیڑیوں کے ساتھ مل کر پاکستان کا ماس اور خون کھانا پینا شروع کر دیا۔ لکی کیڑیوں نے حال ہی میں کوئٹہ، پاراچنار اور کراچی میں حملہ کر کے پاکستانیوں کے چیتھڑے اڑا کر چیلنج دیا ہے کہ ہمارا پیٹ تب تک نہیں بھرے گا جب تک پاکستان میں انسانی گوشت موجود ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان لکی کیڑیوں کو فوج اور پولیس کے گوشت سے بھی بڑی محبت ہے اب تک سات ہزار کے قریب وردی والوں کو بھی ہڑپ کر چکی ہیں۔ سیاست دانوں، جنرلوں اور نام نہاد مولویوں کے گوشت سے یہ لکی کیڑیاں نفرت کرتی ہیں۔ اگر قوم میں کوئی زندگی کی رمق باقی ہے تو اسے چاہیے کہ حسن نثار کا کہا مان لے۔ سب سے پوچھو کہ لکی کیڑیاں درندہ ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی مولوی یا سیاست دان انہیں درندہ نہ کہے اسے گردن سے پکڑ کر گھسیٹ لے۔ یہ کارِ خیر مسجد کے اماموں سے شروع کریں۔ ایسا نہ کیا گیا تو آج میری باری ہے تو کل تیری باری ہے۔

کیا مَیں نام کا مسلمان ہوں؟

قارئین کرام! بھٹو کو کون نہیں جانتا قائدعوام سمجھا جانے والا ، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سب سے زیادہ مشہور اور طاقت ور انسان جسے ایک مقدمہ قتل میں عدالت نے مجرم قرار دیتے ہوئے پھانسی دے دی تھی۔ بھٹو نے جہاں لوگوں کو سیاسی طور پر بیدار کیا وہیں پاکستان کی ایک حقیقی پُر امن جماعت کو جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہے کافر قرار دے دیا اور اپنے طور پر جنّت کا ٹکٹ حاصل کر لیا۔ بھٹو کے دُنیا سے گزر جانے کے ۳۵ سال بعد بھی پی پی پی فخر کرتی ہے کہ بھٹو صاحب نے نوے سالہ مسئلہ حل کیا تھا۔ نوے سالہ مسئلہ حل کرنے والی اسمبلی کے ارکان کا کردار ضیاء حکومت کے شائع کردہ قرطاس ابیض میں دیکھا جا سکتا ہے جس میں انہیں خائن، راشی، جھوٹے، بدمعاملہ، بدعنوان، شرابی، زانی، اغواء میں ملوث، رسہ گیر، اسمگلر اور تخریب کار وغیرہ قرار دیا گیا ہے۔ (قرطاس ابیض بھٹو کا دور حکومت جلد سوم صفحہ ۱۸۲ تا ۱۸۵)

آیئے قارئین پڑھیے ایسے شخص کی فریاد خود اُسی کی زبانی۔ کہتے ہیں تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، لاکھوں لوگوں کو کافر قرار دینے والا شخص جب خود نام کا مسلمان کہلایا تو کیا کہتا ہے؟

میں ایک سال سے زیادہ عرصہ سے موت کی کوٹھڑی میں بند ہوں جس کا رقبہ ۷ضرب ۱۰ فُٹ ہے۔ میں غیر ملکی افراد کے سامنے اس حقیقت کا ذکر نہیں کرنا چاہتا جو مجھ پر بیت چکی ہے میں اپنے جسم پر نشانات یا ایسی چیزیں ان لوگوں کے سامنے دکھانا پسند نہیں کروں گا۔ تاہم میں اپنی ان مجبوریوں اور جبر کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں جس کا نشانہ مجھے اپنی کوٹھڑی میں بننا پڑا۔ جیل میں مجھے سونے نہیں دیا جاتا تھا۔ پچاس پاگل قیدیوں کو میری کوٹھڑی سے ملحق بیرک میں رکھا گیا تھا جو رات بھر شور مچاتے رہتے۔ راولپنڈی میں مجھے پریشان کرنے کے لیے یہ ترکیب نکالی گئی کہ میری کوٹھڑی کی چھت پر پتھر پھینکے جاتے تھے تاکہ شور ہوتا رہے اور میں سو نہ سکوں۔ اس طرح مجھے بے پناہ ذہنی اور جسمانی اذیت پہنچائی گئی۔ اپنے ساتھ ''پلاز ما۶۶'' (جیل کی کوٹھڑی) میں روا رکھی گئی زیادتیوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ جذبات سے مغلوب ہوگئے۔ آنسو ان کی آنکھوں میں تیرنے لگے۔ اگرچہ رخساروں تک نہیں پہنچے۔ بھٹو صاحب بات بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

میں کوئی بے بنیاد اور بے جڑ مظہر نہیں ہوں میں نے ملک کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ اس کی خدمت کی ہے میرے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کیا گیا حالانکہ میں مجرم نہیں ہوں۔ ۱۵ اکتوبر سے مجھے موت کی کوٹھڑی میں منتقل کر دیا گیا۔ اور دس روز تک اسی حالت میں رکھا گیا۔

مائی لارڈ! ڈانٹ ڈپٹ، جھڑکیں اور گھرکیاں صرف میرے لیے تھیں مجھے اکثر شٹ اپ، سٹ ڈاؤن، کھڑے ہو جاؤ اس آدمی کو باہر نکال دو جیسے الفاظ سے نوازا جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے ساتھ بہت ہی برا رویہ اختیار کیا گیا۔ میں مجرم نہیں ہوں لیکن میرے ساتھ مجرموں سے بدتر سلوک روا رکھا گیا۔ نوے دنوں تک میں نے دھوپ دیکھی نہ روشنی۔ (حالانکہ جناب نے نوے سالہ مسئلہ حل کیا تھا)

مائی لارڈ! میں رحم کا نہیں انصاف کا طلب گار ہوں۔ میرے لیے راتوں رات ایک کٹہرا بنوایا گیا حالانکہ اس سے قبل انگریزی دور میں بھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ مائی لارڈ! ہائیکورٹ میں میری ہر طرح کردار کشی کی گئی۔ مجھے بڑا ملزم کہا گیا، عادی جھوٹا کہا گیا اور محض نام کا مسلمان قرار دیا گیا جس کا کردار مسلمانوں جیسا نہیں۔ مائی لارڈز خوب جانتے ہیں کہ میں محض نام کا مسلمان نہیں ہوں، میرے دور حکومت میں ختم نبوت کا ۹۰ سالہ پرانا مسئلہ حل کیا گیا۔ مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ (اس فیصلے پر جمیعت علماء اسلام کے صدر مولانا زاہر قاسمی بھٹو نے اور عبدالقادر آزاد خطیب بادشاہی مسجد لاہور نے بھٹو کی درازی ءعمر کے لیے دعا کی اپیل کی اور پاکستان بھر میں ۱۳ ستمبر کو جمعہ کی نماز میں خصوصی دعائیں بھٹو کے لیے کی گئیں جو سب خُدا نے رَد کر دیں)

بھٹو صاحب نوے سالہ مسئلہ حل کرنے، اسلامی کانفرنس، ہلال احمر، جوئے، شراب اور ریس پر پابندی لگانے کو مسلمان ہونے کے ثبوت میں پیش کرنے کے بعد سپریم عدالت پاکستان کے جج صاحبان سے سوال کرتے ہیں:۔

''کیا میں محض نام کا مسلمان ہوں؟ مائی لارڈ! یہ کسی بھی اسلامی ریاست میں غیر معمولی بات ہے کہ ایک کلمہ گو مسلمان کو ثابت کرنا پڑے کہ وہ مسلمان ہے۔ میرے خیال میں اسلامی تاریخ میں یہ پہلی دفعہ ہوا کہ ایک مسلمان صدر، مسلمان راہنما، ایک مسلمان وزیراعظم جسے مسلمان قوم نے منتخب کیا ہو اسے یہ بتانا پڑا ہو کہ وہ مسلمان ہے۔ یہ صرف جذباتی بات نہیں ہے بلکہ دردناک معاملہ ہے۔ میں آپ کی خدمت عالیہ میں ہارون

الرشید کی مثال دینا چاہوں گا۔ہارون الرشید کے دربار میں ایک مشہور مسلمان اسکالر کھڑا ہوگیا اور ہارون رشید سے کہا فرض کرو کہ مَیں تم سے کہتا ہوں کہ اب میں اللہ کو نہیں مانتا اور اسلام پر یقین نہیں رکھتا۔ہارون رشید نے کہا کہ میں یقین رکھتا تھا کہ تم مسلمان ہو،اب جبکہ تم کہہ رہے ہو کہ تم نہیں ہو میں اسے قبول کرتا ہوں اور یہ میری سوسائٹی کی برداشت کی علامت ہے۔خدا اور بندے کے درمیان کوئی مزاحم نہیں ہوسکتا۔ہماری سوسائٹی میں سماج کے برے لوگ جو انسانوں کو تکلیف دیتے ہیں جیسے چور،غنڈے اور بدکار۔ان کو اس دنیا میں سزا دی جاتی ہے۔اسی طرح خدا اور بندے کے درمیان ہونے والے معاملات کا فیصلہ بروز حساب ہوگا۔ہمارا خدا تمام انسانوں کا خدا ہے۔''

قارئین یہ سب کہنے والا شخص جب یہ سب کہہ رہا تھا وہ بھول گیا تھا کہ اسی طرح کی باتیں کسی اور نے بھی پارلیمنٹ میں بہت بہتر انداز میں کی تھیں مگر اس وقت وہ گردن جو پھانسی کے پھندے پر جھول کر ٹوٹ گئی تھی وہ تکبر اور خود پرستی کے شکنجے میں کسی ،کچھ بھی اچھا دیکھنے،سوچنے اور سمجھنے کی تمیز بھول چکی تھی۔ہاں بھٹو وہی شخص ہے جس نے خدا اور بندے کے درمیان کے ان معاملات پر ٹانگ اڑائی تھی جن کا فیصلہ اللہ تعالیٰ بروز حساب کرے گا۔ایک طرف پارلیمنٹ میں بیٹھے نفرت کے سوداگر احمدیوں کا تعلق اپنی دانست میں اللہ سے جدا کرنے جارہے تھے اور دوسری طرف اس جماعت کا امام جس کا ماٹو ہے ''محبت سب سے نفرت کسی سے نہیں'' اپنے مریدوں کو یہ مژدہ جانفزا سنا رہا تھا:۔

''باقی جہاں تک کسی کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کا سوال ہے یہ تو مَیں شروع سے کہہ رہا ہوں اس قرارداد سے بھی بہت پہلے سے یہ کہتا چلا آیا ہوں کہ جس شخص نے اپنا اسلام لاہور کی مال (روڈ) کی دوکان سے خریدا ہو،وہ تو ضائع ہوجائے گا لیکن مَیں اَور تم جنہیں خدا خود اپنے منہ سے کہتا ہے کہ تم (مومن) مسلمان ہو تو پھر ہمیں کیا فکر ہے۔دنیا جو مرضی کہتی رہے تمہیں فکر ہی کوئی نہیں۔'' (خطبات ناصر جلد۵ صفحہ ۶۴۱)

جب ذوالفقار علی بھٹو اپنی کرسی مظبوط کرنے کے چکر میں مولوی کو کندھوں پر اٹھا کر جھومتے ہوئے وہ فیصلہ کرنے جارہے تھے جس کے نتائج قوم کو اندھیروں میں دھکیلنے والے تھے اس وقت عقل رکھنے والے بھٹو جیسے ذہین سیاست دان کی بے عقلی پر اور اپنی بے بسی پر یقیناً مسکرا رہے ہوں گے۔درج ذیل اشعار احمدیوں

کیخلاف کیے گئے فیصلے پر ان کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

گلستاں کو لہو کی ضرورت پڑی ،سب سے پہلے گردن ہماری کٹی
پھر بھی کہتے ہیں مجھ سے یہ اہل چمن ، یہ چمن ہے ہمارا تمہارا نہیں
ظالمو! اپنی قسمت پہ نازاں نہ ہو ، دور بدلے گا یہ وقت کی بات ہے
وہ یقیناً سنے گا صدائیں میری ،کیا تمہارا خُدا ہے ہمارا نہیں

معزز قارئین ! بھٹو کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ مسلمان نہیں ہیں کیونکہ ان کے ختنے نہیں ہوئے۔سیکورٹی افسر کرنل رفیع الدین اپنی کتاب آخری ۳۲۳ دن میں لکھتے ہیں کہ پھانسی کے بعد مخصوص حصے کی تصویر بنائی گئی تھی جس سے ثابت ہو گیا کہ بھٹو پر یہ الزام تھا۔(جب ایک جج نے ریمارکس دیئے کہ ہم تم پر مقدمہ چلا رہے ہیں پبلک پر نہیں تو چیف جسٹس نے اس بیان پر ریمارکس دیتے ہوئے طنز کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''لیکن یہ تشہیر چاہتا ہے۔یہ پبلسٹی کا بھوکا ہے''۔)

(بھٹو کیس از مجاہد لاہوری صفحہ ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲ جنگ پبلشرز)

کہا جاتا ہے کہ تقدیر کسی کو بھی برے دن نہ دکھائے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کی شامت اعمال ہی برے دن دکھانے کا باعث ہوتی ہے۔ذوالفقار علی بھٹو کے پاس کیا نہیں تھا۔حکمرانی،عزت،شہرت، دولت،خوبصورتی، ذہانت،محبت کرنے والی عوام سبھی کچھ تو تھا مگر جب انسانی خواہشات کا ہجوم بے لگام ہو جائے تو وہی ہوتا ہے جو بھٹو کے ساتھ ہوا۔وہ بھٹو جو ناز و نعم سے پلا تھا جو کانٹے کی چھبن سے بھی نا آشنا تھا اس کی گردن جلاد کی انگلی کے معمولی اشارے سے ٹوٹ کر لٹک گئی۔

مسٹر بھٹو کی تمام دہائیوں کے باوجود ۱۸ مارچ ۱۹۷۸ء کو پنجاب ہائی کورٹ نے قتل کے ایک کیس میں سزائے موت سنا دی۔جسٹس مولوی مشتاق نے فیصلہ کے آخر میں بھٹو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا: ''تمہیں گلے میں پھندا ڈال کر لٹکایا جائے گا تاوقتیکہ تم مر جاؤ'' اور ۶ فروری ۱۹۷۹ء کو سپریم کورٹ نے اس سزا کی توثیق کر دی اور ۳ اور ۴ اپریل کی درمیانی شب ۱۹۷۹ء کو پھانسی بھی دے دی گئی۔بھٹو کو سزا سنانے والی عدالت کے چیف جسٹس مولوی مشتاق حسین سے جب ایک انٹرویو میں یہ پوچھا گیا ''بعض حلقوں کا خیال ہے

کہ بھٹو کو پھانسی لگانے کا سامان اس کے وکیلوں اور قانونی مشیروں نے کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ ’’سب سے بڑی منصف خُدا کی ذات ہے بھٹو کا فیصلہ آسمانوں پر لکھا جا چکا تھا۔‘‘

(ماہنامہ مون ڈائجسٹ اپریل ۱۹۸۴ء صفحہ ۲۲)

جب ظلم و ستم کے کوہ گراں
روئی کی طرح اُڑ جائیں گے
ہم محکوموں کے پاؤں تلے
یہ دھرتی دھڑ دھڑ دھڑکے گی
اور اہل حکم کے سر اوپر
جب بجلی کڑ کڑ کڑکے گی
جب ارض خدا کے کعبے سے
سب بت اٹھوائے جائیں گے
ہم اہل سفا مردودِ حرم
مسند پہ بٹھائے جائیں گے
سب تاج اچھالے جائیں گے
سب تخت گرائے جائیں گے

☆☆☆

فرمان الٰہی!

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اپنے نفوس کے ذمہ دار ہو۔ جو گمراہ ہو گیا تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اگر تم ہدایت پر ہو۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹ کر جانا ہے۔ پس وہ تمھیں اس سے آگاہ کرے گا جو تم کیا کرتے تھے۔‘‘ (سورۃ المائدہ آیت ۱۰۶)

مسلمان باغیرت قوم ہے؟

مولوی لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بے حد محبت رکھتے ہیں۔اوراس محبت کو بنیاد بنا کر کسی کی جان لے بھی سکتے ہیں اور دے بھی سکتے ہیں۔معزز قارئین!ان کے اس دعوے کا ردان کے کرتوت کرتے ہیں۔مثلاً علامہ ابوٹیپو خالد الازھری اپنی کتاب ''راجپال کے جانشین'' میں شیطانی آیات کے مصنف سلمان رشدی کے متعلق لکھتے ہیں۔''رشدی سمیت یورپ والوں پر حقیقت واضح ہو کہ مسلمان باغیرت قوم ہے اوراپنے رسول کے بارے میں ذراسی گستاخی بھی اس کے لیے نا قابل برداشت ہے۔،یہ مسلمان قوم کا مزاج ہے جس کو دنیا کو سمجھ لینا چاہیے۔مسلمان کتنا ہی بے دین اور عمل سے دور ہو،وہ سب کچھ برداشت کرسکتا ہے۔اپنے رسول کے بارے میں سوءادب برداشت نہیں کرسکتا۔''

معزز قارئین!رشدی کی جان کی قیمت خمینی نے بیس لاکھ ڈالر مقرر کی تھی جسے دس سال بعد منسوخ کر دیا گیا تھا۔تمام مسلم ممالک میں رشدی کے خلاف شدید مظاہرے کیے گئے۔ان مظاہروں کے دوران ایک سو سے زائد مسلمان ہلاک ہوئے۔صرف ترکی میں چالیس سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔سینکڑوں عمارتوں کوآگ لگا دی گئی اور ہزاروں مسلمان زخمی ہوئے۔اور یہ سب کچھ ۱۹۸۸ء میں ہوا تھا۔اوراگلے سال تک مسلمان مولویوں کو نہ رسول اللہ ﷺ سے محبت یاد رہی اور نہ سلمان رشدی سے نفرت۔ہونا تو یہ چاہیے تھا ان کے دعووں کے پیش نظر کم ازکم مولوی اگر مرنے سے ڈرتے تھے تو گوشہ نشین ضرور ہو جاتے۔حقیقت یہ ہے کہ کچھ بھی نہ ہوا سوائے اس کے کہ آج ۲۹ برس بعد رشدی زندہ ہے اور آزادی کے ساتھ اوران ۲۹ برس میں رشدی کو ۲۹ بین الاقوامی ایوارڈ دیے گئے اوراس نے ۱۳ کتابیں لکھی ہیں۔کیا مظاہرے کرنا،عمارتوں کوآگ لگانا اور مسلمانوں کا ایک دوسرے کو جان سے مار دینا رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق تھا؟اور کیا ہمارے حبیب آقا رسول اللہ ﷺ سے محبت ایسا ہی تقاضہ کرتی ہے؟ کیا یہ ٹھیک طریقہ نہیں تھا کہ لفظ بہ لفظ شیطانی آیات کا احسن رنگ میں دلیل سے جواب دیا جاتا؟حقیقت یہی ہے کہ ان کے جذبات پیشاب کی جھاگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور ایسے جذبات ہمارے حبیب آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی انمول زندگی بخش

تعلیمات سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتے۔رسول اللہﷺ اور صحابہ رضوان اللہ نے اعلیٰ اخلاق سے مشرکوں کے بھی دل خدا کی طرف موڑ دیے تھے۔

☆☆☆

بدذات فرقہ مولویاں

اسلامی اخوت اور بھائی چارے کو ملیامیٹ کرتا ہوا، اسلامی حکومتوں کے رُعب و دبدبہ کو نگلتا ہوا اورعلم و دانش کے محل ویران کرتا ہوا بدذات فرقہ مولویاں یعنی طبقہ گمراہان موجودہ دور میں نا صرف مسلمانوں کے خُون سے اپنی نہ ختم ہونے والی پیاس بجھا رہا ہے بلکہ امن عالم کے لیے ایک عظیم خطرہ بن چکا ہے۔ یہ ناخلف علماء سُوء اپنی چرب زبانی سے عام لوگوں کو آلہ کار بنا کر مذموم مقاصد حاصل کرر ہے ہیں۔مسلکی، فقہی، سیاسی بھول بھلیوں میں الجھا کر اپنے پیٹ کی نہ مٹنے والی بھوک کا سامان کرر ہے ہیں۔اِن کا اصل مقصد اپنی خواہشات کی تکمیل ہے اور اِن شیطانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اِس نا ہنجار مولوی نے بہت سی غیر اسلامی اور غیر اخلاقی حرکات کو اسلام جیسے پیارے مذہب کا حصہ بنا لیا ہے۔اور یہ وہ حرکت ہے جس کی وجہ سے یہ بدترین مخلوق کبھی بھی عزّت حاصل نہیں کر سکی ہے اور نہ آئندہ کبھی اِن کو آبرومندانہ مقام ملے گا۔اِن بدبختوں نے مزاروں کو، موت کو، پیدائش کو اور دوسرے اسلامی تہواروں کو بھی روٹیاں جمع کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔اب اپنے اسلام دُشمن دوستوں کو خوش کرنے کے لیے بچوں کو بھی خودکش حملہ آور بنا دیا ہے۔ ٹیلی ویژن کو بھی مذموم مقاصد اور دولت لوٹنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔لوگوں کو اسلام کے نام پر بیوقوف بنا رہے ہیں، درد ناک تصویریں دکھا کر ان سے رقم بٹور رہے ہیں۔ جتنے فرقے ہیں ان سے سوگنا مانگنے والی تنظیمیں ہیں۔ چوروں میں بھی کچھ اصول ہوتے ہیں مگر اِن اسلام کے خودساختہ محافظوں کا کوئی اصول نہیں۔ایک فرقے سے تعلق رکھنے والے بہت سے مولوی مختلف خیراتی اداروں کے آقا ہیں۔سبھی مانگ رہے ہیں کبھی اللہ کے نام پر کبھی رسول کے نام پر کبھی غوث کے نام پر، کبھی پیروں کے نام پر، کبھی عُرسوں کے نام پر کبھی آسمان سے نازل ہونے والی آفات پر اور کبھی زمین سے پھوٹ پڑنے والی مصیبت پر۔

جمشید مسیح کے مقتول بیوی بچے

گزشتہ دنوں پرانے حوالہ جات کی ورق گردانی کرتے ہوئے ایک حوالہ نے آبدیدہ کر دیا۔معزز قارئین آپ بھی پڑھیے اور سر دھنیے۔

پولیس افسر جمشید مسیح جہلم ٹرانسفر ہو جانے پر اپنی بیوی اور چار بچوں دو بیٹوں اور دو بیٹیوں کو لے کر مصطفیٰ کالونی جہلم میں ایک کرایے کے مکان میں رہنے لگا۔مگر اس کالونی میں مولانا محفوظ خان کسی بھی کافر کے رہنے کے اس لیے خلاف تھے کہ کالونی پلید نہ ہو۔جمشید مسیح کو مسجد بلا کر علاقے سے نکل جانے کا حُکم دیا گیا۔مولانا نہیں چاہتے تھے کہ ان کی کالونی میں عیسائی رہائش پذیر ہو۔کیونکہ کسی عیسائی کے کالونی میں رہنے سے ماحول پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

۲۱ جون ۲۰۱۱ء کو جبکہ جمشید ڈیوٹی پر تھا۔جمشید کی بیوی نے اپنے بڑے لڑکے کو سرف کا پیکٹ لانے کے لیے محلّہ کی دکان پر بھیجا۔دکاندار نے پوچھا تم عیسائی ہو؟ اس کا جواب ہاں میں سن کر اسے برا بھلا کہہ کر دکان سے نکال دیا۔بچے نے ساری صورت حال اپنی ماں کو بتائی۔بیوی رضیہ نے ٹیلی فون پر اپنے خاوند کو بتایا۔اتنے میں مولانا محفوظ خان کی قیادت میں جلوس جمشید کے گھر کے سامنے پہنچ گیا۔مولانا محفوظ خان نے رضیہ کو بتایا کہ تمہارے گیارہ سالہ بیٹے نے مذہب کی توہین کی ہے اسے ہمارے حوالے کرو۔رضیہ نے کہا کہ جمشید کو آنے دیں پھر بات کریں گے۔ہجوم میں سے کسی نے وزنی چیز رضیہ کے سر پر ماری جس سے رضیہ نیچے گر گئی اور ہجوم نے بچوں کو اور رضیہ پر وحشیانہ تشدد شروع کر دیا،ایک بچی بمشکل باپ کو فون کر پائی۔جمشید مسیح جب گھر پہنچا تو اس کے پھول سے چاروں بچے اور بیوی لاشوں میں تبدیل ہو چکے تھے۔سب سے بڑے لڑکے کی عمر ۱۱ برس تھی۔

عیسائی خاندان سے بائیکاٹ کے بعد ماحول پاکیزہ رکھنے کے لیے پانچ بے گناہ انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے والے اسلام کے نام نہاد سپوت نہ جانے اپنے ربّ کو کیا مُنہ دکھائیں گے۔ستم ظریفی ہے کہ ان بے گناہ بچوں کے خون سے ہاتھ رنگنے والوں کے خلاف پولیس نے رپورٹ لکھنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

پاکستان میں کب اور کیا کیا مر گیا؟

سپریم کورٹ کے جسٹس عظمت سعید شیخ نے کہا ہے کہ ہمارے لیے نیب کل مر گیا۔ اب ہم سے سنیئے، ہماری نظر میں ہمارے پیارے وطن پاکستان میں کب اور کیا کیا مر گیا ہے؟

قائداعظم کی وفات کے بعد جس دن قرارداد مقاصد منظور کی گئی تھی، اس دن ان کے افکار کو دفن کر دیا گیا تھا۔ جس دن ممتاز دولتانہ نے ۱۹۵۳ء میں اپنی اغراض یعنی وزیراعظم بننے جیسی خبیث خواہش کو پورا کرنے کے لیے اینٹی احمدیہ فسادات کروائے تھے، اس دن دو موتیں ہوئی تھیں۔ ایک سیاست کی اور دوسرے مذہبی کہلانے والے مولویوں کی۔ ۱۹۷۱ء میں جس دن پاکستان کا مشرقی حصہ علیحدہ ہوا تھا اس دن بھی دو موتیں ہوئی تھیں۔ ایک قائداعظم کا پاکستان مر گیا تھا اور دوسرے فوجیوں کی اخلاقی موت ہوئی تھی۔ ۱۹۷۳ء میں بچے کھچے پاکستان کی بھی اس وقت موت ہوگئی تھی جس دن آئین بنایا گیا تھا۔ پاکستان کا خون کر کے اسے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا مقدس کفن پہنا دیا گیا تھا۔ ۱۹۷۴ء میں ایک شرابی اور اس کے زانی ساتھیوں نے مل کر آئین کو بے آبرو کر کے اسے زندہ درگور کر دیا تھا۔ اور اس دن جس دن لاکھوں افراد کو کافر قرار دے کر جس اسلام کا بول بالا کرنے کا ارادہ تھا، اس اسلام کی بھی پاکستان میں موت ہوگئی تھی۔ اسی لیے تو خان اچکزئی نے بہت بعد میں کہا تھا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مسلمان تو بہت زیادہ ہیں اور اسلام خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا۔ اور جس دن ججوں نے ضیاء الحق کو آئین کی بچی کھچی عزت لوٹنے اور حکومت کرنے کی اجازت دی تھی، اس دن قانون وانصاف کی بھی موت ہوگئی تھی۔ تاریخ میں درج ہے کہ ضیاء الحق نے ۹۶ بار آئین کو بے آبرو کیا۔ وضع داری اور شرافت کی، گونگی اشرافیہ کے سامنے اس وقت موت ہوگئی تھی جس دن آصف زرداری نے صدر پاکستان کا حلف اٹھایا تھا۔ اس دن امن کی موت ہوگئی تھی جب افغانیوں کی مدد کے لیے مدرسوں کو عسکری ٹریننگ سینٹروں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ آج ان مدرسوں کی تعداد لاکھوں میں ہے اور ان سے برآمد ہونے والے جاہل خونی چوزوں نے امن کی ہر شاہراہ کو تباہ کر دیا ہے۔ حقیقت اب یہی ہے کہ موت کے سوداگروں نے پوری قوم کو ہی مردہ کر دیا ہے۔ پاکستان میں آج حالت یہ ہے کہ جہالت، بھوک، بیماری اور دہشت گردی سے مرنے والوں کو مردے دفناتے ہیں۔

صدیوں یاد رہنے والا منحوس فیصلہ

نواز شریف کو گاڈ فادر کہہ کر جے آئی ٹی بنانے کا صدیوں یاد رہنے والا منحوس کٹا پھٹا فیصلہ آ گیا ہے۔ ججوں نے پھر ثابت کر دیا کہ منقسم قوم کے جج بھی آپس میں پھٹے ہوئے ہیں اس لیے ان کے فیصلے کٹے پھٹے اور بدبودار شیطانی ہوتے ہیں۔ ماریو پوزو کے گاڈ فادر کی کامیابی کی وجہ بھی بکنے والے جج اور بے ایمان ادارے ہی تھے۔ ناول کے پہلے ہی باب میں ایک معصوم لڑکی جس کی عصمت دری کرنے والے مجرموں کو عدالت نے سزا نہ دی تو لڑکی کے باپ نے گاڈ فادر سے رابطہ کیا اور ججوں نے گاڈ فادر کے حکم پر مجرموں کو سزا دی۔ اور اس کے بدلے میں ایک موقع پر لڑکی کے باپ کو گاڈ فادر کے کہنے پر جرم کی دنیا میں آنا بھی پڑا تھا۔ اگر عدالت مبنی بر انصاف صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کرتی تو لڑکی کے باپ کو نہ گاڈ فادر کی ضرورت تھی اور نہ اس کے بدلے میں جرم کرنے کی۔ جج صاحب نے کہا ہے کہ اتفاق سے نواز شریف خاندان کی کہانی گاڈ فادر سے ملتی جلتی ہے۔ اور ہمارے خیال میں ہماری عدالتیں بھی گاڈ فادر کے اشاروں پر ناچتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ قطری خط بوگس تھا۔ کیا جعل سازی کرنے والا صادق اور امین ہو سکتا ہے؟ نام نہاد مقدس عدالت کا کٹا پھٹا فیصلہ صدیوں یاد رکھا جائے گا اور اسے جب بھی یاد کیا جائے گا نفرین سے یاد کیا جائے گا۔ عدالت نے اپنی طاقت ثابت کرنے کا موقع گنوا دیا ہے۔ اب جو کرے گا گاڈ فادر کرے گا۔ اس گاڈ فادر کی موت کا باعث بھی ناول والے گاڈ فادر کی طرح اس کی مختلف الخیال اولاد ہی بنے گی، کوئی جج نہیں۔ اس فیصلہ سے گاڈ فادر نواز شریف کی فتح اور انصاف کا خون ہو گیا ہے۔ عدالتوں کا رہا سہا وقار بھی خاک میں مل گیا ہے۔ جس عوام کو انصاف نہ ملے وہ اپنی جائز ضروریات کے لیے گاڈ فادرز کا منہ دیکھتے ہیں۔

اب ایک اور فیصلہ متوقع ہے۔ یہ فیصلہ بھی اگر ہوا تو سابقہ فیصلوں کی طرح کٹا پھٹا ہو گا اور انتشار کا باعث بنے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ سپریم کورٹ کے حکمران ہوں یا ملک کے حکمران یا پھر مذہبی یا فوجی حکمران ہوں سبھی خلاؤں میں بھٹکنے والے ان پتھروں کی مانند ہو چکے ہیں جو ستاروں کی موت کے بعد اپنی توانائی، رنگ و روشنی کھو کر اس وقت تک کے لیے بے منزل و بے وقعت ہو جاتے ہیں جب تک کسی نئے ستارے کا حصہ نہ بن جائیں۔

ہم پر الزام کیا ہے؟

وزیراعظم نواز شریف کی ہونہار بیٹی مریم نواز صاحبہ جے آئی ٹی کے سامنے پیش ہوگئیں۔ان سے دو گھنٹے تک پوچھ کچھ کی گئی۔مریم نواز نے پیشی کے بعد میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ مَیں نے جے آئی ٹی سے پوچھا: ’’الزام کیا ہے؟‘‘ مریم نواز صاحبہ کہتی ہیں کہ اس سوال کا جواب انہیں نہیں ملا۔شاید استاد شاعر میر تقی میر نے کسی ایسے ہی موقع پر کہا ہوگا

’’جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے‘‘

موجودہ حالات کے تناظر میں پہلا مصرع کچھ تصرف کے ساتھ مریم نواز صاحبہ پر الزام کی حقیقت خوب بیان کرتا ہے۔　’’پتا پتا بوٹا بوٹا حال ’’تمہارا‘‘ جانے ہے‘‘

ساری دنیا نے پارلیمنٹ اور پبلک اجتماعات سے بلند ہونے والے ان نعروں کی گونج بار بار سنی ہے۔’’گلی گلی میں شور ہے،نواز شریف چور ہے‘‘ سپریم کورٹ کے دو جج صاحبان بھی کہہ چکے ہیں کہ نواز شریف چوری کی وجہ سے نا اہل قرار پاتے ہیں۔اب محترمہ کو کون سمجھائے کہ یہ کاروائی جسے نواز شریف پارٹی ،تلاشی دینا کہتی ہے یہ تلاشی چوروں کے خلاف ہورہی ہے۔یہ الگ بات ہے کہ کوئی یہ کہتا پھرے چور، چوروں کی تلاشی لے رہے ہیں۔دلاور فگار نے شریف چوروں کے متعلق کہا ہے۔

شریف چور مزاجاً بُرے نہیں ہوتے
کہ ان کے ہاتھ میں چاقو چُھرے نہیں ہوتے

امجد علی راجہ نے چور وزیروں کے متعلق کیا خوب کہا ہے۔

چھوڑ دوں مَیں ابھی وزارت کیوں
اک تجوری فقط بھری ہے ابھی
جاگ جائے گی قوم بھی اک دن
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

انصاف سے ناانصافی تک کا سفر

اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے | عالم ہے مکدر ، کوئی دِل صاف نہیں ہے

جب ہم دنیا میں انصاف جیسے دلکش اور انسانوں کی زندگیوں کو راحت وسکون دینے والے حسین پھول کی کھوج میں نکلے تو ہم پر یہ راز کھلا کہ یہ پھول دھرتی پر کبھی کبھی بہت کم کھلتا ہے۔ جہاں اس کی خوشبو پھیلتی ہے وہاں ہر سو تازگی اور پاکیزگی کا راج ہوتا ہے۔ جب یہ پھول مرجھا کر اپنی تازگی کھو دیتا ہے وہاں دیکھتے دیکھتے نفرت اور وحشت کے کانٹے جوان ہونے لگتے ہیں۔ان کانٹوں کی چبھن شروع میں تھوڑی ہوتی ہے بعد میں ان کانٹوں کی خوراک ہی انسانی بدن اور خون بن جاتی ہے۔جس عہد میں ہم سانس لے رہے ہیں اس عہد میں جس تیزی سے سائنس اور ٹیکنالوجی نے ترقی کا سفر طے کیا ہے اسی تیزی سے انصاف نے ناانصافی تک کا سفر طے کیا ہے۔ بظاہر اگر دیکھا جائے تو چند مغربی مما لک نے اپنی عوام کو کسی حد تک انصاف مہیا کیا ہے،اور ان کی بنیادی ضرورتوں کو احسن رنگ میں پورا بھی کیا ہے۔اور یہ تبھی ممکن ہوا جب فوری انصاف کو اہمیت دی گئی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی جیسی عظیم الشان صنعت کے بل بوتے پر خوشحالی دھرتی کے ہر فرد کو میسر آتی مگر ایسا نہ ہو سکا ہر نئی ایجاد امیروں کی دولت میں اضافہ کا باعث بنتی ہے اور غریبوں پر بوجھ ڈالتی ہے۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امیر،امیر تر اور غریب،غریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ذہین لوگ یقیناً انتہائی تحسین کے قابل ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ انسان دوست بھی ہوں وہ تاریخ انسانی میں ہمیشہ ادب واحترام سے یاد کیے جاتے ہیں۔قابل احترام ذہین سائنسدانوں نے جہاں اپنی زندگیاں انسانوں کو آسانیاں اور آرام پہنچانے کے لیے وقف کر رکھی ہیں وہیں سیاستدانوں نے سائنس کو کاروبار اور انسانی زندگیوں سے کھیلنے کا اوزار بنالیا ہے۔عہد حاضر میں جہاں امیر مما لک کی ہوس میں اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے وہاں غریب مما لک میں شدید نفرت اور بغاوت کے جراثیموں میں بھی بے تحاشا اضافہ ہو رہا ہے۔

تُو یہ ستم کرے گا ہم درگذر کریں گے | اپنے بھی جی ہے آخر انصاف کر کہ کب تک

دولت کی ہوس اور طاقت کا نشہ صرف طاقت ور اور دولت مند مما لک تک ہی محدود نہیں ہے۔ یہ

صورت حال غریب مما لک میں بھی کم نہیں ہے بلکہ بہت زیادہ ہے۔اوران غریب مما لک میں غربت کی وجہ ہی یہ دولت منداور طاقتور اشرافیہ ہے۔ہمیشہ سے ہی طاقت اور دولت رکھنے والوں کا یہ مزاج رہا ہے کہ عوام کو جاہل رکھ کرانہیں اپنا غلام بنا کران کی خون پسینے کی کمائی کو ہڑپ کرلیا جائے۔لیکن یہ بات بھی یادرہے کہ تاریخ کے سینے پرایسے طاقتوروں کے نام بھی لکھے ہیں جنہوں نے اقتدار میں آتے ہی اپنی ساری قوت اپنے عوام کو خوشیاں دینے میں قربان کردی تھی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عہد حاضر میں مغربی امیر مما لک کے حکمران اپنے شہریوں کے حقوق کے محافظ ہیں اور عدالتیں شہریوں کی حق تلفی نہیں ہونے دیتیں۔اور یہ عدالتیں کسی بھی طاقتور کوشہریوں کے حقوق پامال کرنے کی اجازت نہیں دیتیں۔ایک اہم بات یہ ہے کہ ان مغربی مما لک میں رہنے والے کروڑوں غریب مما لک سے آئے ہوئے لوگوں کو بھی مساوی حقوق ملتے ہیں،کسی کے مذہب یا ملت کو مدنظر رکھے بغیر عدالتیں اور حکومتیں ان کے شہری حقوق کو یقینی بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔مغربی امیر مما لک نے بھی درحقیقت ناانصافی اور ظلم کا کھیل کھیلنے کے لیے اپنی عوام کی آنکھوں پر خوشحالی کی کالی پٹی باندھ کرانہیں اندھا کر دیا ہے،انہیں نہیں بتایا جاتا کہ ان کی خوشحالی کے لیے غریب مما لک کے وسائل کو زبردستی لوٹا جارہا ہے،جاہل اور مذہبی بنیاد پرستوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے انہیں آپس میں لڑانے کے لیے ایندھن ہم فراہم کرتے ہیں،دنیا میں سب سے زیادہ ہتھیار بنا کر ہم بیچتے ہیں اوران ہتھیاروں کو اچھے برے لوگ مہنگے داموں خرید کر سالانہ لاکھوں انسانوں کو قتل کرتے ہیں،وہ ادویات جو آپ کو مفت فراہم کی جاتی ہیں ان کو دنیا میں مہنگے داموں فروخت کیا جاتا ہے اورانہیں ہم کسی بھی صورت میں ان دواؤں کے بنانے کا طریقہ نہیں بتاتے ،جنگ زدہ،غریب اور جاہل اقوام کے قیمتی وسائل لوٹ کرانہیں خیرات دے کرہم ہمدردی اورانسانیت کے میڈل بٹورتے ہیں، وسائل لوٹنے کے ساتھ ساتھ ان وسائل کے مالک مما لک کو بھی ہم کھنڈر بنا دیتے ہیں اور پھر تعمیر نو کے نام پر ہماری کمپنیاں بھاری معاوضہ لے کرانہیں مزید کنگال کرتی ہیں۔اور بھی بہت کچھ ہے مگر سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔نیکی اور بدی کے اس کھیل میں امیر،غریب کو بدی کا مجسمہ قرار دیتے ہیں اورغریب نحیف ونزار قومیں امیر طاقتوں کو نا صرف بدی قرار دیتی ہیں بلکہ اپنی تمام کمزوریوں کی وجہ بھی انہی کو گردانتی ہیں۔

مٹ جائے گی مخلوق تو انصاف کرو گے   منصف ہو تو اب حشر اُٹھا کیوں نہیں دیتے

اسلامی کہلانے والے ممالک میں مسلمان جن کا مذہب کہتا ہے کہ ''تم ناانصافی سے بچو، جب تم لوگوں کے درمیان حکومت کروتو انصاف کے ساتھ حکومت کرو۔انصاف کے ساتھ مضبوطی سے کھڑے ہو جاؤ۔اللہ کی خاطر گواہ بنتے ہوئے انصاف کو مضبوطی سے قائم کرنے والے بن جائے۔کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگزاس بات پرآمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو یہ تقویٰ کے سب سے زیادہ قریب ہے۔یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔اور یہاں تک قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے جھوٹوں اور مال حرام کھانے والے بھی اگر تیرے پاس آئیں ''اگر تُو فیصلہ کرے تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرو۔''

معزز قارئین!انتہائی بدقسمتی کی بات ہے کہ اسلامی کہلانے والے ممالک میں انصاف کا حسین پھول، ناانصافی جیسے خونی کانٹے میں تبدیل ہو چکا ہےاوراس منحوس کانٹے کی چبھن نے مسلمانوں کے بدن پر پڑی اسلامی تعلیمات کی سنہری چادر کو تار تار کر دیا ہے۔ناانصافی کے منحوس چراغ چھوٹے بڑے دنیا کے ہر ملک میں جل رہے ہیں اوراسلامی کہلانے والےسعودی عرب کے پاس سب سے بڑا چراغ بلکہ کہنا چاہیے کہ ناانصافی کے الاؤ روشن ہیں جن کی شدت اس قدر ہے کہ اس میں عراق،شام اور لیبیا جل کر راکھ ہو چکے ہیں اور یمن بھی جل رہا ہے۔دوسرے بہت سے ممالک بھی سعودی نفرت اور ناانصافی کے شعلوں کی زد میں ہیں، پاکستان تک اس آگ سے محفوظ نہیں۔

اور جہاں تک پاکستان میں انصاف کی صورت حال کا تعلق ہے،انتہائی خوفناک صورت حال ہے۔ چند دن پہلے سپریم کورٹ میں ایک ایسے زمین کے مقدمے کی شنوائی ہونی تھی جو ۱۹۱۸ء میں درج ہوا تھا۔ متنازعہ زمین کے اصل مدعیان کی تیسری نسل عدالت میں جب پیش ہوئی تو جج نے یہ کہہ کر ایک وکیل نہیں آیا، سماعت غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دی۔اس دن اس کیس کی ۱۰۰ ویں سالگرہ تھی۔اور فلک نے یہ نظارا دیکھا کہ دونوں فریق سپریم کورٹ کے لان میں اپنے کیس کے ۱۰۰ سال مکمل ہونے پر کیک کاٹ رہے ہیں۔ پاکستان کی عدالتوں کے انصاف کا معیار انتہائی گرا ہوا اور قابل مذمت ہے۔جہاں کسی زمانے میں پاکستان

نامی تالاب میں تیرتے، جسٹس کیانی، کارنیلسن اور کچھ دوسرے ججوں نے انصاف جیسے حسین کنول کی حفاظت کی تھی، اب صرف تالاب باقی ہے مگر انصاف کے کنول ناپید ہو چکے ہیں۔لوگ عدالتوں میں بھٹک بھٹک کر مر رہے ہیں، جھوٹے مقدمات بنائے جاتے ہیں، جھوٹے گواہ عدالتوں کے گرد منڈلاتے ہیں، معصوم، بے گناہ لوگ ناکردہ گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں، جج بک رہے ہیں، وکیل بک رہے ہیں، گواہ بک رہے ہیں، یوں لگتا ہے کہ انصاف کے متلاشی عدالتوں میں نہیں بلکہ طوائفوں کے کوٹھے پر دلالوں سے بھاؤ تاؤ کر رہے ہیں۔حکومت نائیکہ بنی بیٹھی ہے اور عدالتی طوائفیں اور دلال، عوام کی زندگی اجیرن کر رہے ہیں۔

طوائف ہوا جسے قانون کہتے ہیں | بڑی بولی جو لگائے اُس کا ہے

☆☆☆

’’جاہل کے بعد جاہل پیدا نہیں کروں گا‘‘

ایک محفل میں ایک شاعر نامدار کا ذکر آیا جو ان دنوں آل انڈیا ریڈیو پر اپنے آپ کو پوری طرح مسلط سمجھتا تھا۔پنڈت ہری چند فرمانے لگے۔صاحب، کس جاہل مطلق کا نام لے رہے ہو۔گلزار دہلوی کہنے لگے۔۔۔۔۔۔۔۔پنڈت جی انہیں جاہل مطلق کہہ رہے ہیں آپ؟ اس پر پنڈت جی نے بڑی سنجیدگی سے فرمایا۔۔۔میاں اگر اللہ میاں بھی چاہیں تو ایسا جاہل مطلق پیدا نہیں کر سکتے۔اس پر سب ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک زبان ہو کر کہا کہ پنڈت جی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ میاں بھی ایسا جاہل پیدا نہیں کر سکتے، وہ تو قادر مطلق ہے، جو چاہے کر سکتا ہے؟ پنڈت جی نے سنجیدہ ہو کر فرمایا: ’’اللہ میاں آپ کی طرح تھوڑے ہیں جو وعدہ کر کے مکر جائیں گے۔‘‘ گلزار صاحب فرمانے لگے۔۔۔پنڈت جی آپ کیا فرما رہے ہیں؟ پنڈت جی بے ساختہ فرمانے لگے۔’’اوئے اللہ میاں نے پہلا وعدہ ایہہ کیتا ہویا اے کہ محمدؐ کے بعد نبی پیدا نہیں کروں گا اور دوسرا وعدہ ایہہ کیتا ہویا اے کہ اس۔۔۔۔۔۔۔جاہل کے بعد جاہل پیدا نہیں کروں گا‘‘۔بس پھر کیا تھا، قہقہے تھے کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہے تھے۔

☆☆☆

قومی ہیرو لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک (شہید)

(ہلالِ جُرآت۔ستارۂ قائد اعظم)

۱۹۶۵ء کی جنگ جو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ہوئی تھی اس جنگ کے ایک نامور ہیرو جنرل اختر حسین ملک پنجاب میں آباد ایک چھوٹے سے گاؤں پنڈوری کے ایک کسان گھرانے میں یکم اگست ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے۔آپ ملک غلام نبی صاحب کے بیٹے تھے۔آپ کے والد مقامی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔آپ کے والد نے گاؤں کے قریب ہائی اسکول نہ ہونے کی وجہ سے اختر حسین ملک کوئی میل دور ہائی اسکول میں داخل کروایا۔اختر حسین ملک اور ان کے دوستوں کوئی میل روزانہ پیدل چلنا پڑتا تھا۔گریجوایشن کے بعد آپ بطور سپاہی برٹش انڈین فوج میں بھرتی ہوگئے۔جلد ہی ان کی شاندار خصوصیات اور تعلیمی قابلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں انڈین ملٹری اکیڈمی (Dehra Dun) آفیسر تربیت کے لیے بھیج دیا گیا۔یکم جون ۱۹۴۱ء کو آپ Second Lieutenant ہوئے اور آپ کا تقرر ۱۶ پنجاب رجمنٹ میں ہوا۔چند ماہ بعد آپ کو Lieutenant بنا دیا گیا اور پھر یکم جنوری ۱۹۴۲ء میں عارضی کیپٹن کے عہدہ پر پوسٹنگ کردی گئی اور اپریل میں عارضی کا لفظ ختم کر دیا گیا۔بطور Brigade Intelligence Officer آپ کی تقرری 114th Indian Infantry Brigade میں کردی گئی۔یہ وہی بٹالین ہے جس نے برما اور ملایا میں جنگ لڑی تھی۔۱۹۴۵ء میں آپ کو عارضی میجر کے عہدہ پر ترقی دی گئی۔۱۹۴۷ء میں پاکستان بن جانے کے بعد آپ پاکستانی فوج میں شامل ہوگئے۔

پاک فوج میں آنے کے بعد وہ اپنی قابلیت کے بل بوتے پر ترقی کی منازل بخوبی طے کرتے ہوئے Lieutenant General جیسے شاندار عہدہ پر فائز ہوئے۔جنرل اختر حسین ملک بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔آپ کی شخصیت دلوں کو موہ لینے والی تھی یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں میں ہر دل عزیز تھے۔آپ فوری اور صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھے۔آپ کی سب سے بڑی خوبی اپنے وطن

سے بے پناہ محبت تھی۔اور آپ نے اپنی اس محبت کو ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک، بھارت جنگ میں ثابت بھی کیا تھا۔ اپنی بہترین حکمت عملی اور تکنیک سے دشمن فوج کے چھکے چھڑا دیے تھے۔چھمب جوڑیاں کے محاذ پر جنرل اختر حسین ملک اور ان کے بہادر ساتھیوں نے دشمن کو تگنی کا ناچ نچایا تھا۔چھمب جوڑیاں کے محاذ پر جب جنرل اختر حسین ملک اور ان کے ساتھی شیروں کی طرح لڑ رہے تھے تو شورش کاشمیری بھی تڑپ اٹھے اور خود کو یہ کہنے پر مجبور پایا۔

میدانِ کارساز پہ چھاتے ہوئے چلو
جوشِ وغا کا نقش بٹھاتے ہوئے چلو
دہلی کی سرزمین نے پکارا ہے دوستو
اختر ملک کا ہاتھ بٹاتے ہوئے چلو
بھولو نہیں کہ حلقہ بگوشِ رسولؐ ہو
شورش خدا کا خوف جماتے ہوئے چلو
واہگہ کی سرزمین سے حریفوں کی ٹولیاں
اختر ملک کی زیرِ قیادت چنگھاڑ دو
بزدل اٹھا چکے ہیں قدم ارضِ پاک پر
جس رخ سے بھی یہ سامنے آئیں پچھاڑ دو
گنگا کی وادیوں کو بتا دو کہ ہم ہیں کون
جمنا پہ ذوالفقار چلاتے ہوئے چلو
اس کے سوا جہاد کے معنی ہیں اَور کیا
اسلام کا وقار بڑھاتے ہوئے چلو

(الجہاد و الجہاد از شورش کاشمیری و رسالہ چٹان ۱۳ ستمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۶ اور نوائے وقت ۷ ستمبر ۲۰۱۹ء)

جنرل اختر حسین ملک کو جنگی داؤ پیچ پر عبور حاصل تھا۔آپ جنگی منصوبہ سازی کرنے والے نہایت

ذہین فوجی افسر تھے۔آپ کے بنائے دو منصوبے Operation Gibraltar اور Operation Grand Slam آپ کی ذہانت اور معاملہ فہمی کے شاندار نمونے ہیں۔

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں بحثییت GOC بارہویں ڈویژن آپ Operation Grand Slam کے بلاشرکت غیر کمانڈر تھے۔ جنرل اختر حسین ملک اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے سے آگے بڑھتے چلے گئے اور کامیابیاں ان کا ہر قدم پر ماتھا چوم رہی تھیں۔ اکھنور کی فتح نے دشمن کا غرور خاک میں ملا دیا۔اکھنور کی فتح نے دشمن کا جموں و کشمیر جانے والا راستہ بند کر دیا تھا۔ بھارت کے وزیر اعظم لال بہادر شاستری نے اپنی فوج کو حکم دیا تھا کہ جنرل اختر کو ہر قیمت چکا کر بھی گرفتار یا ہلاک کیا جائے۔اور انڈین ائر فورس کے فضائی حملے بھی اس شیر دل ہیرو کے بڑھتے قدم نہ روک سکے۔ بڑھتے بڑھتے پاکستان کا یہ بہادر سپوت اپنے ساتھیوں کے ساتھ دریائے توی تک جا پہنچا۔اور یہ وہ کارنامہ تھا جس کی وجہ سے اس بہادر سپوت کو ہلال جرآت ملا تھا۔ یہ بھی یاد رہے کہ جنرل اختر حسین پاک دھرتی کا وہ پہلا سپوت ہے جسے دوسرے سب

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ
کے ہیرو لیفٹیننٹ جنرل
اختر حسین ملک
(ہلال امتیاز)
و
(ستارۂ قائداعظم)

سے بڑے فوجی اعزاز ہلال جرآت سے نوازا گیا۔توی دریا کے کنارے پہنچ کر جبکہ سری نگر پہنچنے کے لیے ان کے جذبے آسمان سے باتیں کر رہے تھے، اور ان کے قدم کشمیر کی جنت نظیر وادی کو چومنے کے لیے بیتاب تھے۔اور پاکستانی قوم بھی سری نگر کی فتح کی منتظر تھی، ہائی کمان نے بہادر شیر دل جنرل اختر حسین ملک کو آگے

بڑھنے سے نہ صرف روک دیا گیا بلکہ انہیں حکم دیا گیا کہ بارہویں ڈویژن کی کمان جنرل یحییٰ خان کے حوالے کر دیں۔اس حکم نے ۲۴ قیمتی گھنٹے ضائع کر دیے۔ ہندوستانی فوج کو اپنی طاقت مجتمع کرنے کا موقع مل گیا۔اور انڈین فوج نے کشمیر کے محاذ پر دباؤ کم کرنے کے لیے پنجاب کے حساس مقامات پر حملہ کر دیا۔اس صورت حال نے افواج پاکستان کے کشمیر کی طرف بڑھنے والے قدم روک دیے۔ اگر ایوب خان جبکہ جنرل اختر ملک کشمیر میں داخلہ کے لیے پَر تول رہے تھے انہیں نہ روکتے تو کشمیر کا مسئلہ حل ہو چکا ہوتا۔

مشہور ادیب جناب قدرت اللہ شہاب جوان دنوں وزیر اطلاعات اور صدر ایوب کے مشیر خاص تھے،ایوب خان کے اس غیر دانشمندانہ فیصلہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''اس وقت جب لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک چھمب جوڑیاں اور اکھنور پر قبضہ کرنے کے بعد کشمیر کے دارالخلافہ سری نگر پر قبضہ کرنے کے لیے راستہ بنا چکے تھے،غلط طریقے سے ان سے فوج کی کمان لے کر جنرل یحییٰ خان کو سونپ دی گئی۔شاید اس کا مقصد اکھنور کی فتح سے محروم کرنا تھا، اور یحییٰ خان نے اس نامعقول ٹاسک کو بہترین انداز میں انجام دیا۔''

ذوالفقار علی بھٹو جو آپریشن Grandslam کے ایک اہم کھلاڑی تھے نے اس واقع کے متعلق بعد میں کہا تھا:۔

''Had General Akhtar Malik not been stopped in the Chamb-Jaurian Sector, the Indian forces in Kashmir would have suffered serious reverses, but Ayub Khan wanted to make his favorite, GeneralYahya Khan, a hero.''

جناب ذوالفقار علی بھٹو کی نظر میں جنرل اختر حسین ملک کا کیا مقام تھا؟ اس کا جواب کرنل رفیع الدین کی کتاب بھٹو کے آخری ۳۲۳ دن میں ملتا ہے۔کرنل رفیع الدین صاحب لکھتے ہیں:۔

''ایک دن پاک بھارت جنگ ۱۹۶۵ء کا ذکر چھڑا میں نے بھٹو صاحب سے پوچھا کہ جناب آپ اس زمانہ میں وزیر خارجہ تھے۔ ہمارے فارن آفس نے اس جنگ سے پہلے یہ کیوں نہ سوچا کہ ہندوستان ہماری سرحدوں پر حملہ کر دے گا۔ کہنے لگے کہ دفتر خارجہ نے تو اندازہ لگا لیا تھا لیکن فیلڈ مارشل ایوب خان نے

ایک جائنٹ میٹنگ میں اس امکان کو رد کر دیا تھا۔اسی دوران وہ کہنے لگے کہ جنرل ہیڈ کوارٹر نے بھی تو اسی غلطی کا اعادہ کیا تھا۔ پھر کہنے لگے:''جنرل اختر ملک کو کشمیر کے چھمب جوڑیاں محاذ پر نہ روک دیا جاتا تو وہ کشمیر میں ہندوستانی افواج کو تہس نہس کر دیتے مگر ایوب خان تو اپنے چہیتے جنرل یحیٰی خان کو ہیرو بنانا چاہتے تھے۔''

کرنل رفیع الدین صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے اس تذکرے کے دوران بھٹو صاحب نے جنرل اختر ملک کی بے حد تعریف کی۔ کہنے لگے''اختر ملک ایک باکمال جنرل تھا۔وہ ایک اعلیٰ درجے کا سالار تھا۔وہ بڑا بہادر اور دل گردے کا مالک تھا اور فن سپاہ گری کو خوب سمجھتا تھا اس جیسا جنرل پاکستانی فوج نے ابھی تک پیدا نہیں کیا۔ پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔باقی سب تو''جنرل رانی''ہیں۔

بوقت شہادت، ہلال جرآت، ستارہ قائداعظم اور دوسرے کئی قومی اعزاز رکھنے والا یہ قومی ہیرو سینٹو میں فوجی نمائندے کی حیثیت سے انقرہ، ترکی میں متعین تھا۔آپ ۲۲ اگست ۱۹۶۹ء کو ازمیر سے انقرہ واپس آتے ہوئے بعد دوپہر اپنی رفیقہ حیات کے ہمراہ کار کے حادثہ میں شہید ہو گئے۔**انا للّٰہ و ان الیہ راجعون**۔ ۲۵ اگست ۱۹۶۹ء کو حکومت ترکی نے پورے فوجی اور ملّی اعزاز کے ساتھ انقرہ میں نماز جنازہ پڑھائی۔شہید کی میت خصوصی فوجی ہوائی جہاز کے ذریعے پاکستان لائی گئی۔ چکلالہ ائر بیس پر پاکستانی فوج نے پورے فوجی اعزاز کے ساتھ اپنے مایہ ناز جرنیل کو آخری سلامی دی۔ ہوائی اڈہ پر موجود ہزاروں افراد نے شہید کو پرنم آنکھوں سے رخصت کیا۔ جنازہ ہیلی کاپٹر کے ذریعہ ربوہ لایا گیا۔نماز جنازہ، دور دراز سے آئے ہزاروں افراد نے پڑھی۔اسی شام پنجاب رجمنٹ کے جوانوں کی آخری سلامی کے بعد تدفین عمل میں آئی۔اللہ تعالیٰ شہید کے درجات بلند فرماتا چلا جائے، جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہماری قوم کو حقیقی ہیروز کی پہچان عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

مشہور و معروف شاعر جناب ضمیر جعفری نے جنرل اختر ملک کی شہادت پر درج ذل شاندار الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

انقرہ سے چکلالہ کے ہوائی اڈے پر
چمکتی ہوئی گاڑی کے اوپر جو تابوت ہے

چاند تارے کے پرچم میں لپٹا ہوا
ایک جیالا ، جری ، نام آور ، دلاور ، بہادر سپاہی
ابد کی خموشی میں کھویا ہوا
اپنی شفاف وردی میں سویا ہوا
سرد پیکر میں اب دل دھڑکتا نہیں
آگ جلتی نہیں ، خون چلتا نہیں
جسم بے جان ہے
لیکن اے زندگی ، یہ وہ انسان ہے
ایک جیالا ، جری ، نام آور ، دلاور ، بہادر سپاہی
جو اپنے مقدس وطن ، خطہ دلنشیں ، کشور بہترین کیلئے
اس زمیں پر بہشت بریں کیلئے
پاک پرچم تلے
وادیوں ، جنگلوں پربتوں میں لڑا
موت کے سامنے مسکراتا رہا
جنگ اور امن کے زخم کھاتا رہا
تا کہ یہ شہر اور گاؤں بستے رہیں
پھول کھلتے رہیں ، باغ مہکتے رہیں ، کھیت ہنستے رہیں

☆☆☆

بادشاہ پرلازم ہے کہ رعایا کے مال وجان وناموس ومذہب کی حفاظت میں فرق پیدا نہ کرے۔اورگمراہ افرادشاہی غضب سے بھی جومثل نصیحت کے ہے،راہ راست پرنہ آئیں اس وقت بادشاہ ان کی سزادہی پرمتوجہ ہو۔اکبراعظم

مظلوم یمنی اور روھنگیا مسلمان

کہا جاتا ہے کہ ۲۵ اگست ۲۰۱۷ء کو روہنگیا باغیوں نے پولیس چوکیوں اور میانمار کے فوجیوں پر حملے کیے۔ان حملوں میں ۱۳۲ اہلکار ہلاک ہوئے۔جس کے بعد صورت حال کشیدہ ہوتی چلی گئی۔مٹھی بھر باغیوں اور فوجی اہلکاروں کی مڈھ بھیڑ،سینکڑوں بعض اطلاعات کے مطابق ہزاروں روہنگیا معصوم مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کرنے کا باعث بن گئی۔مظلوم و معصوم روہنگیا بچوں اور بڑوں کو زندہ گھروں سمیت جلایا گیا۔اس بربریت کی جتنی مذمت بھی کی جائے کم ہے۔اس کے ساتھ ساتھ مسلمان ریاستوں کے ڈینگیانہ کردار پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔بنگلا دیش اور انڈونیشیا اور دوسرے مسلمان ممالک نے جیتے جی مر جانے والے اپنے لٹے پٹے مسلمان مہاجر بھائیوں کو کئی دن تک اذیت کے کوڑے مار کر مجبوری کے عالم میں نفرت بھری آسانی دی۔ان بے وطنوں کی حالت زار مسلمان ملکوں میں بھی برما سے کچھ خاص مختلف نہیں۔

ریاست میانمار کے حکمرانوں پر یہ الزام مذہبی و سیاسی مسلمان تنظیموں کی جانب سے اکثر لگایا جاتا ہے کہ برمی مسلمانوں کو برما کی شہریت نہیں دی جا رہی۔ہم بھی اس کی شدید مذمت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ایک سوال بھی چھوڑتے ہیں کہ کیا کوئی بھی غیر عربی شخص،سعودی عرب اور دوسرے عرب ممالک میں ۱۰۰ سال سے زائد عرصہ رہنے کے بعد شہریت کا حقدار ہو جاتا ہے؟اور کیا صدر ایوب کے دور حکومت میں کراچی پاکستان میں لائے گئے ۲ لاکھ کے قریب روہنگیا مسلمان،۶۰ سال پاکستان میں رہنے کے بعد شہریت کے حقوق حاصل کر پائے ہیں؟ہماری معلومات کے مطابق روہنگیا مسلمانوں کو شناختی کارڈ نہ ملنے کی وجہ سے ان کی حالت گداگروں سے بھی بدتر ہے۔

معزز قارئین!اصل بات یہ ہے کہ ظالم کوئی بھی ہو اس کا نام کچھ بھی ہو وہ کہلائے گا ظالم ہی۔یقینی طور پر روہنگیا مسلمان مظلوم اور حکومتی ادارے اور جنونی بھکشو ظالم ہیں،وجہ کچھ بھی ہو معصوم لوگوں پر ظلم کرنا شیطان کا فعل ہی ہو سکتا ہے۔حیرت اس وقت ہوتی ہے جب ظالم اپنے جیسے کسی جنونی کو ظالم کہے۔مثلاً پاکستان کی سیاسی و مذہبی جماعتیں یہ واویلا کریں کہ روہنگیا مسلمانوں پر ظلم پر ہم سراپا احتجاج ہیں تو ان کا شور و

غوغا کے سوا کچھ بھی حیثیت نہیں رکھے گا۔ وہ لیڈران جو اپنے ملک میں روہنگیا مسلمانوں کو حقوق نہیں دیتے اور نہ ان کے حقوق کے لیے احتجاج کرتے ہیں ان کا آنسو بہانا، مگر مچھ کے آنسو بہانے کے مترادف ہے۔ ہاں اگر پاکستان کا دامن اقلیتوں کے خون اور جلی ہوئی لاشوں کے دھبوں سے پاک ہوتا اور روہنگیا مسلمان پاکستانی شہری بن کر ملک کی ہر شعبے میں خدمات انجام دے رہے ہوتے۔ تو یقیناً ان کی آواز اور احتجاج میں دم خم ہوتا اور دنیا جان جاتی کہ روہنگیا مسلمانوں پر ظلم کو روکنا ضروری ہے۔ بدقسمتی سے اس لحاظ سے کوئی ایک مسلم کہلانے والا ملک بھی نہیں ہے جس کا دامن ان دھبوں سے خالی ہو۔ مسلمانوں کا امام بننے کا خواہشمند سعودی عرب اپنے اتحادی عربوں کے ساتھ مل کر یمن کے بھوکے ننگے یمنی مسلمانوں کے چیتھڑے اڑا رہا ہے۔ اب تک تقریباً دس ہزار یمنی سعودی اتحادیوں کی بمباری سے جل، کٹ مرے ہیں اور چالیس ہزار اپنے زخمی جسموں سے اٹھنے والی ہر ٹیس پر بددعائیں دے رہے ہیں۔ اور عالم اسلام اپنے بڑے بھائی کے ہاتھوں مرنے والوں کی بے بسی اور بے کسی پر تالیاں بجا رہا ہے، اگر تالیاں نہیں بجا رہا تو محو تماشا ضرور ہے۔

معزز قارئین! اپنے اردگرد نگاہ دوڑانے پر آپ کو کھلا کھلا اور صاف دکھائی دے گا کہ اس وقت دنیا میں صرف مسلمان کہلانے والے بھائی ہی سب سے زیادہ تعداد میں مقتول اور قاتل ہیں۔ مسلمانوں نے گزشتہ دو دہائیوں میں جتنا لہو اپنے مسلمان بھائیوں کا بہایا ہے کسی اور نے نہیں بہایا۔ غیر جنہیں کافر و دجال بھی سمجھا جاتا ہے ان کے ہاتھوں میں خنجر دینے والے بھی خود غرض، لالچی، مذہبی تعصب جیسی غلاضت سے لتھڑے ہوئے مسلمان کہلانے والے حکمران، اور مذہب اسلام کے نام پر صدقہ و خیرات کھانے والے نام نہاد مذہبی راہنما ہی ہیں۔ اس وقت تو یہ صورت حال اتنی بھیانک ہو چکی ہے کہ عام مسلمان جن سیاسی و مذہبی لیڈروں کو اپنا ہمدرد سمجھتے ہیں وہ دراصل بکاؤ مال بن چکے ہیں، یہ لیڈر نام اسلام کا لیتے ہیں اور دم امریکہ وغیرہ کا بھرتے ہیں۔ صورت حال کی سنگینی کا اندازہ امام کعبہ عبدالرحمان السدیس کے امریکہ میں دیے گئے بالکل نئے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے جس میں انہوں نے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کو امن کی فاختہ قرار دیتے ہوئے واشگاف الفاظ میں فرمایا ہے کہ:۔

’’امریکہ اور سعودی عرب، دنیا کو امن کی جانب لے جا رہے ہیں۔ وہ دنیا اور انسانیت،

سلامتی، امن اور خوشحالی کی بندرگاہوں پر لے جا رہے ہیں۔ دونوں ممالک کو عالمی امن، سلامتی اور دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے اکٹھے ہونا چاہیے۔ سعودی عرب اور امریکہ دنیا میں اثر و رسوخ کے قطبین ہیں۔''

(ڈیلی پاکستان ۲۰ستمبر ۲۰۱۷ء۔ انٹرویو ٹی وی چینل الاخباریہ)

جب ہم سعودی عرب کے حکمرانوں کے دنیا میں امن و سلامتی قائم کرنے کی کوششوں میں کردار کے متعلق سوچتے ہیں تو ہم صرف یہی سوچ پاتے ہیں کہ سعودی عرب نے اب تک دنیا کو سوائے لاشوں کے کچھ نہیں دیا ہے۔ عراق، یمن اور شام وغیرہ میں کئی ملین افراد جن میں معصوم ننھے بچوں اور خواتین کی بھاری تعداد کٹ، جل چکی ہے اور یہ سلسلہ جاری و ساری ہے، اور ان سب کے خون سے سعودی عرب کے ہاتھ بھی اسی طرح لتھڑے ہیں جس طرح دوسرے قاتلوں کے۔

محترم قارئین! بدقسمتی سے روہنگیا اور یمنی اور شامی مسلمانوں پر ہونے والے مظالم سے بچانے والا ایک بھی مسلمان ملک نہیں ہے اور احتجاج کے نام پر رقم بٹورنے والے بہت ہیں۔ روہنگیا مسلمان ہوں یا کسی اور اسلامی ملک کے مظلوم، ان کی مدد کے لیے صدقہ، خیرات اکٹھا کرنے والے بے شمار ہیں مگر ظالم کا ہاتھ پکڑنے والا ایک بھی نہیں۔ عام مسلمان کو غیر کیا عزت دیں گے جن کے ہاتھوں طاقتور سمجھے جانے والے مسلمان حکمرانوں کی گردنیں توڑی جا چکی ہیں۔ صدام حسین، معمر قذافی بے بسی کی موت مر گئے، انہیں کوئی نہ بچا پایا۔ صد حیف! نہ مسلمان حکمرانوں نے نصیحت حاصل کی اور نہ عوام نے۔ کاش یہ حکمران دیکھ سکتے کہ صدام اور قذافی کی موت نے ان کی قوموں کو کیسے خون کے آنسو رلایا ہے۔ جہاں خود غرضی اور ہوس اقتدار نے مسلمان حکمرانوں کو غلاموں کی عالمی منڈی میں دو کوڑی کا کر دیا ہے وہاں عوام کو جہالت، بیماری اور بھوک نے کسی کام کا نہیں چھوڑا، سوائے زندہ باد اور مردہ باد کے نعروں کے۔ ہم تمام دنیا کے مظلوموں کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں ظالموں کا اصلی روپ دیکھنے کی توفیق دے اور انہیں ظالموں سے نا صرف بچائے بلکہ انہیں وہ قوت گویائی دے جس کی بدولت کلمہ حق بے خوف وخطر کہہ سکیں۔ ہم اپنے ربّ العالمین کے حضور یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ حکمرانوں کو عوام کا ہمدرد اور عوام کو ان کا خیر خواہ بنائے۔ سب سے بڑی اور پختہ بات یہ ہے کہ ہم سب کو خوف خدا عطا فرمائے۔ آمین۔ اللہ کرے کہ جنہیں غیروں کی طرف سے مسلمانوں پر ہونے والا ظلم

دکھائی دیتا ہے انہیں اسلام اور دنیا پر مسلمانوں کی طرف سے ہونے والا ظلم بھی دکھائی دے۔سیدھا راستہ دکھائے۔آمین۔

حکمران ہو گئے کمینے لوگ
خاک میں مل گئے نگینے لوگ

☆☆☆

جماعت اسلامی اور تحریک لبیک

جماعت اسلامی جو کافی پرانی مذہبی سیاسی جماعت ہے۔آج کل مولانا سراج الحق صاحب اس جماعت کی قیادت کر رہے ہیں۔موصوف نے جب سے قیادت سنبھالی ہے احتجاج ہی کر رہے ہیں۔روہنگیا مسلمانوں پر مظالم دیکھ کر انہیں احتجاج کا ایسا بخار ہوا ہے کہ اترتا ہی نہیں۔کسی زمانے میں کراچی جماعت اسلامی کی دسترس میں تھی،تب اور نہ ہی اس کے بعد انہیں روہنگیا مسلمانوں کے جو کراچی میں آباد ہیں دکھ دکھائی دیئے۔

جماعت اسلامی نے سب سے پرانی جماعت ہونے کے باوجود کچھ کام نہیں کیا سوائے احتجاجوں اور ڈنڈے کھانے کے۔اب تو یوں لگتا ہے کہ اس جماعت کو سوائے احتجاج اور ڈنڈے کھانے کے سب کچھ بھول چکا ہے۔اس کی دلیل حلقہ این اے ۱۲۰ میں ہونے والے الیکشن کا نتیجہ ہے۔جماعت اسلامی جیسی قدیم جماعت جو سارا سال خبروں میں رہتی ہے بمشکل پانچ سو اور کچھ اوپر ووٹ لے پائی ہے، جسے انتہائی مایوس کن سمجھا جا رہا ہے۔اس قدیم اسلامی جماعت کے بالمقابل ایک بالکل نئی نئی پیدا ہونے والی پارٹی تحریک لبیک تھی جس نے ۷ ہزار سے اوپر ووٹ لے کر تمام مذہبی سیاسی پارٹیوں کو شرمندہ کر دیا ہے۔پاکستانی قوم کے لیے شرمندگی کا باعث یہ ہے کہ ایسی پارٹی کو زیادہ ووٹ ملے جس نے ممتاز قادری جیسے قاتل کا نعرہ لگا کر الیکشن میں حصہ لیا تھا۔جس طرح سرکاری وسائل کو بعض سیاستدان نہایت بے دردی سے استعمال کرتے ہیں اسی طرح این اے ۱۲۰ میں قائم سینکڑوں مساجد اور مدارس کو سیاسی سرگرمیوں کے لیے استعمال کیا گیا۔مساجد و مدارس کی دیواریں مولانا حضرات کی تصاویر والے پوسٹروں سے اٹی پڑی تھیں،ممتاز قادری ان میں نمایاں کردار تھا۔

ملائشیا میں اقلیتوں کی حالت زار

ملائشیا میں غیر مسلم اقلیتوں اور مسلم اقلیتی فرقوں پر ہونے والی زیادتیوں کے متعلق چند تلخ حقائق پیش خدمت ہیں۔

ملائشیا کی آبادی ۲۷ ملین سے زائد ہے۔کل آبادی کا ۶۱ اعشاریہ تین فیصد حصہ مسلمان ،۱۹ اعشاریہ آٹھ فیصد بودھ ازم، ۹ اعشاریہ دو فیصد عیسائی، ۶ اعشاریہ تین فیصد ہندو اور ۱ اعشاریہ تین فیصد روائتی چینی مذہب پر مشتمل ہے۔ملائشیا میں مذہبی آزادی کا دعویٰ انتہائی متنازعہ ہے۔

ملائشیا میں دو طرح کی عدالتیں کام کرتی ہیں۔ایک شریعہ اور ایک سیکولر۔شریعہ عدالتیں اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کرتی ہیں اور شریعہ کے اصوم سلاطین نے بنائے ہیں،ان عدالتوں میں صرف مسلمان ہی کے مقدمات کا فیصلہ ہوتا ہے اور سیکولر عدالتوں کے لیے پارلیمنٹ قانون بناتی ہے۔شریعت کورٹ میں مسلمانوں کے حق میں ہونے والے فیصلے اکثر غیر مسلموں کے لیے اذیت ناک ہوتے ہیں اور انہیں ان فیصلوں کو سیکولر عدالتوں میں لے جانا پڑتا ہے۔اسی طرح سیکولر عدالتوں کے فیصلے شریعت کورٹ لے جانے پڑتے ہیں۔اور یہ اپیل،اپیل کا کھیل مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے مصیبت بنا ہوا ہے۔ملائشین ملایا صرف مسلمان ہی کہلا سکتا ہے ۲۰۰۱ء میں مہاتیر محمد نے ملائشیا کو اسلامی ریاست قرار دیا تھا جس کی اپوزیشن نے سخت مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ آئین کے مطابق ملائشیا سیکولر ریاست ہے۔

مذہبی تعلیم نصاب کا لازمی حصہ ہے۔مرتد کی سزا موت ہے۔ایک صوبہ میں ایک شریعہ قانون میں ہے کہ مرتد کو ایک سال سوچنے کا موقع دیا جائے اور اسلامی جماعت PAS کے مطابق اگر کچھ عرصہ بعد بھی مرتد ،مسلمان نہیں ہوتا تو اس کی سزا موت ہے۔مسلمان کا اعلانیہ کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنا نہایت مشکل ہے۔کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنے والے دوہری زندگی گزارتے ہیں۔Negeri Sembilan ملائشیا کی واحد ریاست ہے جہاں شریعہ کورٹ ایک سال تک مرتد کو سمجھانے کے بعد نہ ماننے کی صورت میں غیر مسلم ہونے کا اجازت نامہ دے دیتی ہے۔اکثر صوبوں میں مرتد ہونا قابل سزا جرم ہے۔ National

Registration Department (NRD) نے صرف ایک مرتبہ ایک خاتون Lina Joy نامی کو سرکاری طور پر مذہب تبدیل کرنے اور نیا عیسائی نام رکھنے کی اجازت دی مگر چند ماہ بعد شریعہ کورٹ نے اس فیصلے کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ NRD یہ فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ پھر چند ماہ بعد NRD نے عیسائی نام رکھنے کی اجازت برقرار رکھی اور تبدیلی مذہب کے لیے سرکاری دستاویز دینے سے انکار کر دیا۔

ملائشیا میں شیعہ حضرات بھی مشکل میں ہیں۔ حکومت کے اعداد و شمار کے مطابق ملائشیا میں چالیس ہزار شیعہ مسلمان رہتے ہیں مگر غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق یہ تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہے۔ ان کے ساتھ عقیدے کے اختلاف کی وجہ سے نہایت ظالمانہ سلوک کیا جاتا ہے۔ ۱۹۹۶ء میں قومی فتویٰ کونسل نے ایک حکم جاری کیا تھا کہ شیعہ مسلمانوں کو ان کے مذہب پر عمل کرنے سے روک دیا جائے۔ اس حکم کے نتیجے میں شیعہ حضرات چھپ کر عبادت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اسی طرح ایک اور مسلمان کہلانے والی مسلم جماعت احمدیہ کے افراد پر Selangor Islamic Religious Council ملائشیا نے ۲۰۰۹ء میں ایک حکم کے ذریعہ جامعہ مرکزی مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے پر پابندی لگا دی۔ اور حکم عدولی کی صورت میں ایک برس قید یا جرمانہ یا دونوں سزاؤں کا اعلان کیا گیا۔ اور مسجد کے باہر بہت بڑے سائز کا پوسٹر چسپاں کر دیا گیا جس میں لکھا گیا تھا کہ احمدیت اسلامی مذہب نہیں ہے۔ دہریت کے متعلق ۲۰۱۷ء کہا گیا ہے کہ دہریت آئین اور بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہے۔ دہریہ افراد کو فوراً شکار کر لیا جاتا ہے۔ group Atheist Republic کے متعلق بھی تفتیش کی جارہی ہے۔

۲۰۰۲ء میں بائبل پر پابندی لگا دی گئی۔ ایسی تمام غیر مسلموں کی کتابیں جن میں اللہ لکھا گیا ہے ان کے ملائشیا آنے پر پابندی ہے۔ جنوری ۲۰۰۸ء میں عیسائیوں کی طرف سے شائع کی گئی عیسائی بچوں کے لیے کہانیوں کی کتابوں کو ملک بھر کے بک اسٹور سے اٹھا دیا گیا تھا۔ غیر مسلموں کے اللہ کہنے پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ (عیسائیوں کے اللہ کہنے سے ملائشین مسلمان کنفیوژن محسوس کرتے تھے۔ اس لیے نظموں کی سی ڈیز اور وہ کتابیں جن میں لفظ اللہ لکھا تھا ضائع کر دیا گیا تھا) اسی طرح غیر مسلموں کی طرف سے شائع شدہ ان کتب کے تراجم پر بھی پابندی لگا دی گئی جن میں ''اللہ'' لکھا تھا۔ گزشتہ دس برس سے مسیحیوں کو کیتھولک چرچ بنانے کی

اجازت اب تک نہیں ملی۔جبکہ ۲۰۱۰ء میں چودہ گرجا گھر جلا دیئے گئے تھے۔۹ فیصد آبادی والے ہندوؤں کے ۲۰۰۶ء میں کئی مندر حکومت کی طرف سے ترقیاتی کاموں کے بہانے گرا دیے گئے تھے۔ایک ساٹھ برس پرانا مندر بھی گرا دیا گیا تھا۔ ہندو کہتے ہیں کہ اوسطاً تین ہفتے میں ایک مندر تباہ کیا گیا۔شاہ عالم نامی شہر میں جب مندر تعمیر کرنے کی ہندوؤں نے اجازت مانگی تو مسلمان عوام نے سخت مظاہرہ کیا۔اس مظاہرے کی اہم بات یہ تھی کہ گائے جسے ہندو مقدس مانتے ہیں ان کے سر کاٹ کر جنونی مسلمان لہرا رہے تھے۔ملائشیا میں لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینا بھی مسئلہ بنا ہوا ہے۔لاؤڈ اسپیکر سے دی جانے والی بلند آواز میں پانچ وقت اذان چالیس فیصد سے زائد غیر مسلموں کے لیے پریشانی کا باعث ہے۔ملائشیا میں غیر مسلموں کے لیے اللہ،فرمان اللہ،علماء قاضی، الٰہی، مبلغ، شریعہ، مفتی، حاجی، رسول، نبی، ولی اللہ، ایمان، امام، شیخ،اذان، القرآن، بیت اللہ،تقویٰ،مصلہ،صحابہ،قبلہ،خطبہ،زکوٰۃ فطرہ وغیرہ کہنے پر پابندی ہے خلاف ورزی کرنے والے کو تین سال قید تک ہوسکتی ہے۔ان الفاظ کو کوئی غیر مسلم نہ بول سکتا ہے نہ لکھ سکتا ہے، نہ ترجمہ کرسکتا ہے اور نہ شائع کرسکتا ہے۔)

(Under subsection 48(3) and (4) of the Penang Islamic Religious Administration Enactment 2004)

ملائشیا میں یہودیوں کی تعداد بہت کم ہے کوئی یہودی یا کسی اور مذہب کا شخص آزادانہ اسرائیل کی سلامتی نہیں مانگ سکتا اور نہ آزادانہ اسرائیل کے متعلق بات کرسکتا ہے۔جرم ثابت ہونے پر جرمانہ یا تین سال قید ہوسکتی ہے۔دوسری بار یہی جرم کرنے پر سزا ۵ برس ہوگی۔ یہودی عبادت کی چیزیں مثلاً تورات کا پلندہ کہیں بھی بھیجنا جرم ہے۔ Islamic Affairs Department کے مطابق یہودی مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں ۱۹۸۴ء میں ملائشیا آنے والے آرکسٹرا نے اپنا دورہ اس وجہ سے کینسل کر دیا کہ ملائشین وزیر اطلاعات نے دھنیں ترتیب دینے والے یہودی موسیقار کو گروپ سے نکالنے کے لیے کہا تھا۔

۲۰۰۸ء میں یوگا پر پابندی عائد کردی گئی تھی ،قومی فتویٰ کونسل کے سربراہ عبدالشکور حسین نے اپنے فتویٰ میں کہا تھا کہ یوگا کا تعلق ہندو مذہب سے ہے،اس طریقہ ورزش میں ہندو مذہبی عنصر موجود ہے۔خواتین

کے ٹراؤزر، چست پاجامے پہننے کے خلاف بھی سرکاری مذہبی ادارہ قومی فتویٰ کونسل فتویٰ دے چکا ہے جس سے مسلمانوں میں تقسیم کا عمل شروع ہو چکا ہے۔فتویٰ کونسل کے چیئر مین مفتی عبدالشکور حسین نے اس فتویٰ پر تنقید کرنے والوں کو کہا تھا کہ فیصلہ کے بارے میں سوال نہ اٹھائے جائیں۔

معزز قارئین! نہایت مختصر طور پر ملائشیا کے مذہبی چہرے کا نقاب اٹھایا گیا ہے۔عجیب بات یہ ہے کہ مسلمان ممالک میں مرتد کی سزا موت بتائی جاتی ہے مگر اس طرح کے مذہبی فتوے لوگوں کو مسلمان رہنے پر مجبور کر سکتے ہیں سوچ کو نہیں بدل سکتے۔ملائشیا کا ایک صوبہ Negeri Sembilan وہ واحد صوبہ ہے جہاں مذہب تبدیل کرنے کی اجازت ہے وہاں ۲۰۰۵ء میں ۸۴۰ مسلمانوں نے اسلام چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرنے کی اجازت طلب کی، اس کے بالمقابل جہاں جبر تھا، وہاں خاموشی تھی۔اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **لا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ**۔ دین میں کوئی جبر نہیں۔

”سلطان محمد بن تغلق، انصاف اور نماز“

ابن بطوطہ لکھتا ہے: ”ایک مرتبہ سلطان محمد بن تغلق کے خلاف ایک ہندو نے عدالت میں استغاثہ کیا کہ بادشاہ نے اس کے لڑکے کو بے وجہ مارا ہے۔قاضی نے بادشاہ کو مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں طلب کیا اور مقدمہ کی سماعت کی۔آخر یہ فیصلہ کیا کہ بادشاہ پر جرم ثابت ہے اور اس سے بدلہ لیا جائے۔سلطان محمد بن تغلق نے بے چون و چرا عدالت کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم سر کر دیا۔میں نے دیکھا کہ بادشاہ نے عدالت کے فیصلہ کے مطابق ہندوزادہ کو دربار میں بلایا اور اس کے ہاتھ میں چھڑی دے کر کہا کہ لے مجھ سے بدلہ لے لے۔مزید برآں لڑکے کو اپنے سر کی قسم دے کر کہا کہ جس طرح میں نے تجھ کو مارا ہے تو بھی مجھے اسی طرح مار۔ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ اب لڑکے نے بادشاہ کے اکیس چھڑیاں ماریں یہاں تک کہ ایک مرتبہ بادشاہ کی ٹوپی بھی سر سے گر گئی۔“ (سفر نامہ ابن بطوطہ مترجم رئیس احمد جعفری۔طبع پنجم۔جلد ۲ صفحہ ۱۰۳)

مندرجہ بالا واقع لکھنے کے بعد ابن بطوطہ، سلطان محمد بن تغلق کی ایک اور خصوصیت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

”بادشاہ نماز کے بارے میں بہت تاکید کرتا تھا۔اس کا حکم تھا کہ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے اسے سزا دی جائے۔ایک روز اس نے نو آدمی اس بات پر قتل کر ڈالے، ان میں سے ایک مطرب بھی تھا۔اس کام پر بہت سے آدمی لگائے ہوئے تھے کہ جماعت کے وقت جو شخص بازار میں مل جائے اسے پکڑ لاؤ۔حکم تھا کہ ہر شخص فرائض نماز و شرائط اسلام سیکھے۔لوگوں سے سوال کیے جاتے تھے اور اگر کوئی اچھی طرح سے جواب نہیں دے سکتا تھا تو سزا ملتی تھی۔“

بدبودار داڑھیں

خلیل جبران نے بہت عرصہ پہلے اس بیماری کی نشان دہی کر دی تھی جس کا ملک شام آج کل شکار ہے۔اگر ناسور بن جانے والی بیماری کا علاج بیماری کے آغاز میں ہی کر دیا جاتا تو سب کچھ ٹھیک رہتا۔ملک شام کا بدن جن ناسوروں کی آماجگاہ بن چکا ہے،ان سے پاک ہوتا۔

خلیل جبران نے کہا تھا:۔

''شامی قوم کے منہ میں بھی،فرسودہ،سیاہ،گندی اور بدبودار داڑھیں ہیں۔ہمارے طبیبوں نے کہا بھی کہ ان کو صاف کر کے ان کے سراخوں کو چمکدار مادوں سے بھر دیں اور اوپر سونے کا پانی چڑھا دیں،لیکن روگ دور نہیں ہوا،اور کبھی نہیں ہوسکتا،جب تک ان داڑھوں کو اُکھاڑ کر پھینک نہ دیا جائے،پھر جس قوم کی داڑھ میں کوئی روگ ہو تو اس کا معدہ بھی ضعیف ہو جاتا ہے۔اور بہت سی قومیں ہیں جو خرابی ہضم کا شکار ہو کر موت کے منہ میں جا چکی ہیں۔

اگر کوئی شام کی کیڑا لگی داڑھ میں دیکھنا چاہتا ہے تو اسے مدرسہ میں جانا چاہیئے جہاں مستقبل کا انسان ان مسائل کو یاد کر رہا ہے جو اخفش نے سبویہ نے سائق اظغان سے یا عدالت میں جانا چاہیئے،جہاں بناوٹ،جھوٹ اور ریاکاری ہے۔یا غریبوں کی چھونپڑی میں جانا چاہیئے جہاں خوف،بزدلی اور جہالت ہے۔شامی قوم اپنی زندگی کی غذا،کیڑا لگی داڑھوں سے چباتی ہے اس لیئے اس کے ہر لقمہ میں زہریلا لعاب شامل ہو جاتا ہے۔اور اس زہریلے لعاب نے ان کی آنتیں تقریباً بے کار کر دی ہیں۔''

(فلسفہ راز حیات صفحہ ۳۶ خلیل جبران)

خلیل جبران کی فراست کو سلام اور شامی قوم کی کم عقلی اور جہالت پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔شام کی صحت یابی کا عمل تبھی شروع ہو سکتا ہے جب شامی قوم کو یہ شعور حاصل ہو جائے کہ ان کی مشکلات اور تباہی کا باعث بننے والے عوامل اور بیماریاں کون کون سی ہیں۔جب تک بیماری پیدا کرنے والے خطرناک جراثیموں کو ہلاک کرنے کا بندوبست نہ کیا جائے،بیماری بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔افسوس صد افسوس! کہ شامی قوم انہی

کیڑوں کو دوست سمجھتی ہے جو دن رات ان کا خون پیتے ہیں۔

پاکستانی قوم کی بیماری کی نوعیت بھی شامی قوم جیسی ہی ہے۔جس طرح کی شامی قوم کے منہ میں، فرسودہ، سیاہ، گندی اور بدبودار داڑھیں تھیں، اس طرح کی داڑھوں نے پاکستانی قوم کے جبڑے کو بھی اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ پاکستان میں قائم مدارس میں وہی کچھ ہو رہا ہے جو شامی مدارس میں ہوتا رہا۔ان مدارس میں وہی نصاب پڑھایا جا رہا ہے جس نے شامی قوم کی لٹیا ڈبو دی ہے۔پاکستان میں بھی ناانصافی کے جوہڑ موجود ہیں، جہالت پاکستان کے گلی کوچوں میں راج کرتی ہی چلی جا رہی ہے، جھوٹ کی پوجا بلاخوف و خطر جاری و ساری ہے، ریاکاری نے پوری قوم کو ناقابل اعتبار بنا دیا ہے، ملاوٹ اور غلیظ پانی نے عوام کی انتڑیاں گلا دی ہیں، سیاستدانوں کے خوف اور بزدلی نے مذہبی درندوں کو طاقتور بنا کر قوم کو ان کا یرغمال بنا دیا ہے۔ اگر باغیرت، محبّ وطن اور بہادر سرجن اب بھی نہ جاگے تو لاکھوں افراد موت کے منہ میں جا سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ رحم فرماتے ہوئے میری قوم کو سیدھا رستہ دکھائے۔آمین

☆☆☆

عمران خان اور مولوی

جب ہم بہت عرصہ پہلے کہتے تھے کہ عمران خان کے پیٹ میں داڑھی ہے تو لوگ ہمارا مذاق اڑاتے تھے کہ یہ پاگل کلین شیو، آکسفورڈ کے پڑھے لکھے کو مولوی عمران خان کہتا ہے۔جب عمران نے اپنے ولیمہ کی دعوت مدرسہ میں کی، تو کچھ لوگ سوچ میں پڑ گئے، جب مولانا سمیع الحق ان سے تیس کروڑ روپے اینٹھ چکے تو ہمارے کرم فرماؤں کی جبینوں پر شکنیں نمودار ہو گئیں اور اب جبکہ طالبان کے باپ مولانا سمیع الحق، عمران کے سیاسی اتحادی بن کر تین ارب روپے امام مساجد کے نام کروا چکے ہیں، سبھی عقلمند انہیں مولوی عمران خان سمجھتے ہیں۔مشہور تجزیہ کار خادم حسین صاحب نے سچ کہا ہے کہ ''تحریک انصاف کے جو حامی ہیں وہ عموماً اپنی انفرادیت کے حوالے سے لبرل نظر آتے ہیں لیکن خیال اور تفکر کے حوالے سے وہ رجعت پسند تفکرات رکھتے ہیں یا ایسے خیالات رکھتے ہیں جو دراصل انتہا پسند مکتب فکر کے زیادہ قریب ہیں۔'' دیکھیے عمران خان مستقبل میں کس طرح کے گل کھلاتے ہیں۔

علم طب کا امام

ابو بکر محمدا بن زکریا رازی

مشہور فلسفی،طبیب ، ہیت دان ، کیمیا دان،ماہر علم نجوم ، ماہر طبیعات، ماہر ریاضیات اور ماہر حیاتیات ابوبکر محمد ابن زکریا رازی کو طب کی دنیا میں علم طب کا امام کہا جاتا ہے۔انہیں مغرب Rhazes یا Rasis کے نام سے جانتا ہے۔ابوبکر محمد بن الرازی ۱۷ اگست ۸۶۰ء کو ایران کے شہر ''رے'' جو تہران کے قریب واقع ہے میں پیدا ہوئے۔رازی کو دیا گیا ایک لقب جالینوس العرب بھی ہے۔کہا جاتا ہے کہ بقراط نے طب ایجاد کیا، جالینوس نے طب کا احیاء کیا اور رازی نے متفرق سلسلہ ہائے طب کو جمع کر دیا، جو ناقص تھا اسے کامل کیا۔

بچپن میں رازی کو موسیقی سے بہت دلچسپی تھی ،عود بجایا کرتے تھے۔لا ابالی زندگی کا شادی کے بندھن نے خاتمہ کر دیا۔فکر معاش نے انہیں کیمیا گری کی طرف مائل کر دیا۔اس شوق نے ان کی آنکھوں کو شدید نقصان پہنچایا۔کہا جاتا ہے کہ آنکھوں کے علاج کے لیے طبیب نے ان سے موٹی رقم لی۔طبیب کی مہارت کو دیکھ کر رازی نے کیمیا گری کو خیر باد کہا اور علم طب کی تلاش میں بغداد پہنچے اور علی بن سہل کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔اس کے علاوہ اس وقت بغداد میں موجود ''فردوس الحکمت'' کے نامور مصنف علی بن ابن طبری زندہ تھے،رازی نے اس استاد سے طب کے بہت سے رموز سیکھے اور ان میں کمال حاصل کیا بہت جلد وہ ماہر طبیبوں کی صف میں شامل ہو گئے۔رازی بہت جلد اسپتالوں کے نگران مقرر کر دیے گئے۔رازی کی بطور طبیب شہرت کی وجہ ان کا توجہ سے دیکھنا،اس کا سخی ہونا اور غریبوں سے ہمدردی کا اظہار بنا۔رازی اپنے مریضوں کو اکثر دوائیں اور پرہیزی کھانے مفت میں دیتے تھے۔رازی غذا سے علاج کو فوقیت دیتے تھے ان کا قول ہے کہ جب تک علاج غذاؤں سے ممکن ہو دواؤں کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

رازی نے علم طب کو بامِ عروج تک پہنچایا۔رازی نے سرکاری اسپتالوں کے نظام اور ضابطوں کو بہتر کیا، مختلف طبی شعبے بنائے ،دواؤں پر تحقیق ومشاہدہ کے لیے علیحدہ شعبہ جات کو قائم کیا، اسپتالوں میں پہلی

مرتبہ ابتدائی طبی امداد کا طریقہ ایجاد کیا۔ جب حکومت نے ایک بڑا اسپتال بنانے کا اعلان کیا اور اس کی ذمہ داری رازی کو سونپی تو رازی نے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے مختلف مقامات پر رکھوا دیے، اطباء سے کئی روز تک ان گوشت کے ٹکڑوں کا مشاہدہ کروایا اور جس گوشت کے ٹکڑے پر سب سے کم منفی اثرات پڑے تھے وہاں کی فضا اچھی ہونے کی وجہ سے اسپتال کی تعمیر شروع کروادی۔ اس بغداد کے سب سے بڑے اسپتال میں بحیثیت سربراہ رازی نے ۱۴ سال تک انسانوں کی خدمت کی توفیق پائی۔

رازی کا سب سے بڑا کارنامہ چیچک جیسی خوفناک بیماری پر تحقیق ہے۔ چیچک کو اس زمانے لاعلاج مرض سمجھا جاتا تھا رازی نے چیچک کے اسباب، احتیاط اور علاج دریافت کیا۔ رازی نے ایک کتاب اس موذی مرض پر لکھی تھی جو چیچک کے موضوع پر لکھی جانے والی پہلی کتاب تھی۔ اس کتاب کا نام ''کتاب الجدری و الحصبۃ'' تھا۔ یہ کتاب یورپ میں صدیوں پڑھائی جاتی رہی۔ نیو برگ کے مطابق یہ کتاب عربوں کے طبی لٹریچر میں ایک زیور کی حیثیت رکھتا ہے۔ موصوف نے یہ بھی کہا ہے کہ وبائی امراض کی تاریخ میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ رازی بڑے روشن ضمیر اور ذی ہوش طبیب تھے۔ جارج سارٹن جس نے ہسٹری آف سائنس پر تحقیق کے لیے عربی زبان بھی سیکھی تھی اور عرب کتابوں کے اصل مسودے دیکھے تھے رازی کے متعلق لکھتا ہے کہ

His treatise on small pox and measles was a master piece of direct observation and clinical analyses it was the first accurate study of infectious disease,the effort to distinguish the two ailments .We may judge its influence and repute by forty English editions between 1498 and 1866.

یعنی چیچک اور خسرے کے موضوع پر ان کا رسالہ براہ راست معائنے اور کلینکل تجزیے کا شاہکار ہے۔ یہ متعدی امراض کا پہلا باقاعدہ رسالہ ہے اور دو بیماریوں میں فرق کرنے کی پہلی کوشش ہے، ہم اس کے اثرات اور شہرت کا اندازہ انچاس انگلش ایڈیشنوں سے کر سکتے ہیں جو ۱۸۶۶ء تا ۱۴۹۸ء شائع ہوئے۔

(introduction to the history of science vol.1 page 677)

طب کو موضوع پر رازی نے ایک سو کتابیں لکھی ہیں۔رازی نے مختلف موضوعات پر تقریباً اڑھائی سو کتابیں تصنیف کی ہیں۔رازی کی مشہور ترین کتاب الحاوی اس کے تجربات،خیالات اور نظریات کا نچوڑ ہے۔اس کتاب کو Liber continents لاطینی زبان میں کہا جاتا ہے۔اس کتاب کا ترجمہ ۱۲۷۹ء میں ہوا تھا۔اس کتاب کے متعلق ول وران لکھتے ہیں کہ:۔

Translated into Latin liber continents, was probably most highly respected and frequently used medical text book in the world for centuries , it was one of the main book that composed the whole liberary of the medical at the university of Paris in 1395. [The age of faith p.642]

ترجمہ:اس کا لاطینی ترجمہ Latin liber continents کے عنوان سے شائع ہوا یہ غالباً سفید دنیا میں صدیوں تک سب سے محترم اور سب سے زیادہ مطالعہ کی جانے والی نصابی کتاب بنی رہی ۱۳۹۵ء میں پیرس کی یونیورسٹی کی میڈیکل فیکلٹی میں یہ ایک نمایاں کتاب تھی۔

الحاوی کا ترجمہ ۲۵ جلدوں پر مشتمل ہے ۱۴۸۶ء اور ۱۵۴۲ء کے دوران اس کتاب کے ۱۵ ایڈیشن شائع ہوئے تھے۔رازی کی ایک اور کتاب المنصوری جو دس جلدوں پر مشتمل ہے کے متعلق ول دوران کہتے ہیں کہ

Themost famous of Alrazi works was a ten volume survey of medicine ,the kitab Al mansuri ,Gerar of ceremona translated it into Latin.,the ninth volume of this translation the Al mansuri was a popular text in Europe till the sixteenth century.[The age of faith p.247 by will durant]

ترجمہ:رازی کی سب سے مشہور تصنیف کتاب المنصوری دس جلدوں پر مشتمل ہے اس کا ترجمہ جرار القرمونی نے لاطینی میں کیا،ترجمے کی نویں جلد جس کا نام نونزالمصوریس تھا سولہویں صدی تک یورپ کی مقبول ترین نصابی کتاب تھی۔

رازی کا ایک اور کارنامہ آلات جراحی بنانا ہے۔رازی نے عملِ جراحی میں ایک نہایت کارآمد آلہ بنایا جس کو Setion یعنی نشتر کہتے ہیں۔الکحل کا موجد بھی رازی کو مانا جاتا ہے۔گردے اور مثانے کی پتھری

کے متعلق ایک کتاب لکھی اس کا فرانسیسی زبان میں ۱۸۹۶ء میں اس کا ترجمہ عربی متن کے ساتھ کیا گیا۔ زکریا الرازی نے ہی سب سے پہلے انکشاف کیا کہ آنکھ کی پتلی روشنی سے ردعمل کرتی ہے۔

رازی بلاشبہ آسمانِ طب پر چمکنے والا روشن ترین ستارہ تھا۔ ۱۹۲۳ء کو جب بین الاقوامی طبی کانگریس لندن میں منعقد ہوئی تو شرکاء کانفرنس نے فن طب پر رازی کی تحقیقات، تجربات اور نظریات پر خاص طور پر مضامین پڑھے گئے اور رازی کو فن طب کا امام تسلیم کیا گیا۔ یہ رازی کی گرانقدر خدمات ہی کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۳۰ء کو رازی کی ہزار سالہ برسی فرانس کے شہر پیرس میں بڑی شان وشوکت سے منائی گئی۔ انسانیت کی خدمت کرنے والا یہ عظیم عالم ۹۳۲ء کو تقریباً ۹۲ برس کی عمر میں وفات پا گیا۔ اللہ تعالیٰ رازی سے راضی ہو اور اسے اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹ لے۔ آمین۔

☆☆☆

دس ہزار روپے

وزیر اعلیٰ خیبر پختونخواہ پرویز خٹک نے صوبے میں موجود تیس ہزار مساجد کے پیش امام صاحبان کے لیے ماہانہ وظیفہ دس ہزار روپے مقرر کر دیا ہے۔ پرویز خٹک نے یہ بھی کہا ہے کہ اتنی معمولی رقم دراصل تنخواہ نہیں بلکہ صوبائی حکومت کی جانب سے علماء اور آئمہ کے بلند مقام کا علامتی اعتراف ہے، ہم معاشرے میں علماء کا احترام بڑھانے میں مزید اقدامات سے بھی گریز نہیں کریں گے۔

پرویز خٹک صاحب شاید ان مولویوں کو نہیں جانتے، سمجھتے۔ ان کی سیاسی رشوت بھی یہ امام ہڑپ کر جائیں گے، گالیاں دیں گے اور ووٹ بھی نہیں دیں گے۔ بہتر یہ ہوتا کہ انہیں کسی کام دھندے پر لگایا جاتا۔ تاکہ ان کی بڑی بڑی توندیں کم ہوتیں اور فتاویٰ بازی بھی کم ہوتی۔ بگڑے تگڑوں کا علاج جوتا ہوتا ہے وظیفہ نہیں۔ مانگے تانگے پر پلنے والوں کی سوچ میں تبدیلی اپنے ہاتھ سے کما کر ہی آسکتی ہے۔ آج کل عالموں کے بھیس میں جاہل لوگ امامت کے لیے مساجد ڈھونڈتے ہیں، بدقسمتی سے ایسے امام، مساجد کمیٹیوں اور عوام کے پسندیدہ امام ہوتے ہیں۔ ضیاء الحق نے بھی جاہل اماموں کو نواز کر سواستیاناس کیا تھا۔

اسلام اورپاکستان خلاف سازش

صرف ایک لفظ ،اسلام ،پاکستان اور آئین کی سلامتی کے لیے خطرہ بن گیا۔شیخ رشید جس کے بارے عمران خان نے کہا تھا کہ ''اسے تو میں اپنا چپڑاسی بھی نہ رکھوں'' نے ثابت کر دیا ہے کہ اس کی اوقات اسمبلی میں بیٹھنے کی نہیں ہے۔شیخ رشید ختم نبوت کے لیے اپنی جان لٹانے کی اور لوگوں کو مر مٹنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔اور ختم نبوت کی شق بالکل محفوظ اور مامون ہے۔جس لفظ نے شیخ رشید اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے تن بدن میں آگ لگا دی ہے، وہ لفظ ہے ''اقرار نامہ'' اس لفظ کو ''حلف نامہ'' کی جگہ لکھ دیا گیا ہے۔وطن عزیز میں بھونچال لانے والے سمجھتے ہیں کہ اگر اس لفظ کو تبدیل نہ کیا گیا تو اسلام نہیں رہے گا اور نہ ہی پاکستان محفوظ رہے گا اور آئین تو رسوا اور ذلیل ہو کر رہ جائے گا۔اور امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث سینیٹر پروفیسر ساجد میر نے کہا ہے کہ ''انتخابی اصلاحات بل میں امیدوار کے لیے ختم نبوت کا ڈکلیریشن شامل ہے۔مَیں اس سلسلے میں سیاسی اور مذہبی راہنماؤں سمیت تمام ناقدین کو مناظرے کا چیلنج دیتا ہوں۔ایک اعلامیے میں ان کا کہنا تھا کہ ''solemn affirmation'' کا مطلب حلف ہی ہوتا ہے،تنقید کرنے والے علماء انگریزی سیکھیں۔''

(روزنامہ امت ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۷ء)

چوہدری شجاعت جن کا کہا سمجھنے کے لیے ہمہ تن گوش ہونا ضروری ہوتا ہے، وہ اتنے پرجوش ہو گئے کہ وہ یہ بھی بھول گئے کہ وہ ساری عمر سرگوشی میں بات کرتے رہے ہیں۔انہوں نے بالکل صاف آواز میں کہا کہ ''حکمران جماعت گناہ کی مرتکب ہوئی ہے،انھیں اللہ بھی معاف نہیں کرے گا،اور وہ مزید ذلیل ورسوا ہوں گے۔''مفتی نعیم نے تو صاف کہہ دیا کہ ''ہمیں معلوم ہے کہ نواز شریف قادیانیوں کا حامی ہے۔'' جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق کو یہ غم نہیں ہے کہ ''حلف نامہ کو اقرار نامہ میں تبدیل کر دیا گیا ہے'' سراج الحق کے پیٹ میں احتجاجی مروڑ اٹھنے کی وجہ ان کے الفاظ میں یہ ہے کہ ''اب اس نئے قانون کے تحت کوئی بھی قادیانی ووٹر لسٹ میں شامل ہوگا۔'' یہ لبیک یا رسول اللہ والے، تحفظ ختم نبوت والے اور چند دوسرے پیشہ ور احتجاجیے سڑکوں پر گلے پھاڑ پھاڑ کر نان اشو کو اشو بنانے کے لیے مرنے مارنے کی دھمکیاں دے کر دنیا بھر کو تماشا دکھا

رہے ہیں۔اور یا مقبول جان بھی آگ بگولا ہیں۔

معزز قارئین! جن مذاہب یا مما لک کی سلامتی ایک لفظ کے آگے پیچھے ہو جانے سے خطرے میں پڑ جاتی ہو،ان مذاہب یا مما لک کی ترقی ہونا ناممکن ہے۔اور لفظ بھی وہ جس کا نہ کاروبار مملکت سے کوئی تعلق ہو اور نہ مذہب کی تعلیمات سے۔عجیب بات یہ ہے کہ پاکستان میں پچانوے تا ستانوے فیصد مسلمان کہلانے والے بستے ہیں،ان سے حلفیہ بیان لیا جاتا ہے کہ وہ ختم نبوت پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں،حالانکہ یہ تمام مسلمان کہلانے والے قرآن پر یقین رکھتے ہیں اور ہر اسلامی فرقہ یہ سمجھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔اور ایسے مسلمانوں کو قطعاً اس قانون سے فرق نہیں پڑتا،قانون کے رہنے یا نہ رہنے سے ان کے اس عقیدے پر کسی طرح کے بھی اثرات مرتب نہیں ہوتے۔اور ہمیں تو یہ بات بیہودہ دکھائی دیتی ہے اور تکلیف دینے والی لگتی ہے کہ باوجود ختم نبوت پر پختہ یقین رکھنے والے سے بار بار حلفیہ بیان لیا جائے یا پوچھا جائے کہ تم قسم کھا کر بتاؤ کہ تم ختم نبوت پر یقین رکھتے ہو یا نہیں۔اسلامی تاریخ یا کسی دوسرے مذہب کی تاریخ میں کبھی ایسا ہوتا کم از کم ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی مذہب کے ماننے والے سے قانوناً حلفیہ بیان بار بار لیا جاتا ہو کہ تم فلاں عقیدہ پر ایمان رکھتے ہو یا نہیں۔اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس عقیدہ ختم نبوت پر حلفیہ بیان لینے کا ہر پاکستانی کو پابند کیوں کیا گیا،آئین پاکستان اسے کیوں ضروری قرار دیتا ہے؟اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ یہ بھی بتا دیا جائے کہ پاکستان میں بسنے والے دوسرے مذاہب جیسے عیسائی، ہندو، سکھ، پارسی وغیرہ مذاہب کے لوگوں کے لیے جن کی تعداد پاکستان میں دو سے تین فیصد ہے،انہیں بھی ختم نبوت قانون کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا،ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ آئین انھیں بھی دوسرے درجے کے شہری قرار دیتا ہے۔کوئی انجان صاحب سوچ سکتے ہیں کہ کیسے؟ وہ اس طرح سے کہ آئین کے مطابق کوئی غیر مسلم ملک کا سربراہ نہیں بن سکتا،ان کے لیے کوٹہ سسٹم ہے،کسی میدان میں بھی انہیں ایک خاص حد سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔اور قادیانیوں (احمدیوں) کو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ قانون کے کہنے سے وہ اپنا عقیدہ چھوڑنے کی بجائے حلفیہ بیان پر خط تنسیخ کھینچ کر قانون کو اس کی اوقات بتاتے ہیں۔

اٹھانویں اور ننانوے فیصد پاکستانیوں کو ختم نبوت کے متعلق قانون ہونے یا نا ہونے سے کوئی

فرق نہیں پڑتا، مسلمان کہلانے والے ختم نبوت پر پختہ یقین ہونے کی وجہ سے اور غیر مسلم اسلام کو اپنا مذہب نہ ماننے کی وجہ سے اس قانون کے کسی بھی پہلو سے شکنجے میں نہیں آتے۔ آیئے اب اس جماعت کی طرف چلتے ہیں جو ستمبر ۱۹۷۴ء تک مسلمان جماعت تھی، جس کے لیے یہ قانون بنایا گیا ہے۔ قادیانی جماعت (احمدیہ مسلم جماعت) کے افراد کی پاکستان میں تعداد تقریباً دوملین ہے۔ ۲۲ کروڑ لوگوں میں اس جماعت کے افراد کی تعداد ایک فیصد سے بھی کم ہے۔ اور اس چھوٹی سے جماعت سے اتنا خطرہ کہ ایک لفظ کی تبدیلی پر پاکستان اور اسلام کی سلامتی داؤ پر لگ جائے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے دن رات بغاوت کرنے والوں سے نپٹنے کے لیے آئین، سیاسی و مذہبی لیڈر بے بس دکھائی دیں، حیرت ہے۔

ختم نبوت کے تعلق میں بانی جماعت احمدیہ لکھتے ہیں:۔

''عقیدہ کی رو سے جو خُدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خُدا ایک ہے اور محمد ﷺ اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔ اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور پر محمدؐ یت کی چادر پہنائی گئی۔'' (کشتیءنوح صفحہ ۱۵،۱۶)

بانی جماعت احمدیہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب چشمۂ معرفت کے صفحہ ۳۲۵ پر لکھتے ہیں:۔

''اور لعنت ہے اُس شخص پر جو آنخضرت ﷺ کے فیض سے علیحدہ ہو کر نبوّت کا دعویٰ کرے۔ مگر یہ نبوّت آنخضرت ﷺ کی نبوّت ہے نہ کوئی نئی نبوّت اور اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ اسلام کی حقانیّت دُنیا پر ظاہر کی جائے۔ اور آنخضرتؐ کی سچائی دکھلائی جائے''۔

اور اللہ تعالیٰ سورۃ المومن کی آیات ۳۵، ۳۶ میں فرماتا ہے:۔

''اور یقیناً تمہارے پاس اِس سے پہلے یوسف بھی کھلے کھلے نشان لے کر آ چکا ہے مگر تم اُس بارہ میں شک میں رہے ہو جو وہ تمہارے پاس لایا یہاں تک کہ جب وہ مَر گیا تو تم کہنے لگے کہ اب اِس کے بعد اللہ ہرگز کوئی رسول مبعوث نہیں کرے گا۔ اِسی طرح اللہ حد سے بڑھنے والے (اور) شکوک میں مبتلا رہنے والے کو گُمراہ ٹھہراتا ہے۔ اُن لوگوں کو جو اللہ کی آیات کے بارہ میں بغیر کسی غالب دلیل کے جو اُن کے پاس آئی ہو

جھگڑتے ہیں۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اُن کے نزدیک بھی جو ایمان لائے ہیں۔ اِسی طرح اللہ ہر متکبر (اور) سخت جابر کے دِل پر مہر لگا دیتا ہے۔‘‘

حضرت یوسفؑ کی اُمّت کے اس عقیدہ رکھنے کو اللہ حد سے بڑھنے والے، شکوک میں مبتلا رہنے، گمراہ، جھگڑالو، متکبر اور سخت جابر قرار دیتا ہے اور اس عقیدہ کے رکھنے کو بہت بڑا گناہ قرار دیتا ہے۔

سورۃ الجن کی آیت ۸ میں ہے کہ ’’اور انہوں نے بھی گمان کیا تھا جیسے تم نے گمان کرلیا کہ اللہ ہرگز کسی کو مبعوث نہ کرے گا۔‘‘

گویا آنحضرت ﷺ سے قبل پہلے نبیوں کی اُمّتیں یہی عقیدہ رکھتی تھیں کہ نبوّت کا دروازہ ہمارے نبی پر بند ہو چکا ہے۔ چنانچہ مسلم الثبوت کے صفحہ ۱۷۰ پر لکھا ہے کہ **اجماع الیھود علٰی ان لا نبی بعدی بعد موسٰیؑ** ۔ یہود کا اجماع ہے کہ موسٰیؑ کے بعد نبی نہیں آئے گا۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ یہ کہا کرتے تھے کہ تورات اور انجیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں شریعتیں کبھی منسوخ نہیں ہوں گی اور اُن کے بعد نبی نہیں آئے گا۔

ہم نے پاکستان کے تقریباً سبھی فرقوں کے بزرگان سلف جو صاحب علم، صاحب الہام تھے انہیں بھی ۹۷ فیصد مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت سے الگ ہی پایا۔ جہاں تک جھوٹی سچی نبوت کا تعلق ہے تو جھوٹ بولنے والوں پر اللہ لعنت بھیجتا ہے اور سچوں سے پیار کرتا ہے۔ اس عاجز کے خیال میں اللہ کی لعنت سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں اور اللہ کے پیار سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ اور ذلت اور عزت انسانی اختیار میں نہیں ہے۔

یہ جو بار بار حلف اٹھاتے ہیں اس بات پر کہ رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں، جھوٹ بولتے ہیں۔ شاید جھوٹ کا لفظ برا لگے مگر درج ذیل مفتی حامد رضا خان قادری کا فتویٰ پڑھ کر یہ لفظ برا نہیں لگے گا۔

مفتی حامد رضا خان قادری سے سوال پوچھا گیا کہ: ’’سچے مسیح رسول اللہ وکلمۃ اللہ کی نسبت یہ سوال کہ اس دوبارہ رجوع میں وہ نبی نہ رہیں گے اور وہ نبوت یا رسالت سے خود مستعفی ہوں گے یا ان کو خدائے تعالیٰ اس عہدہ جلیلہ سے معزول کر کے امتی بنا دئے گا؟‘‘

مفتی حامد رضا خان قادری اجواب: ’’حاش اللہ نہ وہ خود مستعفی ہوں گے نہ کوئی نبی نبوت سے استعفا

دیتا ہے نہ اللہ عزوجل انہیں معزول فرمائے گا نہ کوئی نبی معزول کیا جاتا ہے وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور ہمیشہ نبی رہیں گے اور ضرور محمد رسول اللہ ﷺ کے امتی ہیں اور ہمیشہ امتی رہیں گے۔'' پھر فرماتے ہیں: ''اس عہد عظیم پر حضرت روح اللہ علیہ الصلاۃ والسلام اتریں گے اور باوصف نبوت و رسالت محمد رسول اللہ ﷺ کے امتی و ناصر دین ہو کر رہیں گے۔'' (فتاویٰ حامدیہ از مفتی حامد رضا خاں قادری صفحہ ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۹)

اب صورت حال یہ بنتی ہے کہ امت محمدیہ ؐمیں آنے والا نبی بھی ہوگا اور امتی بھی۔ جماعت احمدیہ کا موقف ہے کہ حضور ﷺ کی پیشگوئیوں کے مطابق آنے والا بانی جماعت احمدیہ کی صورت میں آچکا ہے اور غیر احمدیوں کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کی پیشگوئیوں کے مطابق آنے والا ابھی نہیں آیا۔ پس آئین پاکستان کی رُو سے نا صرف احمدی غیر مسلم ہیں بلکہ آنے والے کو نبی ماننے کی وجہ سے غیر احمدی بھی غیر مسلم ٹھہرتے ہیں۔

بڑے لوگ بڑی باتیں

بقراط نے قانون بنایا تھا کہ ''کوئی شخص جس کے اخلاق اچھے نہ ہوں اسمبلی میں تقریر نہ کر سکے گا۔''

کنفیوشس نے کہا تھا کہ ''جابرانہ حکومت شیر سے بھی زیادہ خوفناک ہوتی ہے۔''

خلیل جبران نے کہا ہے کہ ''وہ گروہ جو اخلاق حسنہ کو اس طرح استعمال کرتا ہے جس طرح ایک عمدہ پوشاک، اس گروہ کے سب لوگ اگر ننگے ہی رہیں تو بہتر ہے، تاکہ ہوا اور سورج ان کی کھال میں سوراخ کر دیں۔''

کیکاؤس کا کہنا ہے کہ ''یہ ایک انتہائی شرمناک بات ہے کہ رکھوالے کے لیے بھی رکھوالے کی ضرورت ہو۔''

افلاطون کا کہنا ہے کہ ''جمہوریت میں کم و بیش ہر چیز کا انتظام و انصرام نکھٹوؤں کے ہاتھ ہی میں ہوتا ہے۔''

صدر پاکستان ممنون حسین نے کہا ہے کہ ''کرپٹ لوگوں کے چہروں پر نحوست آجاتی ہے۔ کرپٹ لوگوں پر اللہ کی لعنت برستی ہے۔ پانامہ لیکس قدرت کی طرف سے آئی ہیں۔ کوئی چھوٹا کوئی بڑا اور کوئی سپر کرپٹ ہے۔ پانامہ لیکس قدرت کی طرف سے لاٹھی ہے۔''

پاکستان کا مطلب کیا؟

امیر تنظیمِ اسلامی حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

''اپنی کرتوتوں کے سبب ہم بھوک اور خوف کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ مسلم لیگ نے پاکستان کا مطلب کیا لا الہٰ الا اللہ کا نعرہ لگا کر پاکستان کا مطالبہ کیا۔ ہم اللہ اور رسولؐ سے کیے گئے وعدے سے منحرف ہو گئے تو اللہ نے بھی ہم سے رُخ پھیر لیا۔ آج حالت یہ ہے کہ ہم دنیا میں ذلیل و رسوا ہو چکے ہیں اور ہماری سلامتی پر ایک بڑا سوالیہ نشان لگ چکا ہے۔''

معزز قارئین! ذلیل و رسوا ہونے کی وجہ جھوٹ جیسے خبیث بت کی پوجا ہی تو ہے۔ حافظ عاکف سعید نے بھی اس جھوٹ کو دہرایا ہے۔ ان کے اس جھوٹ کا پول مسلم لیگی لیڈر اور سابقہ صوبائی وزیر قانون اور ''داغوں کی بہار'' کے عنوان سے اپنے نوائے وقت میں شائع ہونے والے کالموں کا مجموعہ شائع کرنے والے محبّ وطن جناب ملک غلام نبی صاحب نے اپنی کتاب ''قصہ ایک صدی کا'' میں پاش پاش کیا ہے۔ آپ پاکستان میں پہلی آل پاکستان مسلم لیگ کونسل کے اجلاس جو ۱۴ دسمبر ۱۹۴۷ء کو دینا حال کراچی میں قائداعظم کی صدارت میں پہلا اور آخری اجلاس ہوا تھا، لکھتے ہیں:۔

''اس اجلاس میں ایک ہلکی پھلکی داڑھی والے حضرت جن کے نام کے ساتھ شاید بہاری بھی لگا ہوا تھا اٹھے اور قائداعظم سے استفسار کیا کہ قائداعظم ''We have been telling the people'' پاکستان کا مطلب کیا ''لا الہٰ الا اللہ'' اس پر قائداعظم نے فرمایا:۔

''Sit down, sit down, neither I, Working Committee, nor the Council of the All India Muslim League has ever passed such a Resolution wherein I was committed to the people of Pakistan.''

پاکستان کا مطلب کیا لا الہٰ الا اللہ

ہاں البتہ آپ نے چند ووٹ حاصل کرنے کے لیے لگایا ہوگا۔''

(خودنوشت ''ایک صدی کا قصہ'' از ملک غلام نبی۔ شائع کردہ سنگ میل۔ صفحہ ۱۰۶۔ اشاعت ۲۰۰۴ء)

شیرون مسیح کا قتل

۳۰ اگست ۲۰۱۷ء کو نویں کلاس کا ۱۷ سالہ طالب علم شیرون مسیح مذہبی نفرت کی بھینٹ چڑھ گیا۔شیرون مسیح کو بورے والا کے ایم سی پبلک ہائی اسکول میں ہم جماعت شقی القلب لڑکوں نے نہایت بے دردی سے قتل کردیا۔

شیرون مسیح کے ایک ساتھی طالب علم کے مطابق رضا نامی لڑکے اوراس کے ساتھیوں نے شیرون سے کہا کہ کلاس روم سے نکل جاؤ کیونکہ تم پلید ہو۔جب شیرون اسکول میں رکھے پانی کے مٹکے سے پانی پینے لگا تواس سے گلاس چھین لیا۔اس کے پیٹ پرٹانگیں ماریں اور اینٹ کا وار بھی کیا جس سے شیرون مسیح مر گیا۔

معزز قارئین! شیرون مسیح کے قتل کے پیچھے چھپے محرکات کونظر انداز کرتے ہوئے ،وفاقی وصوبائی حکومتوں، پولیس، اساتذہ، نام نہاد دانشوروں اور پاکستان کو بدنامی سے بچانے والے نام نہاد پاکستان کے خیر خواہوں نے اس قتل کو مذہبی منافرت کی بجائے طالب علموں کی آپس کی لڑائی قرار دے کر میڈیا کو آڑے ہاتھوں لیا ہے اور پاکستانی میڈیا نے بھی ہار مان لی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ نام نہاد مولویوں اور نام کے مسلمان خودکو آسمان سے اتری پاک مخلوق خیال کرتے ہیں اور شودروں سے بھی بدتر سلوک غیر مسلموں سے کرتے ہیں۔نفرت کی جس قدر بھی قسمیں دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب پاکستان میں موجود ہیں۔وہ لیڈران جو اس واقعہ کو مذہبی منافرت کا شاخسانہ قرار نہیں دیتے ان کی آنکھیں تو مشال کے قتل پر بھی بند ہی رہیں۔ مشال قتل کیس کی پیروی کے لیے ایک وکیل بھی مہیا نہ کر سکے۔غیر مسلموں سے نفرت کا حال چھوڑیے۔ مسلمانوں کی آپس میں نفرت اور عداوت کے قصے شب و روز دنیا سنتی ہے اور کانوں کو ہاتھ لگاتی ہے۔پاکستان میں سچ کو جھوٹ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے مگر دنیا سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ ہی سمجھتی ہے۔اس عاجز نے اسکولوں اور دفاتر اور گھروں میں مذہبی منافرت کے نظارے سینکڑوں مرتبہ دیکھے ہیں۔اسکولوں میں استاد بھی غیر مسلم طلبا سے امتیازی سلوک کرتے ہیں،کسی استاد سے پوچھیں تو صحیح کہ کیا وہ غیر مسلم کے استعمال شدہ گلاس میں پانی پی سکتا ہے؟ جن مسلمانوں کا غیر مسلموں سے چھو جانا وضو کے ٹوٹنے کا باعث بن جاتا ہو (فتاویٰ

رضویہ) وہاں صرف نفرت کے کانٹے ہی اگتے ہیں۔ پاکستان میں مذہب، برادری اور رتبہ دیکھ کر نفرت یا محبت کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ بہر حال ہم شیرون مسیح کی کم عمری کی موت پر سوائے ندامت، دکھ اور مذمت کے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ شیرون مسیح کی مغفرت فرمائے اور اس کے والدین اور دوسرے لواحقین کو صبر جمیل اور اہل وطن کو عقل سلیم عطا فرمائے۔ آمین

''اجتماع برائے ختم نبوت''

''عورت نے دونوں ہاتھ باندھ کر گود میں رکھے، ٹوٹی ہوئی صدارتی کرسی پر احتیاط سے ٹیک لگائی اور پھر خیالوں میں اداسی سے غرق ہوگئی اور کھڑکی سے آتی روشنی کی چوڑی پٹی میں ناچتے گرد و غبار کے ذروں پر نظریں جما دیں۔ ''نفاذ اردو!'' وہ سوچ رہی تھی۔ ''بروزن نفاذ مارشل لا یا نفاذ ختم نبوت''۔ اس پر پھر ہنسی کا دورہ پڑا۔ گزشتہ ہفتے وہ لاہور میں ایک قدیم مسجد، مسجد وزیر خان دیکھ کر آئی تھی جس کے شکستہ حال Entrance پر جس کے بارعب نیلے اور زمردیں نقش و نگار بتاتے تھے کہ کبھی وہ کتنی حسین و جمیل رہی ہو گی، بڑا سا بینر دیکھا تھا۔ ''اجتماع برائے ختم نبوت'' بالکل یوں محسوس ہو رہا تھا کہ شہر کے کونوں کھدروں سے لاتعداد نبوت کے داعی نکل پڑے ہیں۔ ایک وبا سی پھیل گئی ہے جس کا فوری انسداد بے حد ضروری ہے۔

''یہ سب قادیانیوں (احمدیوں) کی منڈیا رگڑنے کے لیے۔۔۔۔'' تب اس نے افسوس سے سوچا تھا۔ اور بچارے قادیانی (احمدی) کیا کہتے ہیں۔۔۔ ایسا سننے کی کسی کو فرصت نہیں۔ کبھی اسکول کے زمانے میں ایک قادیانی (احمدی) لڑکی اس کی ہم جماعت تھی، وہ خوش بخت اس قدر روزہ، نماز کی پابند تھی کہ اس سے کبھی دوستی نہ ہوسکی تھی۔ وہ روزہ نماز سب بیکار۔ افسوس!''

(فہمیدہ ریاض صاحبہ کے ایک افسانہ ''دفتر میں ایک دن'' سے ایک اقتباس)

قارئین بات اب صرف احمدیوں تک محدود نہیں ہے بلکہ بریلوی، شیعہ اور دیگر فرقوں کے خلاف بھی اسی طرز کے اجتماع ہوتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر لہو بہتا ہے۔ غیر مسلم تو انسان ہی نہیں سمجھے جاتے۔ ختم نبوت کے نام پر مساجد میں ہی نہیں بلکہ بازاروں میں بھی بے شمار دکانیں دن رات کھلی رہتی ہیں۔

جماعت اسلامی اور تحریک لبیک

جماعت اسلامی جو کافی پرانی مذہبی سیاسی جماعت ہے۔آج کل مولانا سراج الحق صاحب اس جماعت کی قیادت کر رہے ہیں۔موصوف نے جب سے قیادت سنبھالی ہے احتجاج ہی کر رہے ہیں۔روہنگیا مسلمانوں پر مظالم دیکھ کر انہیں احتجاج کا ایسا بخار ہوا ہے کہ اترتا ہی نہیں۔کسی زمانے میں کراچی جماعت اسلامی کی دسترس میں تھی،تب انہیں روہنگیا مسلمانوں کے جو کراچی میں آباد ہیں دکھ دکھائی نہیں دیے۔

جماعت اسلامی نے سب سے پرانی جماعت ہونے کے باوجود کچھ کام نہیں کیا سوائے احتجاجوں اور ڈنڈے کھانے کے۔اب تو یوں لگتا ہے کہ اس جماعت کو سوائے احتجاج اور ڈنڈے کھانے کے سب کچھ بھول چکا ہے۔اس کی دلیل حلقہ این اے ۱۲۰ میں ہونے والے الیکشن کا نتیجہ ہے۔جماعت اسلامی جیسی قدیم جماعت جو سارا سال خبروں میں رہتی ہے بمشکل پانچ سو اور کچھ اوپر ووٹ لے پائی ہے،جسے انتہائی مایوس کن سمجھا جا رہا ہے۔اس قدیم اسلامی جماعت کے بالمقابل ایک بالکل نئی نئی پیدا ہونے والی پارٹی لبیک یا رسول اللہ تھی جس نے سات ہزار سے اوپر ووٹ لے کر تمام مذہبی سیاسی پارٹیوں کو شرمندہ کر دیا ہے۔پاکستانی قوم کے لیے شرمندگی کا باعث یہ ہے کہ ایسی پارٹی کو زیادہ ووٹ ملے جس نے ممتاز قادری جیسے بدنام قاتل کا نعرہ لگا کر الیکشن میں حصہ لیا تھا۔جس طرح سرکاری وسائل کو بعض سیاستدان نہایت بے دردی سے استعمال کرتے ہیں اسی طرح این اے ۱۲۰ میں قائم سینکڑوں مساجد اور مدارس کو سیاسی سرگرمیوں کے لیے استعمال کیا گیا۔مساجد و مدارس کی دیواریں مولانا حضرات کی تصاویر والے پوسٹروں سے اٹی پڑی تھیں،ممتاز قادری ان میں نمایاں کردار تھا۔ڈان اخبار اس ضمن میں لکھتا ہے:۔

The by-election also saw revival of the use of places of worship for politicking as the candidates backed by the MML and LBY made mosques as their “base camps” for their electioneering.

Allama Khadim Hussain Rizvi-led LYR, which belongs to

the Barelvi school of thought, fully took advantage of 100-plus mosques in the area for Azhar Husain's campaign.Allama Rizvi used harsh language against the ruling PML-N for hanging Mumtaz Qadri.

The MML made Masjid Al-Qadisia, the JuD headquarters which also happens to be situated in the very constituency, as its main election office. It also made use of other mosques of the Ahle Hadith school of thought, around 40 in number, in the area for seeking votes for Yaqoob Sheikh, who bagged 5,822 votes to stand fourth. (بشکریہ ڈان پاکستان ۱۹ستمبر ۲۰۱۷ء)

☆☆☆

مسلمان یا کافر نہیں ہوتا

۷اکتوبر کو قومی اسمبلی میں خطاب کرتے ہوئے احسن اقبال نے کہا ہے:۔

''اسلامی ریاست میں جہاد کا اعلان کرنا صرف ریاست کا حق ہے، لوگوں کے کفر اور اسلام کے فیصلے نہ سوشل میڈیا پر ہو سکتے ہیں نہ ہر محلّہ اور مسجد سے جہاد کے فتوے جاری کیے جا سکتے ہیں۔ حب اللہ اور حب رسولؐ کا کوئی ٹھیکیدار نہیں جس سے دوسروں کے لیے سرٹیفکیٹ لینا ضروری ہے۔''

احسن اقبال صاحب سے بہت سے معاملات پر ہمارا اختلاف ہے مگر ان کا یہ بیان تحسین کے قابل ہے۔ ہم صرف ایک گزارش ضرور کریں گے کہ سوشل میڈیا، محلّہ اور مسجد کے ساتھ ساتھ سیاسی و مذہبی لیڈروں کو بھی اس لسٹ میں شامل کرنا ضروری ہے۔ حب اللہ اور حب رسولؐ کے لیے یقیناً کسی ٹھیکیدار سے سرٹیفکیٹ لینے کی ضرورت نہیں، چاہے وہ حکومت ہی کیوں نہ ہو۔ حکومت یا اور کسی کے بھی کہنے سے کوئی بھی مسلمان یا کافر نہیں ہوتا۔ جب ایسا ہی ہے تو ریاست اور مولوی کیوں ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں؟ اس سوال کا جواب ناں ریاست دیتی ہے اور ناں ہی جج، سیاستدان اور مفتی دیتے ہیں۔ ابن رشد جنہیں زندیق کہا جاتا تھا نے کہا تھا کہ ریاست کو مذہب سے جدا ہونا چاہیے اس کے اس مشورے پر عمل کر کے یورپ نے ترقی کی منازل طے کی ہیں۔ ابن رشد کی بات نہ مان کر مسلمان ذلیل ہو گئے۔

نا اہل و کمینے

دل بغض و حسد سے رنجور نہ کر ، یہ نور خدا ہے اسے بے نور نہ کر
نا اہل و کمینے کی خوشامد سے تجھ کو ، جنت بھی ملے تو قبول نہ کر

پاکستان کے تیسری بار منتخب ہونے والے وزیراعظم نواز شریف جنہیں سپریم کورٹ نے نااہل قرار دیا تھا،اب وہ انتخابی اصلاحات بل ۲۰۱۷ء کے قانون بن جانے کے بعد مسلم لیگ ن کے نااہل پارٹی سربراہ بن گئے ہیں۔اور ایسا کرنے سے وہ دنیا کے پہلے نااہل کے ساتھ ساتھ کمینے بھی بن گئے ہیں۔یہ بھی درست ہے کہ نااہل وزیراعظم ،ججوں کو نااہل اور کمینے سمجھتے ہیں اور اپنے دل کو نور خدا سمجھتے ہیں۔جج نا اہل و کمینے ہیں یا نواز شریف اس کا فیصلہ کبھی نہ ہوسکے گا ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ ججوں کو نااہل اور کمینے کہیں اور کچھ نواز شریف کو۔حلقہ این اے ۱۲۰ کی عوام نے ججوں کو بڑے کمینے اور نااہل ثابت کر دیا ہے۔پاکستان میں ایک طبقہ ان دونوں سے بڑا کمینہ اور نااہل اس کو سمجھتا ہے جو انگلی دکھاتا ہے۔جس کے اشارے پر چھوٹے بڑے نااہل اور کمینے پیدا ہوتے ہیں۔بہرحال نااہل اور کمینہ کوئی ہو،چھوٹا ہو یا بڑا اس سے خیر کی امید رکھنا بیوقوفی کے سوا کچھ نہیں۔

آیئے ہم بھی آپ کو شاعرانہ زبان میں کمینوں کی تعریف سناتے ہیں۔

زنا زادے مری عزت بھی گستاخانہ کرتے ہیں
کمینے شرم بھی اب مجھ سے بے شرمانہ کرتے ہیں

جون ایلیاء

سب نقش اس فلک کے نگینے پہ آ رہے
کار جہاں تمام کمینے پہ آ رہے

میر حسن

اور سراج اورنگ آبادی نے کیا خوب کہا ہے کہ

عاشقوں کوں ہے لذت دشنام
ہر کمینے کوں یہ خطاب نہ دے

سراج اورنگ آبادی

سننے والو غور نہ کرنا ورنہ ہمیں ٹھکرا دو گے
ہم اندر سے سخت کمینے باہر سے دیوانے ہیں

جمیل الدین عالی

ہو گئے حکمراں کمینے لوگ
خاک میں مل گئے نگینے لوگ

حبیب جالب

تیرے بندے بہت کمینے ہیں
حوصلے پست ہو گئے مولا

نعیم سرمد

یہی ہے وقت بولو فرحتؔ احساس
کہ ہر جانب کمینے بولتے ہیں

فرحتؔ احساس

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر
ہیں آدمی ہی صاحب عزت بھی اور حقیر

نظیر اکبرآبادی

غیر کی بات پر نہ جاؤ تم
کیوں الجھتے ہو اس کمینے سے

ہاجر دہلوی

غیر متزلزل ایمان

وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف نے کہا ہے کہ:۔

''ختم نبوت پر ہمارا ایمان غیر متزلزل ہے''

قارئین کرام سچ بات یہی ہے کہ جس کا ایمان غیر متزلزل ہوتا ہے انہیں بار بار قسم اٹھا کر یقین نہیں دلانا پڑتا۔ جب بھی نواز شریف کو عہدہ سے فارغ کیا جاتا ہے انہیں ختم نبوت کا عقیدہ یاد آ جاتا ہے۔ پچھلی بار بھی جب جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کو گرفتار کر کے ذلت و رسوائی سے دوچار کیا تھا تب بھی کلثوم نواز صاحبہ نے ،نواز شریف کے بچاؤ کے لیے ختم نبوت کے نام پر پاکستانی قوم کو مشتعل کرنے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے چیخ چیخ کر کہا تھا:۔

''اسلام کی دھرتی صوبہ سرحد میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کرتی ہوں کہ اب گھر گھر غازی علم دین رحمتہ اللہ علیہ شہید پیدا کرنے ہوں گے۔ مَیں تمام مکاتب فکر کے علماء ومشائخ کو دعوت دیتی ہوں کہ وہ اپنے فروعی اختلافات بھلا کر ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ کے لیے اکٹھے ہو جائیں۔ آج اگر علماء ون پوائنٹ ایجنڈا تحفظ ختم نبوت پر اکٹھے نہ ہوئے تو یاد رکھو! قیامت کے دن کس منہ سے حضور پاک ﷺ کی شفاعت کی بھیک مانگو گے۔ آج مجھے عطا اللہ شاہ بخاری صاحب کے وہ الفاظ یاد آ رہے ہیں کہ روز محشر اگر خدا پوچھے گا، بتاؤ میرے محبوب کی ختم نبوت پر جب ڈاکہ پڑا تو میرا کلمہ پڑھنے والے! تم کہاں تھے؟ تو اس وقت میرے پاس کیا جواب ہوگا۔''

آج جب ن لیگ کے ختم نبوت کے متعلق ردوبدل کے بعد تقریباً سبھی مذہبی و سیاسی لیڈران نے وہی کچھ کہا جو کچھ کلثوم نواز نے جنرل پرویز مشرف کے متعلق کہا تھا۔ کلثوم نواز نے کہا تھا کہ:۔

''حکومت غیر مسلموں کے ایجنڈے بڑے زور شور سے کام کر رہی ہے۔ پہلے ناموس رسالت قانون میں تبدیلی کا ناپاک ارادہ کیا اور پھر سیکولر اسٹیٹ بنانے کا ارادہ کر کے دوقومی نظریے کا مذاق اڑایا۔''

معزز قارئین! جن لوگوں نے جنرل پرویز مشرف کی حکومت کو قادیانی نواز کہا تھا آج انھیں قادیانی

نواز کہا جا رہا ہے۔ختم نبوت پر بار بار حلفیہ بیان دینے کے باوجود سبھی مسلمان پھر بھی ایک دوسرے کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔اور ختم نبوت جس پر ۲۲ کروڑ لوگ قانونی اور مذہبی طور پر مکمل یقین رکھتے ہیں اس پر بھی سیاست ہوتی ہے اور رقم بٹوری جاتی ہے۔

رُخِ روشن کا روشن ایک پہلو بھی نہیں نکلا
جسے ہم چاند سمجھے تھے وہ جگنو بھی نہیں نکلا

☆☆☆

چوالیس سال گزر گئے

انصار عباسی صاحب لکھتے ہیں کہ ''آئین کو بنے چوالیس سال گزر گئے لیکن ہم نے اب تک آئین کی اسلامی روح کے مطابق پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے میں کوئی خاص کام نہیں کیا۔''

اب ہم کیسے کہیں کہ یہ نہایت شرمناک انکشاف ہے۔اور انصار عباسی اور ان جیسے اسلام پسندوں کے منہ پر زوردار طمانچہ ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جن کی قرارداد مقاصد سے لے کر ۱۹۸۴ء کو آئین پاکستان میں اسے شامل کرنے تک کا سفر مار دھاڑ سے طے کیا ہے۔اور اب ۷۰ سال کے بعد یہ منحوس خبر سنا رہے ہیں کہ کچھ خاص کام نہیں ہوا۔اور ہم بتا سکتے ہیں کہ واقعی کچھ خاص کام نہیں ہوا۔اور ہم بتا سکتے ہیں کہ قائداعظم کے افکار کا جنازہ نکالنے کے بعد قرارداد مقاصد کو سینے سے لگانے سے پاکستان کا سینہ جل گیا ہے۔۱۹۸۴ء کے بعد سے پاکستان کا دل دھڑک تو رہا ہے مگر نبض سست روی کا شکار ہے۔پاکستان کو اسلامی جمہوریہ نامی سنہری چادر اور آئین کو اسلام کی رنگین ٹوپی بھی پہنائی گئی اور ضیاء نے اپنے حصے کا اسلامی پچ بھی تلا مگر نتیجہ؟ ہم یہ جانتے ہیں اسلام آسانی فراہم کرتا ہے اور انسانیت و محبت کا درس دیتا ہے۔فرقہ واریت کا گلا گھونٹتا ہے اور آزادی کا علمبردار ہے، مذہبی آزادی تو اسلام کا خاصہ ہے۔ہم انصار عباسی اور ان جیسے نام نہاد دانشوروں اور نام نہاد مولویوں کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر محبت کو نفرت پر غالب نہ کیا۔تو اگلے سو! سال بعد آپ کی نسلیں بھی یہی رونا روئیں گی کہ ''ہم نے اب تک آئین میں موجود اسلامی روح کے مطابق اسلامی جمہوریہ پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے میں کوئی خاص کام نہیں کیا۔''

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ

(صدر امریکا ڈونلڈ ٹرمپ کے دو بیانات کی حقیقت)

دبا دبا سا یہ طوفاں گھٹی گھٹی ہلچل | ہواؤں میں کوئی پیغام نا رسیدہ ہے

دسمبر ۲۰۱۷ء اسلامی کہلانے والی دنیا کے لیے خاصا ہنگامہ خیز مہینہ ثابت ہوا ہے۔ صدر ٹرمپ کی جانب سے یروشلم میں چھ ماہ میں امریکی سفارت خانہ کھولنے کا اعلان اسلامی دنیا میں ہلکی پھلکی ہلچل کا باعث ضرور بنا تھا مگر حسب سابق چند روز شور شرابہ کرنے کے بعد یہ ہلچل ختم ہو چکی ہے۔ امریکی صدر کے اعلان سے پیدا ہونے والی صورت حال پر غور کرنے کے لیے اسلامی تعاون تنظیم (او آئی سی) کا ہنگامی اجلاس بلایا گیا، اس اجلاس میں ۵۷ اسلامی ممالک کے سربراہان اور ان کے نمائندے موجود تھے۔ اس اجلاس کے افتتاحی سیشن میں ترکی کے صدر جناب رجب طیب اردگان نے اسرائیل کو قابض اور دہشت گرد قرار دیا تو اس کے جواب میں امریکی فیصلے کو تاریخی قرار دینے والے اسرائیلی وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو نے منہ توڑ جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ "ایک متنازعہ لیڈر جس کے اپنے ملک میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ہوتی ہوں، اس کو اخلاقیات کی تبلیغ کا کوئی حق نہیں، اسرائیل یہودیوں، مسلمانوں اور عیسائیوں کو عبادت کی مکمل آزادی پر سختی سے عمل کرتا ہے۔"

دلکش اسلامی تعلیمات کے مطابق وہ شخص جو کام خود نہیں کرتا کسی دوسرے کو وہ بات کہنے کا حق نہیں رکھتا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ طیب اردگان نے ناکام بغاوت کے بعد اپنے ہم وطنوں سے جو سلوک کیا ہے اس کے بعد انہیں انسانی حقوق کی بات سوچ سمجھ کر کرنی چاہیے، طیب اردگان کو خیموں میں رہنے والے ان بھوکے اور ننگے کردوں جن کا تعلق یروشلم کے فاتح سلطان صلاح الدین ایوبی سے ہے، کی آزادی کے لیے بھی اسی طرح بھڑکنا چاہیے جس طرح وہ فلسطینی، کشمیری اور روہنگین مسلمانوں کی آزادی کے خواہاں ہیں۔ نیتن یاہو کے بھڑکنے کی وجہ ان کا اپنا کالا چہرہ تھا جس کی سیاہی اس بارود کی مرہون منت ہے جس نے فلطینیوں کا لہو بہایا ہے۔ ہر ظالم اپنے مظالم کو اپنی دانست میں جائز سمجھتا ہے اور دوسروں کے ظلم کرنے پر بھڑک اٹھتا ہے۔ جب

یونان، ہالینڈ، برطانیہ اور جرمنی وغیرہ کے حکمرانوں نے طیب اردگان کو ترک عوام کے انسانی حقوق کا احترام کرنے کی طرف توجہ دلائی تو وہ بھڑک اٹھے اور صاف کہہ دیا کہ ہمیں کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ترکی کے صدر کی مثال اس لیے دی گئی ہے کیونکہ اسلامی دنیا میں ان کی بیان بازی کو بہادری اور مجاہدانہ فعل قرار دیا جا رہا ہے۔ ہم ذاتی طور پر سمجھتے ہیں کہ کشمیری، فلسطینی اور کرد لوگوں کا غم سانجھا ہے، انہیں آزادی دینی چاہیے اور اس کے لیے بھارت، اسرائیل اور ترکی پر عالمی برادری کو دباؤ ڈالنا چاہیے۔ کم از کم ۵۷ مسلم ممالک کو مل کر ان تینوں ممالک سے سفارتی تعلقات ختم کرنے ہوں گے اور دوسرے مرحلے میں معاشی و تجارتی تعلقات منقطع کرنے ہوں گے۔ احتجاج اور یو این او اور او آئی سی کے اجلاسات میں تقریریں کرنے سے اور قراردادوں کے اعلانات سے کچھ نہیں ہونے والا۔ بدقسمتی سے ایسے اقدامات کرنے کے کسی بھی قسم کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔ مثلاً سعودی عرب، ہندوستان سے بہتر تعلقات قائم رکھنے کے لیے کشمیریوں پر ہونے والے مظالم کا ہندو لیڈروں سے ذکر تک نہیں کرتا۔ یمن، شام، عراق اور لیبیا کا بینڈ بجانے والا کسی کی آزادی کے لیے کیا آواز اٹھائے گا۔

پاکستانی اور عالمی دانشور بار بار بلاامتیاز آپریشن کر کے دہشت گردوں کا مکمل صفایا کرنے کا مشورہ دیتے رہے مگر ضرب العضب اور ردالفساد جیسے طویل عرصہ تک جاری رہنے والے آپریشن صرف چند علاقوں اور چند گروہوں تک محدود رہنے کی وجہ سے دوررس نتائج کے حامل نہ ہو سکے۔ اب پاکستان کے اتحادی دوست امریکہ کے صدر کی طرف سے کی گئی سال نو کے پہلے دن ایک ٹوئٹ نے پاکستان کے کرتا دھرتاؤں کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔ امریکی صدر نے کہا ہے کہ ''امریکہ نے گزشتہ پندرہ برس میں احمقوں کی طرح پاکستان کو ۳۳ ارب ڈالر امداد کی مد میں دیے اور انھوں نے ہمیں جھوٹ اور دھوکے کے سوا کچھ نہیں دیا۔ پاکستان نے ہمارے حکمرانوں کو بے وقوف سمجھا، جن دہشت گردوں کو ہم افغانستان میں ڈھونڈتے رہے، پاکستان نے انہیں محفوظ پناہ گاہیں دیں اور ہماری بہت کم معاونت کی، لیکن اب مزید نہیں۔'' اور صدر ٹرمپ کے مشیر برائے قومی سلامتی سابق جنرل ایچ آر مک ماسٹر کا کہنا ہے کہ ''دہشت گردی پاکستان کی خارجہ پالیسی کا حصہ ہے اور اسلام آباد بعض دہشت گرد گروہوں کو اپنی خارجہ پالیسی کے جزو کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ پاکستان طالبان اور حقانی

نیٹ ورک کی قیادت کو محفوظ ٹھکانے اور مدد فراہم کر کے اپنے ہی عوام کے مفادات کے خلاف جا رہا ہے۔ یہ گروہ افغانستان کے علاوہ پاکستان کے علاقوں میں بھی تباہی پھیلاتے ہیں۔ ہمارے تعلقات مزید تضادات کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے۔'' اور وائٹ ہاؤس کی ترجمان سارا سینڈرز کا کہنا ہے کہ ۲۵۵ ملین ڈالر (پچیس کروڑ پچاس لاکھ ڈالر) یعنی ۲۸ ارب روپے کی فوجی امداد پاکستان کو نہیں دی جائے گی۔'' فوجی ساز و سامان کی مد میں دی جانے والی ۹۰۰ ملین ڈالر کی امداد بھی روک دی ہے۔ اگر واقعی پاکستان طالبان اور حقانی نیٹ ورک سے الفت رکھتا ہے تو اسے شدید صدمہ پہنچ سکتا ہے۔

رستہ مرا تضاد کی تصویر ہو گیا | دریا بھی بہہ رہا تھا جہاں پر سراب تھا

ان سب بیانیوں کے منظر عام ہونے کے بعد جو بیانات، فوجیوں، سیاسی و مذہبی لیڈروں اور عوام نے دیے ہیں، وہ نہایت جذباتی، سطحی اور تضادات کا مجموعہ ہیں۔ متذکرہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے امریکہ کے لیے جنگ لڑی۔ بالکل جھوٹ بات ہے، ڈالروں کے لیے لڑی جانے والی جنگ کو امریکہ کی جنگ نہیں کہہ سکتے۔ ہمارے لیڈروں نے اپنے ذاتی مفادات کے لیے اس جنگ میں کم و بیش ایک لاکھ پاکستانی فوجیوں اور شہریوں کی جان لی ہے۔ اس جنگ کا فائدہ اٹھانے والے ان شہیدوں کے خاندان قطعاً نہیں ہیں، اس جنگ کا فائدہ اٹھانے والے وہ فوجی، سیاسی و مذہبی لیڈر رہیں جو اربوں ڈالر کے مالک بن کر شاہانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ جبکہ پاکستان صحت اور تعلیم کے شعبے میں ۱۴۴ ممالک کی فہرست میں بدترین سطح پر ہے۔ جبکہ صرف نواز شریف کی حکومت نے ساڑھے چار سال میں ۱۸ بلین ڈالر کے قرضے لیے۔ یہ لیڈروں کی بیان بازی حقیقت کو نہیں جھٹلا سکتی۔ نواز شریف دور میں ۱۸ بلین کے نئے قرضے اور امریکہ کی طرف سے ملنے والی فوجی امداد ۱۰ بلین ڈالر، تقریباً تیس بلین ڈالر کہاں خرچ کر دیے کیا کوئی بتائے گا۔ گزشتہ دنوں عالمی بینک نے کسانوں کی بہتری کے لیے تیس کروڑ ڈالر دیے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس رقم کے مل جانے کے بعد بھی کسان اپنی حق تلفی پر سراپا احتجاج ہیں۔ تقریباً ہر عوامی مشکلات کے ازالہ کے لیے عالمی برادری پاکستان کو امداد دیتی ہے۔ پاکستانی حکومت ہر عوام دشمن برائی ختم کرنے کے لیے عالمی برادری سے امداد لیتی ہے، برائی وہیں رہتی ہے، رقم نجانے کون کھا جاتا ہے۔

اے میری قوم کے لوگو! اگر تم نے امریکہ سے لڑنا ہے یا اس کے ساتھ عزت سے بیٹھنا ہے تو تمہیں چاہیے کہ اپنے لیڈروں سے کم از کم گزشتہ ۱۵ برس میں ملنے والے ۶۵ بلین ڈالر جو چند سو یا ہزار لوگوں کے لیے نہیں تھے، عوام کے لیے تھے، کا حساب لیں۔ ان کی جذباتی باتوں پر سر ہلانے کی بجائے، ان سے حساب لیں۔ ٹرمپ نے کہا ہے کہ پاکستانی لیڈروں نے جھوٹ بولا ہے اور دھوکا دیا ہے۔ میرے عزیز ہم وطنو! کیا آپ کسی بھی لیڈر کے متعلق کہہ سکتے ہیں جو نہ جھوٹا ہو اور نہ دھوکے باز ہو۔ ہمارا اولین دشمن امریکہ تبھی سمجھا جائے گا جب ہمارے لیڈر سچے اور ایماندار ہوں۔ ہم نے تاریخ سے یہی سیکھا ہے کہ عزت و وقار اسی قوم کا مقدر ہوتا ہے جس کے لیڈر سچے اور ایماندار اور غیرت والے ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں صدر ٹرمپ پاگل ہے۔ عجیب پاگل ہے جو لٹے پٹے سعودی عرب سے ہزاروں ملین ڈالر لے گیا بدلہ میں قطر اور سعودیہ کو دشمن بنا گیا۔ یہ ویسا ہی پاگل ہے جس طرح کے پاگل پاکستان کے ہر علاقے میں موجود ہیں جو اپنے ہاریوں، مزارعوں، مزدوروں اور دوسرے دست نگر لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جو امریکہ، اپنے کمزور اور دست نگر ساتھیوں کے ساتھ کرتا ہے۔ اور یہ طاقت کا سب سے مزیدار پہلو ہے۔ اور یہ پہلو تاریخی ہے۔ پاکستان کے وہ لیڈران کرام جنہوں نے ہمیشہ ڈالروں کے حصول کے لیے ہر قسم کی عزت اور غیرت سے آزاد ہو کر امریکہ کی ہر جائز و ناجائز مطالبات کو کسی چوہدری کے کمی کمین کا کردار بن کر پورا کیا ہے۔ آج یہ لیڈران امریکہ کی طرف سے لگنے والی پابندیوں کا نہ صرف مذاق اڑا رہے ہیں بلکہ عوام کو ان کے خلاف لڑائی کے لیے بھڑکا بھی رہے ہیں۔ حالانکہ عوام کے نام پر ملنے والی امداد بھی عوام کی بجائے ان لیڈران کی جیبوں میں ہی جاتی ہے۔ عوام کو ان وطن فروش لیڈروں کو گریبانوں سے پکڑ کر اقتدار سے علیحدہ کرنا ہوگا۔

پاکستان میں کسی کو بھی جرنیلوں سے یہ پوچھنے کی جرآت نہیں ہے کہ سات لاکھ کی فوج کو اس بات کی کس نے اجازت دی ہے کہ دہشت گردوں کو فوجی تربیت دے کر انہیں استعمال کرے۔ کسی بھی ملک کی فوج، ٹولیوں اور گروہوں کو تربیت دے کر ان سے فوجی کارروائیاں نہیں کرواتی۔ پرویز مشرف حافظ سعید کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے، کہتے ہیں ان کی قوم کے لیے بڑی خدمات ہیں۔ آئی ایس آئی ہر اچھے برے مذہبی یا سیاسی یا کسی بھی دوسرے طبقہ سے تعلق رکھنے والی اہم شخصیت کے متعلق ہر قسم کی معلومات رکھتی ہے، ان معلومات کو

قانون نافذ کرنے والے اداروں کو دینے کی بجائے، ان شخصیات کو بلیک میل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔اب امریکہ کا مطالبہ ہے کہ حقانی نیٹ ورک اور طالبان کے خلاف بھرپور آپریشن کیا جائے۔جرنیلوں کے ان کے خلاف آپریشن سے گریز کی وجہ بھی ان سے ان کے پرانے تعلقات ہی ہیں۔ضرب العضب اور رد الفساد کی ناکامی کی وجہ بھی جرنیلوں کا یہی گریز کرنا ہے۔اصل بات یہ ہے کہ جرنیلوں کے چہرے سے شرافت کا نقاب اتر رہا ہے،اور کریہہ چہرے نمایاں ہوتے چلے جارہے ہیں۔محترمہ عاصمہ جہانگیر صاحبہ نے سچ کہا ہے کہ ''پاکستان صرف فوجیوں ہی کا ملک نہیں بلکہ ۲۱ کروڑ عوام کا بھی ہے۔'' جنرل یحییٰ خان سے جنرل قمر باجوہ تک سبھی جرنیلوں نے من مرضی کے فیصلے کر کے لاکھوں فوجی و غیر فوجیوں کا لہو بہا لیا ہے اب فوج کو بلا امتیاز وطن دشمن کرپٹ اور دہشت گرد عناصر کا خاتمہ کر کے اپنی عوام دوستی کو ثابت کرنا ہوگا۔اگر اب بھی ایسا نہ کیا گیا تو پاکستان میں اتنا لہو بہہ سکتا ہے کہ تاریخ کے ورقوں سے بھی لہو ٹپکے گا۔ہمارے ایٹمی اثاثے بھی وہی لے اُڑیں گے جن کی دولت سے ان کی حفاظت کی جاتی ہے۔یاد رکھیں عراق و لیبیا کا واقع تماشا نہیں تھا،خونی کھیل تھا۔اللہ وطن عزیز پر رحم کرے۔آمین۔

کھیل سیاست کے ہیں یہ لاشیں یہ جلتی بستیاں | چُپ رہوں تو غدّار وطن کا سچ کہوں تو جُرم

ناموس رسالت ﷺ

چوہدری نثار احمد نے کہا ہے ''ناموس رسالت ﷺ پر کسی قسم کا سمجھوتا نہیں کیا جاسکتا۔''

معزز قارئین! یہ تو بالکل صحیح بات ہے کہ ناموس رسالت پر کسی قسم کی آنچ نہیں آنی چاہیے۔لیکن یہ کوئی نہیں بتاتا، رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کیسے ہوسکتی ہے۔کیا دنیا کا کوئی خبیث ایسا ہوسکتا ہے جو اپنی خباثت سے ہمارے حبیب آقا رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان اور بلند ترین مرتبہ کو گھٹا سکے۔اگر توہین رسالت کے تحت دائر ہونے والے مقدمات کی طرف نظر کی جائے تو سب سے زیادہ مقدمات پاکستانی مسلمانوں کے خلاف ہیں۔آج کل پورے پاکستان میں مولوی لوگ ناموس رسالت ریلیاں نکال رہے ہیں کیا رسول خدا ﷺ کی عزت و ناموس ان ریلیوں کی محتاج ہے؟ کیا اللہ کافی نہیں؟

مصر میں اقلیتوں کی حالت زار

مصر میں اقلیتوں اور اقلیتی فرقوں کی حالت زار درج ذیل سطور میں بیان کی گئی ہے۔

مصر کی کل آبادی ۸۰ملین سے زائد ہے۔نوے فیصد مسلمان جو شیعہ و سُنّی اور دیگر فرقوں میں تقسیم ہیں اور ۱۵فیصد دیگر مذاہب کے لوگ آباد ہیں۔زیادہ تر آرتھوڈاکس عیسائی آباد ہیں ۱۱۰۰ء تا ۱۴۰۰ء تک مصر میں عیسائیوں کی اکثریت تھی۔مسلمانوں کی فتوحات کے بعد عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہو گئی تھی۔قدیم مصری عیسائیوں کی پسماندگی کی وجہ مذہبی قوانین ہیں۔اوران کی پسماندگی میں اضافہ ۱۹۵۲ء کے فوجی انقلاب کے بعد ہوا۔تب سے آج تک اگر کسی چرچ کی عمولی مرمت کے لیے بھی مصر کے صدر سے اجازت لینا ضروری ہے۔۲۰۰۵ء میں صرف اتنا فرق پڑا ہے کہ اب ایسی اجازت گورنر دیتا ہے۔نیا چرچ تعمیر کرنے کی اجازت ملنا نہایت مشکل ہے،کئی برس دفتروں کی خاک چھاننے کے بعد بمشکل اجازت ملتی ہے۔مساجد بنانے کے لیے اس طرح کی رکاوٹیں جن کا سامنا عیسائیوں کے گرجا گھروں یا دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کی تعمیر کے سلسلے میں کرنا پڑتا ہے،مسلمانوں کو نہیں کرنا پڑتا۔

۲۰۰۰ء میں قدیم مصری عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان تنازعہ کے نتیجے میں بیس عیسائیوں کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا،اس بربریت کے دوران ایک مسلمان بھی ہلاک ہوا تھا۔اس دوران ایک نیا چرچ اور ۳۵ عیسائی گھروں کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔اگلے برس ۱۴ سالہ عیسائی لڑکی کو اغوا کر لیا۔اغوا کاروں کا ماننا تھا کہ اس لڑکی کے والدین نے ایک ایسے شخص کو پناہ دی جس نے دین اسلام چھوڑ کر عیسائیت قبول کر لی تھی۔دوسرے اسلامی ممالک کی طرح مصر میں بھی کسی بھی غیر مسلم کو مسلمان ہونے کی اجازت ہے اور کسی مسلمان کو غیر مسلم ہونے کی اجازت نہیں۔مصر میں زبردستی غیر مسلم کو مسلم بنانے کے ساتھ ساتھ زبردستی شادیوں کے واقعات بھی ہوتے ہیں۔اگر کسی مسلمان مرد کو غیر مسلم خاتون پسند آجائے تو اسے جبری شادی سے پہلے مسلمان کیا جاتا ہے۔مصر میں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ مسلمان ہونے والے عیسائی دوبارہ عیسائی ہو گئے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی غیر مسلموں سے شدید نفرت انہیں اپنے درمیان بطور مسلمان بھائی قبول

نہیں کرتی۔اور دوبارہ عیسائی ہو جانے پر اس کے تھوڑے عرصہ کے لیے مسلمان ہونے کا ذکر اس کے شناختی کارڈ پر درج کر کے اس کے لیے دنیا جہنم بنا دی جاتی ہے۔یہاں مصری شناختی کارڈ کے متعلق یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ مصری قانون کے مطابق ہر مصری شہری کے لیے شناختی کارڈ بنوانا ضروری ہے،اس کارڈ میں مذہب کا بھی خانہ ہے اس خانہ میں ہر شہری کا مذہب لکھا جاتا ہے۔اور بری بات یہ ہے کہ شہری کے ساتھ غیر مسلم ہونے کی وجہ سے امتیازی سلوک ہوتا ہے۔

توہین مذہب،زبانی یا تحریری طور پر کی جائے،مستوجب سزا ہے۔کم از کم سزا چھ ماہ ہے اور زیادہ سے زیادہ ۵ برس ہے۔۲۰۱۵ء میں ایک مسلم اسکالر نے ایک پروگرام میں اسلام میں اصلاحات کی بات کی۔جامعہ الازہر نے فتویٰ دیا کہ یہ اسلام کی توہین ہے،اس ٹیلی ویژن پروگرام کو بند کر دیا گیا جس میں مسلم محقق و اسکالر اسلام البہیری نے اصلاحات کی بات کی تھی۔اسلام البہیری کو توہین مذہب کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا اور ۵ برس کی سزا سنا دی گئی۔جب ایک مسلمان اسکالر کے ساتھ توہین مذہب کے نام پر ظلم ہو سکتا ہے تو غیر مسلم کے لیے تو یہ قوانین بیشمار مشکلات کا باعث ہیں۔اسلام البہیری نے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کے بعد کہا تھا کہ Egypt is a land of injustice

Innocence of Muslims. نامی فلم جسے محمد مخالف فلم کہا جاتا ہے،مبینہ طور پر سات مصری عیسائیوں کو اس فلم کا حصہ بننے پر سزائے موت سنائی گئی حالانکہ قانون کے مطابق توہین مذہب کی سزا زیادہ سے زیادہ ۵ برس ہے۔

مصر کی مشہور مغنیہ و اداکارہ ام کلثوم ۱۸۹۸ء تا ۱۹۷۵ء جس کے جنازہ میں چار ملین افراد شریک ہوئے تھے کے مرنے کے بعد لیلیٰ مراد ۱۹۱۸ء تا ۱۹۹۵ء کو سب سے بڑی مغنیہ کا خطاب دیا گیا۔اس مغنیہ کے متعلق مشہور مصری شاعر حلمی سلیم کی ایک نظم "On the balcony of Leila Murad" کے نام سے ابداع نامی جریدہ میں شائع ہوئی تھی۔اس نظم کے متعلق کہا گیا کہ خدا کی توہین ہوئی ہے۔عدالت کی جانب سے رسالہ کا پبلشنگ لائسنس کینسل کر دیا گیا اور حلمی سلیم سے تمام قومی اعزازات واپس لے لیے گئے،اسے ہر قسم کے قومی ایوارڈ اور انعامات کے لیے نا اہل قرار دے دیا گیا۔یاد رہے لیلیٰ مراد یہودیت چھوڑ کر

۱۹۴۷ء میں مسلمان ہوئی تھی۔

مندرجہ بالا دو واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ساتھ مصر میں مسلموں کو بھی مذہبی قوانین کے ذریعے رگڑا دیا جاتا ہے۔توہین مذہب کے نام پر صرف غیر مسلم ہی نہیں بلکہ نامور مصری دانشور بھی مظالم کا نشانہ بن رہے ہیں۔ناصرف مصر بلکہ تمام عرب دنیا کو عزت دلانے والا مصری ناول نگار نجیب محفوظ جسے ۱۹۸۸ء میں نوبل انعام برائے ادب دیا گیا تھا اسے بھی چھریاں اسی توہین مذہب کے الزام میں ۸۲ برس کی عمر میں اس کے گھر میں گھس کر ماری گئیں۔ان کے گھر پر حملہ کرنے والے ہجوم کا لیڈر ایک اندھا شیخ تھا۔

مذہبی قوانین اس قدر اندھے ہیں کہ یہ نہ عورت کو چھوڑتے اور نہ بچوں کو۔مصر میں دو قدیم مصری عیسائی معصوم بچوں کو جن کی عمریں ۹ اور دس برس تھیں، قرآن مجید کے اوراق پھاڑنے کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ ۲۰۱۰ء میں ۱۹ احمدیوں کو جو خود کو احمدی مسلمان کہتے ہیں، اسلام کی بےعزتی کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ دو عیسائیوں پر انسانی حقوق کے دفاع کی دعویداری پر توہین اسلام کا الزام لگا کر گرفتار کرلیا گیا۔

مصر میں بھی دعویٰ یہی کیا جاتا ہے کہ مصر سے مذہبی آزادی ہے مگر ایسے قوانین بنا کر کئی قسم کی آزادیوں کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔کہنے کو مصر کا سرکاری مذہب اسلام ہے،اور شریعت نئی قانون سازی میں اولین ترجیح ہے۔مگر اس شریعت کے مطابق قوانین بنانے والے،ان سے مشورہ لیتے ہیں جو قانون سازوں کے ملازم ہیں۔جامعہ الازہر آزاد جامعہ نہیں کہلاسکتی۔اس جامعہ کے اساتذہ اور مفتی اعظم حکومت کے تنخواہ دار ہیں۔اس جامع میں بہت سے اسکالر ایسے بھی فارغ ہوتے ہیں جو بہت کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر انکی آواز دبا دی جاتی ہے۔طالب علم اور اساتذہ وہی کچھ پڑھ پڑھا رہے ہیں جو صدیوں سے مدرسہ میں پڑھایا جا رہا ہے۔اس جامعہ کے فارغ التحصیل بنیاد پرست مولویان نے اقلیتی فرقہ شیعہ مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔یہ بنیاد پرست عوام کو سرعام شیعہ سے نفرت کی تعلیم دے کر فساد پھیلانے کا سبب بنتے ہیں۔انہیں نہایت برے اور غلیظ القابات دیے جاتے ہیں۔شیعہ مخالف جذبات سارے مصر میں پائے جاتے ہیں۔

۱۹۸۱ء میں مصر کو اسلامی ریاست کا نام دے کر مسلمان ریاست بنا دیا گیا تھا اور مصر کے آئین کو

اسلامی قوانین کے تابع لانے کا فیصلہ کیا گیا۔جس اسلامی ملک نے بھی ریاست اور آئین کو اسلامی جبہ پہنانے کی کوشش کی ہے وہاں اخلاقیات کا جنازہ ہی نکلا ہے۔شہری حقوق متاثر ہوئے ہیں اور اسلامی بھائی چارا دم توڑتا چلا گیا اور اقلیتوں کی بددعاؤں نے انہیں عالمی برادری میں رسوا ہی کیا ہے۔پاکستان،افغانستان،ایران، یمن،صومالیہ،شام اور سعودی عرب اور سعودی عرب وغیرہ ایسے ہی ممالک ہیں۔

انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی کے ڈائریکٹر محمد البرادی جنہیں ۲۰۰۵ء میں نوبل انعام برائے امن دیا گیا تھا، وہ واحد مصر کے بہادر سپوت ہیں جنہوں آئین کی تبدیلی کی بات کی۔وہ سمجھتے تھے کہ مذہبی قوانین مصر کی ترقی کو روکنے کا سبب ہیں۔وہ ایمرجنسی کا خاتمہ،عدلیہ کو سیاسی عمل کی نگرانی کے قابل بنانا، ووٹر کو حق دینا اور صدارت کی مدت کو دو ادوار تک محدود کرنے کے لیے آئین میں ترمیم کرنا چاہتے تھے۔اور ان ترامیم کی بات کرنے پر انہیں نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا اور ان کا صدر مصر بننا ۲۰۱۱ء میں ممکن نظر آنے لگا۔مگر جونہی انہوں شق ۲ میں ترمیم کی بات محتاط الفاظ میں کی،مصر میں طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔اخوان المسلمون نے ان کو ووٹ نہ دینے کا فیصلہ کیا۔مصری آئین کی شق دو کے مطابق ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور یہ کہ اسلامی شریعت ہی قانون سازی کا بنیادی ماخذ ہے۔

محمد البرادی نے کہا تھا کہ اگرچہ وہ مصر کی مسلم اکثریت کا احترام کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں کاپٹک عیسائی اقلیت اور مصر کے دیگر تمام باشندوں کے حقوق کا بھی تحفظ کرنا ہے، چاہے ان کا مذہب کوئی بھی ہو۔کیونکہ آئین ان کے لیے بھی یکساں حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔مگر یہ حقیقت البرادی کے مداح برداشت نہ کر سکے۔اخوان المسلمون اور اسلامی کہلانے والے ٹیلی ویژن چینلز نے ان کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا۔ان کی مخالفت کے باعث ایک بڑی تعداد ووٹروں کی البرادی کے خلاف ہوگئی۔اور ووٹروں نے کہا کہ وہ البرادی کو ووٹ نہیں دیں گے کیونکہ وہ مذہب کو ریاست سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔اخوان المسلمون البرادی کی تعریف کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم ایسی جمہوری تبدیلی کے حق میں نہیں ہیں جس میں ریاست اور مذہب کی علیحدگی ثابت ہو۔بنیاد پرست کبھی بھی نہیں چاہتے کہ ریاست اور مذہب کی اپنی اپنی راہیں ہوں۔مصر میں بھی البرادی جو تمام مصری شہریوں یکساں حقوق کی ضمانت دینا چاہتے تھے انہیں ان لوگوں

نے شکست دے دی جو مذہبی اقلیتوں کو برابر کے حقوق نہیں دینا چاہتے تھے اور ریاست کو اسلامی اصول قانون سازی کی زنجیر پہنانے کے حق میں تھے۔ مصر کے اعتدال پسندوں کو یقین تھا کہ اگر البرادی کو پاور ملی تو شناختی کارڈ سے مذہب کے خانہ کا خاتمہ ہوجائے گا، غیر مسلموں کی شادی اور طلاق کا معاملہ اسلامی فیملی قوانین کے مطابق نہیں ہوگا، غیر مسلموں کی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی راہ میں رکاوٹیں دور ہوجائیں گی اور تبدلی مذہب کے خلاف بننے والے قوانین کا خاتمہ ہوجائے گا۔ بددل ہوکر البرادی انتخابی دوڑ سے باہر نکل آئے۔ محمد مرسی انتخابات جیت کر مصر کے ۵ویں صدر بن گئے۔

محمد مرسی کا تختہ ایک سال بعد ہی فوج نے اُلٹ دیا۔ البرادی نائب صدر فوجی حکومت کے زیر سایہ بن گئے۔ مگر ایک ماہ بعد ہی انہوں نے فوجیوں کے ہاتھوں ۵۰۰ سے زائد مرسی کے حامیوں کی ہلاکت کے بعد استعفیٰ دے دیا۔ ان کے الفاظ تھے:۔ I cannot bear the responsibility for a single drop of blood before God.

اور محمد البرادی بددل ہوکر مصر سے ویانا چلے گئے۔

مصری قوم کو ایک موقع ملا تھا کہ وہ اپنے دکھوں سے چھٹکارا حاصل کرسکے مگر اس نے یہ موقع کھو دیا۔ ان دنوں عبدالفتاح السیسی جیسا بدنام زمانہ ڈکٹیڑ مصر کا صدر ہے۔ اس کے دور حکومت میں نا صرف اقلیتیں بلکہ مسلمان اقلیتی فرقے بھی نہایت اذیت میں ہیں۔ جب السیسی کی توجہ اقلیتوں سے ہونے والے امتیازی سلوک کی طرف دلائی جاتی ہے تو وہ فوراً یہ کہہ کر بات ختم کر دیتے ہیں کہ We are all Egyptians.. مصر میں سب سے زیادہ مظالم کا نشانہ بننے والے کوپٹک عیسائی ہیں۔ دسمبر ۲۰۱۶ء میں ۲۵ عیسائیوں کی موت کے بعد صرف ۲۰۱۷ء میں درجنوں کوپٹک عیسائیوں کو مار دیا گیا اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ اسی مہینے ایک ۷۰ سالہ عیسائی خاتون کو برہنہ کرکے گلیوں میں گھسیٹا گیا۔ اپریل کے مہینے میں مصر کے شہر ٹانٹا میں ۴۷ کوپٹک عیسائیوں کو مار دیا گیا اور ایک سو سے زائد عیسائیوں کو زخمی کیا گیا۔ اور مئی میں ۲۹ عیسائیوں کو بس سے اتار کر مار دیا گیا۔ اسی ماہ دو عیسائی کزنز کو جن کی عمریں ۱۹ اور ۲۵ برس تھیں بے دردی سے مار دیا گیا۔ ۱۲ اکتوبر کو ایک عیسائی مبلغ کو قتل کر دیا گیا۔ صرف ۲۰۱۷ء میں درجنوں چرچ تباہ کر دیے گئے

یا جنونیوں کے حملوں کے بعد بند کر دیے گئے۔

جب سے مسند اقتدار پر السیسی براجمان ہے تب سے اقلیتوں پر مظالم کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ سب سے بڑی مصری اقلیت کو پٹک عیسائیوں کا سب سے زیادہ خون بہا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا کے تمام مظلوموں پر رحم کرے اور ظالموں کو ہدایت یا سزا دے۔ آمین

عالمِ دین بکری

مشہور کالم نگار جناب عطاالحق قاسمی صاحب لکھتے ہیں:۔

یہ عالمِ دین بکری ہے، محکمہ اوقاف کی بکری ہے، اس کی نشانی یہ ہے وضع قطع کے علاوہ اس میں عالموں والی کوئی بات نہیں۔ یہ بکری جب سے ہمارے پاس ہے اس وقت سے برابر مطالبہ کر رہی ہے کہ جمعے کے روز اسے ''اوور ٹائم'' دیا جائے کیونکہ اس روز خطبے کا اضافی کام کرنا پڑتا ہے۔ اس کا ایک مطالبہ یہ بھی ہے کہ عید الفطر، عید الاضحیٰ پر نمازیوں کی کثیر تعداد کے پیش نظر اسے دو ''بونس'' دیے جائیں، یہ اعلیٰ گریڈ، گریجوئٹی اور دیگر مراعات کا مطالبہ بھی کرتی ہے۔ اس بکری کی زبان پر یہ مطالبہ بھی رہتا ہے کہ بیرونی ملکوں سے آنے والے امرائے حکومت اور حکام کی مقامی ضیافتوں میں اسے بھی شرکت کی دعوت دی جائے۔ یہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگرام بھی مانگتی ہے بلکہ جب سے ہمارے پاس ہے کئی دفعہ کہہ چکی ہے کہ مجھے ''ٹیلی ویژن سٹیشن لے جاؤ۔'' اس بکری کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ ہر بات پر سر ہلاتی ہے، ہر کاغذ پر دستخط کر دیتی ہے۔　(روزن دیوار سے۔ عطاالحق قاسمی)

یہ جو عالمِ دین بکری ہے اس کے چند مزید مطالبے بھی ہیں یہ بکری کہتی ہے کہ ریاست اور مذہب کا چولی دامن کا ساتھ ہے اسے کسی صورت ایک دوسرے سے الگ نہ کیا جائے، ختم نبوت اس بکری کا قومی کھیل ہے اور اس کا مطالبہ ہے کہ پارلیمنٹ کے بعد اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی یہ کھیل کھیلا جانا چاہیے، اس کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ اسے سیاستدان اور جرنیل اپنے کندھوں پر ایسے بٹھائیں کہ اس بکری کو عوام اپنی پلکوں پر بٹھانے پر مجبور ہو جائے۔ کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں یہ بکری اگر مر جائے تو منحوسیت ختم ہو جائے، سکون ہو جائے۔

جنّت، دوزخ اور نام نہاد مولوی

گُل برستے ہیں کہ پتھر ، سبھی کھُل جائے گا

جانِ جاں کوچۂ دلدار میں آؤ تو سہی

نام نہاد مولوی، مولانا، علامہ اور مفتی وغیرہ وغیرہ اپنے ناجائز مقاصد کو پورا کرنے کے لیے عام طور پر جنت اور جہنم کی کہانی سنایا کرتے ہیں۔ پہلے جنت کا نقشہ کچھ اس طرح سے بتاتے ہیں جیسے وہ خود اس کے مکین رہے ہوں۔ ان کی پرسرور اور پراسرار باتیں سن کر لگتا ہے کہ انہوں نے جنت میں بہنے والی دودھ اور شہد کی نہروں کا نا صرف مشاہدہ کیا ہے بلکہ ان کا سواد بھی چکھا ہے۔ چکھا، لفظ ان کی توندیں دیکھ کر مذاق لگتا ہے۔ یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ان نے اپنی اوجڑیوں کو دودھ، شہد سے بھرا ہو۔ انار، کیلے، انگور، کھجور اور زیتون انہوں نے دنیا میں کھائے ہیں یا نہیں، نہیں کہہ سکتے مگر جنت کے میووں سے آشنائی وہ رکھتے ہیں۔ حور کی لمبائی چوڑائی، رنگ روپ، لباس، زیورات کے متعلق جتنا علم مولوی کو ہے اس کا عشر عشیر شاید جنتی بھی نہیں جان سکتا۔ نام نہاد مولوی یہ بھی جانتے ہیں کہ حسین لمبی چوڑی حور سے جنسی تعلق پیدا کرنے کے لیے ایک جنتی کو سو مردوں کے برابر قوت دے دی جائے گی اور ہر مرتبہ حور، کنواری کا لطف بغیر تکلیف کے دے گی۔ اتنی مزیدار جنسی تحریک پیدا کرنے والی ایسی گفتگو کے بعد سامعین کو بتایا جاتا ہے کہ یہ سب مزے لینے کے لیے مولوی کا کہا مان کر مرنا ہوگا یا اپنی جان کا کفارہ رقم دے کر ادا کرنا ہوگا۔ اگر کوئی من چلا یہ کہہ کر مولوی کی محنت رائیگاں کر دے کہ میں نہیں مانتا کہ دنیا کی برائیاں، جنت کی اچھائیاں بن جائیں، تو مولوی جہنم کے حالات سنا کر بندے کی زندگی جہنم بنا دیتا ہے، جہنم کا خوف اسے مذہبی جنونی یا ذہنی بیمار بنا کر اس سے دنیا کی جنت بھی چھین لیتا ہے۔ مولوی الیاس قادری صاحب کی دعوت اسلامی جنت کے متعلق کیا تبلیغ کرتی پھرتی ہے ملاحضہ فرمائیں۔

''جنّتیوں کے لباس نہ پرانے ہوں گے نہ ان کی جوانی فنا ہوگی۔ جنّت میں نیند نہیں کہ نیند ایک قسم کی موت ہے اور جنّت میں میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو! ذرا اہل جنّت اور ان کے سرسبز و شاداب پُر رونق چہروں پر غور

کیجیے کہ انہیں خوشبودار بندمہر والامشروب پلایا جاتا ہے،موتیوں کے خیمے میں سُرخ یاقوت کے منبروں پر بیٹھے، تازہ سفید کھجوریں سامنے رکھی ہوئی ہیں،انتہائی سبز فرش بچھے ہیں، مسندوں پر تکیہ لگائے ہیں، جونہروں کے کنارے بچھائے گئے ہیں، شراب طہور اور شہد حاضر ہیں، غلام اور نوکر حاضر ہیں، خوبصورت حوریں موجود ہیں، گویا یاقوت اور مرجان کی بنی ہوئی ہیں جن کوکبھی کسی انسان اور جنّ نے نہیں چھوا، باغات کے درجات میں چل رہی ہیں جب ان میں سے کوئی ایک چلنے پر مائل ہوگی تو ستّر ہزار بہشتی بچے اس کے لباس اُٹھائے ہوئے ہوں گے جن پر سفید ریشم کا لباس ہوگا کہ آنکھیں خیرہ ہو جائیں، سب کے سر پر تاج ہیں،اُن پر موتی اور مرجان جڑے ہیں، خوبصورت کاجل لگی آنکھیں، معطر اور بڑھاپے و دکھ سے محفوظ، خیموں میں بند اور وہ خیمے یاقوت کے محلات میں ہیں، جو جنّت کے باغوں کے درمیان میں، پاک دل و پاک نظر عورتیں ہیں، پھر ان جنّتی مردوں اور حوروں کے سامنے پیالے اور برتن پیش کیے جاتے ہیں۔ پینے والوں کے لیے لذیذ سفید شراب ہو گی۔ پھر فرماتے ہیں۔جنّت کی سرزمین چاندی کی ہوگی اور اس کے کنکر مرجان کے ہوں گے اور مشک کی مٹی ہو گی،اس کے پودے زعفران کے ہوں گے، پھولوں کی خوشبو والا پانی بادلوں سے برسے گا، کافور کے ٹیلے ہوں گے، چاندی کے پیالے حاضر ہوں گے جن پر موتی، یاقوت اور مرجان کا جڑاؤ ہوگا۔جنّت میں موتیوں کا ایک محل ہے جس میں سُرخ یاقوت سے بنے ہوئے ستّر مکان ہیں، ہر مکان میں سبز زمرد یعنی قیمتی سبز پتھر کے ۷۰ کمرے ہیں، ہر کمرے میں ستّر تخت ہیں، ہر تخت پر ہر رنگ کے ستّر بچھونے ہیں، ہر بچھونے پر ایک عورت ہے، ہر کمرے میں ستّر دستر خوان ہیں،، ہر دستر خوان پر ہر انواع و اقسام کے ستّر کھانے ہیں، ہر کمرے میں ستّر خادم، خادمائیں ہیں۔مومن کو اتنی طاقت عطا کی جائے گی کہ وہ ایک دن میں ان سب سے جماع کر سکے گا۔''

(اسلامی جنّت کی تیاری۔صفحہ ۲۲ اور ۲۸۔دعوت اسلامی کی پیشکش۔شائع کردہ۔مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی۔اشاعت جنوری ۲۰۰۸ء)

مولوی لوگوں کو جنت کے خواب دکھا کر خود اپنے لیے دنیا میں جنت کماتا ہے۔جنت اور دوزخ صرف تصور نہیں ہے بلکہ وہ حقیقت ہیں جن کا سامنا ہم ہر روز کرتے ہیں۔ایک نہایت محترم بزرگؒ جنت و جہنم کے ضمن میں فرماتے ہیں:۔

''حقیقت میں اسلام میں جنت و دوزخ کا تصور بہت منطقی اور معقول ہے۔ ہر شخص اس دنیا کی زندگی میں ہی اپنی جنت یا جہنم بناتا ہے۔ تمام لوگ جو دوسروں سے نیک سلوک کرتے ہیں اور ذمہ داری سے اپنے فرائض ادا کرتے ہیں وہ ایک محبت اور امن کے ماحول میں رہتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو جنت میں جائیں گے۔ وہاں ان کے اس دنیا کے اعمال مختلف شکلوں میں متمثل ہو کر ظاہر ہوں گے۔ جب آپ خدا اور اس کے بندوں سے امن اور تسلیم کے ساتھ رہتے ہیں تو گویا آپ دودھ اور شہد کی نہروں میں بستے ہیں۔۔ شہد میں شفا ہے اور دودھ ایک جامع خوراک ہے۔ اگلے جہان میں جو بھی آپ کو ملے گا وہ علامتی (Symbolic) ہو گا لیکن در حقیقت خدا کے قرب کی وجہ سے آپ اس دنیا کی نسبت وہاں زیادہ خوش ہوں گے۔ ایسا ہی حال دوزخیوں کا ہے جو لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں وہ کبھی بھی امن کے ساتھ اور خوشی کے ساتھ نہیں رہتے۔ ان کے دلوں میں ایک آگ لگی ہوتی ہے۔ یہی آگ ہے جو ان کے لیے اگلے جہان میں متمثل ہو گی۔

رُوح انسان کے اندر ایک لطیف چیز ہے۔ یہ انسان کے اندر آخری اتھارٹی ہے۔ جو بھی آپ اچھا یا برا کام کریں اس کا روح پر اثر پڑتا ہے۔ روحیں نہ نر ہیں نہ مادہ۔ جب یہ روحیں بدن سے آزاد ہوتی ہیں تو انہیں ایک خاص شکل دی جاتی ہے۔ اس دنیا میں انسان کا رہن سہن اور طرز عمل اس روح کی شکل متعین کرتے ہیں۔ جو روحیں اس دنیا میں خدا کی صفات کا رنگ اختیار کرتی ہیں وہ خدا کے ہاں زیادہ حسین ہوں گی اور جو کم صفات اپنانے والی ہوں گی وہ اسی نسبت سے کم حسین ہوں گی۔''

انسان کو چاہیے کہ جنت اور دوزخ کی کہانیوں یا جنت و دوزخ جیسے حقائق میں سر کھپانے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کی صفات کو اپنانے پر کام کرے۔ یہی بہتر ہو گا۔

شیخ جنت تجھے ، مجھے دیدار
واں بھی ہر اک کی ہے جدا قسمت
میرؔ سچ کہتا تھا جنت ہو نصیب اس کے تئیں
حور کا چہرہ کہاں اس کا رخ نیکو کہاں

چند جنت کے متعلق اشعار پیش ہیں:۔

جسے چاہے جنت میں دیوے مقام
جسے چاہے دوزخ میں رکھے مدام

میر حسن

ان کی گلی نہیں ہے نہ ان کا حریم ہے
جنت بھی میرے واسطے جنت نہیں رہی

نادر شاہجہاں پوری

سکون مستقل دل بے تمنّا شیخ کی صحبت
یہ جنت ہے تو اس جنت سے دوزخ کیا برا ہو گا

ہری چند اختر

ذوق عمل نہ ذوق جنوں ہر طرف سکوں
جنت اگر یہی ہے تو جنت میں جائے کون

شکیل بدایونی

جنت کے لیے شیخ جو کرتا ہے عبادت
کی غور جو خاطر میں تو مزدور کی سوجھی

نظیر اکبرآبادی

جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں
ایسی جنت کو کیا کرے کوئی

داغ دہلوی

نہ کرتے کبھی خواہش سیر جنت
جو واعظ ترا رہ گزر دیکھ لیتے

حسرت موہانی

''قہر ہے بات بات پر گالی''

پاکستان میں مختلف فرقوں کے لوگ آباد ہیں ۔ بریلوی اور دیو بندی کہلانے والے مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔اور یہ دونوں چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم ہیں۔گزشتہ دنوں فیض چوک اسلام آباد میں جو مذہب کے نام پر سیاسی تماشا کیا گیا تھا، وہ بریلوی مسلمانوں نے کیا تھا۔

بریلوی مسلمان مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کو مجدد مانتے ہیں۔تمام بریلوی ٹکڑیاں ان سے اپنا دامن جوڑتی ہیں۔ بریلوی علماء کا ایک امام نہیں ہے۔کوئی ٹکڑی بھی کسی کے ساتھ ضم ہونے کو تیار نہیں ہے۔اس لیے بریلوی ٹکڑیوں کی تعداد بجائے کم ہونے کے بڑھ رہی ہے۔سنی تحریک ،جمیعۃ علماء پاکستان، سنی اتحاد کونسل، جماعت اہل سنت، دعوت اسلامی، عوامی تحریک اور دوسری بہت سی تنظیموں کے بن جانے کے بعد بھی تقسیم کا عمل جاری ہے۔ممتاز قادری کی پھانسی کے بعد، اس کے نام پر لہو گرمانے کا سلسلہ شروع ہوا۔پیر افضل قادری اور مولانا آصف جلالی کو سیڑھی کے طور پر استعمال کر کے مولانا خادم حسین رضوی بلا شرکت غیر لبیک یا رسول اللہ کے راہنما بن چکے ہیں۔مولانا رضوی کے آصف جلالی اور پیر افضل قادری سے تعلقات کشیدہ ہو چکے ہیں۔یہی نہیں آصف جلالی نے پیر افضل قادری کے خلاف کفر کا سر عام فتویٰ دے کر اپنے سے جدا کر لیا ہے۔

پاکستان کے عوام عام طور پر مولویوں کو سر پر بٹھانے والے ہیں۔مگر دھرنا کے دوران استعمال کی جانے والی زبان نے ایک بہت بڑی تعداد کو گندا ذہن مولویوں سے متنفر کر دیا ہے۔کسی نے سچ کہا ہے کہ مولانا خادم حسین رضوی جسمانی طور پر معذور ہیں مگر ان کی زبان سے نکلنے والی گندی گالیاں بڑی صحت مند ہوتی ہیں۔یوں تو ہمارے معاشرہ میں بات بات پر گالی دینا عام ہو چکا ہے مگر کسی مولوی کا اس طرح سر عام گالیاں دینا دنیا نے پہلی بار دیکھا۔مسلمانوں کہلانے والوں کی ایسی حالت فلک نے کبھی نہیں دیکھی ہو گی کہ ہمارے حبیب آقا حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ ﷺ کی ناموس کے تحفظ کے نام پر مولوی غلیظ گالیاں دے رہے ہوں اور سامنے بیٹھے تماشبین سبحان اللہ کہہ رہے ہوں۔مولوی صاحبان کی گالم گلوچ پر شریف شہری شرمندہ ہوتے رہے۔مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ارباب اختیار تماشا دیکھتے رہے یا مذاکرات کا راگ الاپتے رہے۔شرافت کی

جس طرح سر عام دھجیاں بکھیری گئیں اس طرح تو آوارہ بدمعاش لوگ بھی نہیں کرتے ۔غرض عاشقان رسول اللہﷺ جو حقیقت کو سمجھتے ہیں وہ دین اسلام کی لاثانی اور زندگی بخش تعلیمات پر گالیوں کا لیبل لگنے پر بلبلا اُٹھے۔میر تقی میرؔ نے سچ کہا تھا۔

قہر ہے بات بات پر گالی
جاں بہ لب ہیں تری زبان سے لوگ

مسئلہ کوئی بھی ہو اسلام ہمیں اخلاق کا دامن نہ چھوڑنے کی ہدایت کرتا ہے۔ بریلوی کہلانے والے مولویان نے اخلاقی اقدار جو کہ دین اسلام کا طرہ امتیاز ہیں کا جنازہ نکالنے کی کوشش میں اپنا غلیظ چہرہ جس پر اسلام کی چادر ڈال رکھی تھی اسے ہی ننگا کیا ہے۔ دین اسلام نے اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ تم بتوں کو بھی نہ گالی دو، دین اسلام کی عظمت کی دھاک بٹھانے کے لیے، گالیاں دینا، پھبتیاں کسنا اور ذو معنی فقرے کہہ کر گند پھیلانا، یہ سب جگ ہنسائی کا باعث تو بن سکتے ہیں، باعث تسکینِ قلب وجاں قطعاً نہیں ہو سکتے۔

ہم تو اس بات پر حیران ہیں کہ مقررین دھرنا فیض آباد چوک راستہ کے اسلامی آداب سے قطعاً نا آشنا تھے۔اگر واقف ہوتے تو بیس لاکھ متاثرین دھرنا بھی ان شرکاء دھرنا کو دعائیں دیتے، ہم نے تو شہریوں کو تکلیف کی شدت سے نڈھال ہو کر شرکاء دھرنا کو کوسنے دیتے ہوئے ہی سنا۔ سچی بات یہ ہے کہ سلام جس کا مطلب سلامتی ہے اس کے جواب میں بھی گالی دی جاتی ہے یا اندر کروا دیا جاسکتا ہے۔

ہوتا ہے کون دست بسر واں
گالی ہے اب جواب سلام نیاز کا

فرقوں کے بطن سے پیدا ہونے والی ٹکڑیوں کا واحد مقصد دولت اور شہرت کا بلاشرکت غیر حصول ہے۔ دراصل یہ ٹکڑیاں اپنی اپنی دکان بناتی ہیں اور ان کے مالکان ختم نبوت، توہین رسالت اور دوسرے مسائل کے نام پر چندے اکٹھے کر کے اپنی اپنی دکان کی قدر و قیمت میں اضافہ کر کے حکومت وقت کو بھی بلیک میل کرتے ہیں، اور پھر

مسجد مندر سب کے اندر راج غلامی کرتی ہے
دولت لے کر نام خدا کا گھر گھر دھرنا دھرتی ہے

مذہب کی حقیقت

مولانا شرف الدین صاحب مرحوم کے صاحب زادے جناب خلیل شرف الدین صاحب کی ایک کتاب ''مذہب کی حقیقت'' ہے۔اس کتاب میں موصوف نے بغیر لگی لپٹی کے مسلمانوں کی حالت زار بیان کی ہے۔اسی کتاب سے لیا گیا ایک اہم مضمون قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

جناب خلیل شرف الدین صاحب لکھتے ہیں:۔

جو مذہب روٹی کا مسئلہ حل نہیں کرسکتا وہ مذہب نہیں ہے۔ مداری کا کھیل ہوتو ہو۔ جو مذہب ظلم کی روک تھام نہیں کرسکتا وہ مذہب نہیں ہے، بھانڈوں کی نقالی ہوتو ہو۔ مذہب اپنی سیاست سے روٹی کا مسئلہ بھی حل کرسکتا ہے اور ظلم کا انسداد بھی کرسکتا ہے۔ مذہب اور مذہبی سیاست دونوں آج مفقود ہیں۔ نہ کوئی رعایا مذہبی ہے اور نہ اسلامی حکومتوں کا قیام آج مذہب پر ہے۔ان حکومتوں کی اساس اگر مذہب ہوتا تو ان ممالک میں یتیم پہچانا نہ جاسکتا اور مسکین کی نشان دہی محال ہوتی۔ یہ تمغہ امتیاز اگر انہیں حاصل ہوتا تو بعید نہیں کہ دنیا انہیں خیر اُمت کا لقب دیتی اور ہمیں موقع ملتا کہ غیر مذہبی ممالک سے ظلم اور سنگ دلی اور حرص دُور کرنے کے لئے ہم تعاون کی اسکیم چلاتے اور اشتراک عمل کی دعوت دیتے۔

دنیا میں آج اسلامی سیاست کارفرما نہیں ہے۔ جو سیاست جادو کی طرح سر پر چڑھ کر بول رہی ہے وہ یا تو یورپ کی ہے یا امریکہ کی یا روس کی یا چین کی۔ہم کسی زمانے میں خیر اُمت رہے ہوں، لیکن آج نہیں ہیں۔ ہماری سیاست کسی زمانے میں قابلِ قدر رہی ہو، لیکن آج نہیں ہے۔آج ہم یا تو یورپ کے ستِ نگر ہیں یا امریکہ کے، یا روس کے یا چین کے اور ہماری سیاست کا دارومدار عیب جوئی اور شکوہ سنجی پر ہے۔ جب تک ہم نکتہ چینی نہ کریں ہمارا کھانا ہضم نہیں ہوتا اور جب تک ہم واویلا نہ مچائیں ہمیں ڈکار نہیں آتی۔ ہمارا طریق عمل ہمارے نزدیک کتنا ہی قابل فخر کیوں نہ ہو، لیکن وہ ایسا نہیں ہے کہ روس اور امریکہ اور دوسری قومیں اس طرف لپکیں اور نہ اپنانے پر گھاٹے میں رہیں۔

کہتے ہیں کہ کوا ہنس کی چال چلنے لگا تو اپنی چال بھی بھول گیا۔ یہی حال ہمارا ہے۔ ہم دوسروں کی

نقالی میں کوشاں ہیں لہذا دنیا میں ہمارا کیا رول ہے۔ وہ ہم بھلا بیٹھے ہیں۔سب حکومتیں پاسپورٹ بناتی ہیں لہٰذا ہم بھی پاسپورٹ بناتے ہیں سب حکومتیں اپنے اپنے ملکوں میں غیر ملکیوں کو کام کے پرمٹ دیتی ہیں۔ وہاں پرمٹ کے بغیر کوئی بھُو کا غیر ملکی روٹی نہیں کما سکتا۔ لہٰذا یہ سسٹم ہم نے بھی رائج کرلیا ہے۔(اگرچہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) سب ممالک حریص ہیں لہٰذا ہم بھی حریص ہیں۔سب ممالک مسلح ہیں لہٰذا ہم بھی مسلح ہیں (اگرچہ ہم اپنا اسلحہ اپنے بھائیوں کی لاشوں کا ڈھیر لگانے کیلیئے استعمال کرتے ہیں) سب ممالک اپنا اپنا جھنڈا رکھتے ہیں لہٰذا ہم بھی اپنا اپنا جھنڈا رکھتے ہیں۔تمام ممالک اقتدار حاصل کرنے اور اقتدار قائم رکھنے کے لئے ہر جائز اور ناجائز وسائل اختیار کرتے ہیں لہٰذا ہم بھی اقتدار حاصل کرنے اور اقتدار قائم رکھنے کے لئے ہر جائز اور ناجائز وسائل اختیار کرتے ہیں۔اغیار اگر گدھے ہیں تو ہم بھی گدھے بننے کو تیار ہیں۔اس میں کیا مضائقہ ہے کہ دوسرے ممالک والے ذرا بڑے قسم کے گدھے ہیں اور ہمارا سائز چھوٹا ہے۔ سوال گدھے بننے کا ہے۔بڑے چھوٹے کا نہیں ہے۔اس میں کوئی فرق ہو تو بتلایئے۔گدھا۔ بقول مارک ٹوین۔بلی کے سائز کا بھی ہوا کرتا ہے۔ہم بندروں کی سی مضحکہ خیز نقالی کے بجائے عقلمندوں کی طرح دوسروں کی اچھی باتیں اخذ کرتے تو ہمارے لئے یہ طریقہ سُودمند ہوتا۔

خوب تر ہم سے ہیں اُن کے دل میں اخلاقی اصول
گو نہیں ہے دینِ ابراہیمؑ اُن کے ہاتھ میں

ہم جاپان سے تعلیم و تربیت کے طریقے سیکھ سکتے ہیں۔انگلستان سے دُور اندیشی سیکھ سکتے ہیں۔جرمن سے نظم و نسق سیکھ سکتے ہیں،سوئٹزرلینڈ سے صفائی سیکھ سکتے ہیں۔ناروے سے صحت قائم رکھنے کے اصول سیکھ سکتے ہیں،ہالینڈ سے ٹاؤن پلاننگ سیکھ سکتے ہیں۔امریکہ سے نظام عمل سیکھ سکتے ہیں،روس سے بنجر جگہوں کو آباد کرنا سیکھ سکتے ہیں،چین سے کفایت شعاری سیکھ سکتے ہیں۔سب سے قسم قسم کے ہُنر سیکھ سکتے ہیں اور سب کو دیکھ کر ہم پیہم عمل کرنے کی عادت ڈال سکتے ہیں۔

ہم اپنے اوصاف حمیدہ پر نظر ڈالیں تو ہمیں سراپا گندگی ہی گندگی نظر آئے گی۔دانتوں کی گندگی، جسم کی گندگی، کپڑوں کی گندگی، زبان کی گندگی، دماغ کی گندگی، جہالت کی گندگی، قول و قرار توڑنے کی

گندگی، بے وفائی کی گندگی، وعدوں پر قائم نہ رہنے کی گندگی، بُخل کی گندگی، بے کاری کی گندگی، کاہلی کی گندگی، بے ایمانی کی گندگی، نفس پرستی کی گندگی، چرب زبانی کی گندگی، گالی گلوچ کی گندگی، عیب جوئی کی گندگی، شکوہ سنجی کی گندگی، غرور و تکبر کی گندگی، فخر و مباہات کی گندگی، ڈینگیں مارنے میں اُستاد ہونے کی گندگی عقل کُل کے حق دار سمجھنے کی گندگی، بد پرہیزی کی گندگی، زود رنجی کی گندگی، دو غلے پن کی گندگی، خود پسندی کی گندگی، تدبیر و تدبر کو پاس پھٹکنے نہ دینے کی گندگی وغیرہ وغیرہ۔ اگر کوئی شخص یہ گندگیاں چھوڑنا چاہے گا تو اُسے قدرے وسیع میدان طے کرنا ہوگا۔ ان کی فہرست ذرا طویل ہے۔ اور اگر کہیں وہ ہمت کر کے اس مرحلہ کو عبور کر لے تو وہ اپنے آپ کو بے یار و مددگار پائے گا۔

ہم دنیا و آخرت میں اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جبکہ مذہب کی حقیقت کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں، ورنہ ہمارا انتشار جس طرح صدیوں سے چلا آرہا ہے اسی طرح صدیوں تک چلا جائے گا۔ سینکڑوں سال سے ہم پراگندہ حال ہیں، ذلیل و خوار ہیں، غریب ہیں بھیک مانگتے ہیں،، میلے ہیں، بیمار ہیں، گندگی ہماری طبیعت ثانیہ بن گئی ہے۔ ننگے رہنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ ہم جاہل، ہمارے باپ دادا جاہل، ہمارے بچے جاہل، ہمارے پوتے جاہل، جہالت سے گویا ہمیں خاص لگاؤ ہے۔ ہماری عورتیں بد بودار، ہم بد بودار، ہمارے گھر بد بودار، ہمارے محلے بد بودار، بد بو پر گویا ہمارا ہی حق ہے۔ مشرق سے لے کر مغرب تک ہمارا ایک ہی حال ہے۔ عرب کے خاص خاص علاقوں میں آج کل دولت ہے، لیکن وہاں بھی بد بودار محلے موجود ہیں، ہفتوں اور مہینوں نہ نہانے والے موجود ہیں۔ دانتوں پر کائی افراط سے موجود ہے، جہالت موجود ہے،، جمود موجود ہے، فخر و مباہات موجود ہے، غریبوں کے محلے موجود ہیں۔ انہیں دیکھ کر آدمی کا خیال اس طرف جاتا ہی نہیں کہ ان ہی کے آباء واجداد دنیا کی تعلیم و ترقی کے علمبردار تھے۔

ہم نے مذہب کو ایک ہوّا بنا رکھا ہے اور وہ ہوّا ہم لوگوں کا مشغلہ ہے۔ جو لوگ اس مشغلہ میں اپنا سر دھن رہے ہیں وہ تمام کے تمام اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ کیونکہ مذہب ایک مشغلہ نہیں ہے۔ مذہب چلنے کے راستے کو کہتے ہیں جس پر چل کر کوئی مقصد حاصل کیا جائے۔ اگر مقصد موجود نہ ہو تو چلنے کے راستے کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر آپ کو مرغ مسلّم تیار کرنا ہو تو اس کے لوازمات بھی ضروری ہوں گے اور اس کے پکانے

کی ترکیب بھی ضروری ہوگی۔ترکیب کو رٹنے سے ترکیب پرعمل کرنے سے قیامت تک آپ کو مرغ مسلّم نہیں ملے گا۔پس چلنے کے راستے کو عربی زبان میں مذہب کہتے ہیں۔اس راستہ پر جا کر اگر آپ چلنے کے بجائے بیٹھ جائیں تو آپ کی مرضی۔آپ کہیں پہنچ نہ پائیں گے۔اور دنیا آپ پر ہنسے گی۔

زاہد ازیں نماز تو کارے نمی رود
ہم مستیٔ شبانہ و راز و نیازِ من

(''مذہب کی حقیقت''از خلیل شرف الدین۔سن اشاعت ۱۹۸۰ء۔شائع کردہ لاہوتی فائن آرٹ پریس دہلی)

جمعہ کی چھٹی

مولانا سراج الحق نے جامع مسجد منصورہ میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ''سود کے حق میں اپیل اور جمعہ کی چھٹی کا خاتمہ موجودہ حکمرانوں کے دو ایسے فیصلے ہیں جو دنیا و آخرت میں سراسر خسارے کا سودا ہے۔۔۔۔۔جس دن سے جمعہ کی چھٹی ختم ہوئی بے برکتی اور نحوست نے ملک کو گھیرے میں لے لیا اور ملکی معیشت کی کشتی مسلسل ڈوبتی جارہی ہے۔''

بھٹو کی حکومت سے پہلے پاکستان میں ہفتہ اور اتوار کی چھٹی ہوتی تھی۔بھٹو صاحب نے اسے تبدیل کرکے چھٹی کا دن جمعہ مقرر کردیا۔اب ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ کیا بھٹو سے پہلے بے برکتی اور نحوست زیادہ تھی یا بھٹو اور ضیاء الحق کا تاریک دور زیادہ بے برکت اور منحوس تھا۔ہاں یہ حقیقت ہے کہ نواز شریف کا جمعہ کی چھٹی ختم کرنا ثابت کرتا ہے کہ وہ پاکستان کے لیے اتوار کی چھٹی کو باعث برکت سمجھتے ہیں۔نواز شریف صاحب نے سوچا ہوگا کہ مغرب کی خوشحالی کا راز شاید اتوار کی چھٹی میں ہے۔جن اسلامی ممالک میں جمعہ کی چھٹی ہوتی ہے ان کی حالت زار بھی یقیناً ان سے پوشیدہ نہیں ہوگی۔مولانا سراج الحق اپنی سوچ کے بادشاہ ہیں۔ان کی سوچ کے مطابق پاکستان کے مسائل یعنی منحوسیت کا حل سود سے لاتعلق ہونا اور جمعہ کی چھٹی ہے۔ہم دعا گو ہیں کہ جماعت اسلامی والوں کو اعلان لاہور کے موقع پر جو ڈنڈے پڑے تھے دوبارہ نہ پڑیں،سراج الحق صاحب کے پاس ایک ہی تو کام ہے کرنے کا اور وہ ہے احتجاج کرنے کا۔احتجاج پر ہمیں تکلیف نہیں اگر کسی بوڑھے،، بچے یا جوان کو جوتوں ڈنڈوں سے مارا جائے تو دکھ ہوتا ہے۔یہ لوگ مار کھاتے ہیں اور امیر جماعت اسلامی نواز شریف کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کو اعزاز سمجھتے ہیں۔

شاہ رخ جتوئی کی رہائی

گزشتہ دنوں شاہ رخ جتوئی کو عیاشانہ قید سے رہا کر دیا گیا ہے۔ نام نہاد قید سے رہائی کے بعد یہ شاہ زیب نامی نوجوان کا قاتل ہنستے ہوئے، دو انگلیوں سے فتح کا نشان بناتے ہوئے، بغیر نمبر پلیٹ گاڑیوں کے جلو میں اپنے گھر گیا۔ اور قانون کے رکھوالے بے بسی سے قانون کی دھجیاں بکھرتے دیکھتے رہے۔

۲۵ دسمبر ۲۰۱۲ء کو شاہ زیب نامی نوجوان کو اس وقت سر عام گولی مار کر قتل کر دیا گیا تھا جب مقتول نے اپنی بہن پر نازیبا فقرے کسنے سے روکا تھا۔ قتل کرنے کے بعد قاتل جتوئی دوبئی فرار ہو گیا تھا۔ قاتل کے فرار ہو جانے پر سوشل میڈیا، سول سوسائٹی اور عوام نے بھرپور تحریک چلائی۔ بالآخر چیف جسٹس آف پاکستان کے حکم پر قاتل کو واپس لایا گیا۔ دہشت گردی کے تحت قائم ہونے والے مقدمے میں شاہ رخ جتوئی اور سراج تالپور کو سزائے موت سنائی گئی۔

سزائے موت سنائے جانے کے بعد جتوئی خاندان نے نہ جانے کتنا دباؤ ڈالا کہ وارثان مقتول صلح پر مجبور ہو گئے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ دہشت گردی کی دفعات کے تحت ملنے والی سزا کو دیت کے تحت ہونے والی صلح بھی معطل نہیں کر سکتی۔ کیونکہ دہشت گردی مقدمہ کی حکومت مدعی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ہائی کورٹ نے اپنا ناجائز رول ادا کرتے ہوئے، قاتل کے خلاف نا صرف دہشت گردی کی دفعات ختم کر دیں بلکہ ان دفعات کے تحت دی جانے والی سزائے موت جسے سندھ ہائی کورٹ نے عمر قید میں تبدیل کر دیا تھا اس کو بھی ختم کر کے قانون و آئین کے منہ پر کالک پوت کر قاتل کی رہائی کی راہ میں حائل تمام رکاوٹیں دور کر دیں۔

اگر اس تمام ناجائز کاروائی پر سپریم کورٹ نے مثبت رول ادا کرتے ہوئے مقتول شاہ زیب کے قاتلوں کو کیفر کردار تک نہ پہنچایا تو عدلیہ پر قوم کا رہا سہا اعتماد بھی ختم ہو جائے گا۔

قاتل شاہ رخ جتوئی کی رہائی نا صرف قانون و آئین کے بلکہ گونگی شرافت کے منہ پر پڑنے والا ایسا زوردار طمانچہ ہے جس کی گونج سے تاریخ کا سینہ تھراتا رہے گا۔

☆☆☆

تحریک عدل اور تحریک قصاص

نواز شریف نے تحریک عدل کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ تحریک عدل کسی کے خلاف نہیں بلکہ انصاف کے حصول کے لیے ہے۔

پینتیس سال تک اقتدار کے مزے لوٹنے والا بستر مرگ پر پڑا حکمران جب یہ کہتا ہے کہ میرے ساتھ نا انصافی کر کے انصاف کا مذاق اڑایا گیا ہے۔اور مَیں اس نا انصافی کے خلاف تحریک عدل چلا کر انصاف حاصل کروں گا۔تو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ وطن عزیز میں عوام کے درد والم کا کیا حال ہوگا۔افسوس تو اس بات کا ہے کہ تحریک عدل چلانے والے نواز شریف کی اپنی سیاسی جماعت حکمران ہے اور اس جماعت کی پارلیمنٹ میں اکثریت بھی ہے۔

ایسی باتیں کرتے ہوئے نواز شریف صاحب کو شرم بھی نہیں آتی۔افتخار چوہدری کے تو جناب بڑے ہمدرد تھے،حالانکہ انہوں نے مشرف کو حکومت کرنے کی اجازت دی تھی اور پھر مشرف کا پیدا کردہ حلف اٹھایا تھا۔نواز شریف کیا نہیں جانتے کہ نا انصافی کے منحوس پودے ہمارے اس آئین میں موجود ہیں جس آئین کی جگالی،سیاستدان،فوجی اور مولوی دن رات کرتے ہیں۔نواز شریف اچھی طرح جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بدنام زمانہ آمر ضیاء الحق نے آئین کی کم از کم نوے بار بے حرمتی کی جس سے آئین کی حالت اس فاحشہ جیسی ہوگئی ہے جسے بار بار نوچا گیا ہو۔نواز شریف نے آئین سے گند نکالنے کے لیے کئی ترامیم کیں،مگر صرف وہی گند نکالا جس کی زد میں وہ خود آتے تھے۔چاہیے تو یہ تھا کہ آئین کو مکمل طور پر بحال کرتے۔ہم یقین دلاتے ہیں کہ اگر وہ ایسا ہی کرتے تو نا اہل نہ ہو سکتے تھے،شق ۶۲،۶۳ بھی جنرل ضیاء الحق کی دین ہے۔پاکستان کی ایک کمزور اقلیتی جماعت بھی اسی آمر کی گندگیوں کا شکار نواز شریف کے دور حکومت میں رہی۔جب تک آئین کی رگوں میں غیر اسلامی و غیر اخلاقی دفعات کی صورت میں بہنے والا گندا خون فلٹریشن کے مراحل سے گزر کر صاف،پاک نہیں ہوتا تب تک نا انصافی جیسی غلیظ بیماری سے چھٹکارا ممکن نہیں۔

مولوی طاہر القادری کی تحریک قصاص بھی تحریک عدل کی طرح ناکارہ تحریک ہے۔یہ بات مولوی

طاہر القادری بھی جانتے ہیں اسی لیے انہوں نے شور شرابے کو چٹخارے دار بنانے اور نتیجہ خیز ہونے کی امید پر ختم نبوت قانون کی آڑ میں سیاست چمکانے کا فیصلہ کیا ہے۔

۱۴ شہیدوں کے لاشوں کو انصاف ملنا چاہیے مگر ایسا اس لیے نہیں ہوسکتا کیونکہ حکمران جماعت کا سربراہ نواز شریف اپنے لیے خود تحریک عدل چلا رہا ہے، بلاول اپنی ماں بے نظیر اور نانا ابو کے لیے انصاف مانگ رہا ہے، مولوی گزشتہ ستر برس سے نظام مصطفیٰ، اسلامی نظام وغیرہ مانگ رہے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عمران خان گزشتہ تیس برس سے تحریک انصاف چلا رہے ہیں۔

مولوی طاہر القادری صاحب کو مولوی خادم حسین رضوی، پیر افضل قادری، مولوی آصف جلالی اور پیر حمید الدین وغیرہ میں سے کسی ایک کی بیعت کر لینی چاہیے۔ رضوی کی بیعت زیادہ فائدہ مند ہوگی۔ مولوی طاہر القادری کے طویل دورانیے کے دھرنے مکمل طور پر ناکامی کا منہ دیکھ چکے ہیں۔ جلالی کا کمال دیکھیں ۱۳ دن میں مقاصد حاصل کر لیے، رضوی اور افضل قادری نے ۲۳ دن میں حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا، جنرل حیات اور ان کے دیگر ساتھیوں نے ان کی حوصلہ افزائی دھرنے میں آ کر فرمائی، وزیر قانون زید حامد کے استعفیٰ کی کاپی ان کی خدمت میں پیش کی اور شرکاء دھرنا کو سفری اخراجات کے لیے بند لفافوں میں رقم بھی دی۔ لیڈران کو کروڑوں روپے تاوان ادا کرنے کا بھی وعدہ کیا، تمام گرفتار شدگان کو رہا کرنے کا وعدہ بھی کیا اور حسب ارشاد کچھ لوگوں کو فوراً رہا کر کے اپنے اخلاص پر مہر لگائی گئی۔ اور ساتھ ہی یہ کہنا بھی جنرل صاحب نہیں بھولے کہ ''کیا ہم آپ کے ساتھ نہیں ہیں؟''

مولوی طاہر القادری صاحب کو صرف یہ کرنا ہوگا اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے، کسی مصروف ترین شاہراہ پر اپنے چند ہزار لٹھ بردار مریدوں کے ساتھ دھرنا دیں۔ اپنے جوش خطابت کے دوران بالکل نئی طرز کی گالیاں حکمرانوں، سیاستدانوں، ججوں اور جرنیلوں کو دیں، انہیں نا صرف گالیوں سے نوازیں بلکہ کوسنے، بددعائیں اور دھمکیاں بھی دیں۔ جبکہ یہ سب مخالفین کو دے رہے ہوں اپنے کارکنوں کی تواضع اچھے سے اچھے کھانے، پھل فروٹ اور خشک میوہ جات سے کرنا نہ بھولیں۔ لوگوں کی پریشانیوں کو قطعاً خاطر میں نہ لائیں۔ لوگوں کی لعنتوں اور بددعاؤں کو سمیٹتے ہوئے، مسافروں کی آہوں، بیماروں کے درد و الم سے لاپرواہ ہو

کر پیچ سڑک کے چوری کی بجلی سے شور مچانے والے لاؤڈ اسپیکر سے اذان دے کر نماز باجماعت ادا کریں۔ ناپاکی اور بدبو برداشت کریں۔ بعد اس کے آپ کے پاس جرنیل دوڑے چلے آئیں گے۔

معزز قارئین! شاہراہ پر نیک مقصد کے حصول کے لیے گند کرنا اور اس گند پر رہنا نام نہاد مولوی کی سرشت میں داخل ہے۔ ہمارا احسن ظن ہے کہ مولوی طاہر القادری صاحب نفاست پسند ہیں۔ ہمارے ملک میں نفیسوں کی قدر و قیمت نہ ہونے کے برابر ہے۔ جو گند پر بیٹھ کر گند کرے، جو اخلاق سے گری بات کرے، بدمعاشی جس کی رگ رگ میں ہو، کفر، زندیق اور مرتد کے فتووں کی گٹھڑیاں جن کے جبہ و دستار کی زینت ہوں، صرف ایسے لوگوں سے حکومت، جج اور فوجی نا صرف خوف کھاتے ہیں بلکہ ان کے ناجائز مطالبات کو بھی مان لیتے ہیں۔ اگر مولوی طاہر القادری صاحب واقعی ۱۴ شہیدوں کے لیے انصاف چاہتے ہیں تو اس انصاف کے لیے ان کو بہر حال مولوی خادم حسین رضوی کی طرح گند کرنا، گند پر بیٹھنا اور گند بکنا پڑے گا۔

قارئین جوش ملیح آبادی نے ہر قسم کی ملائیت کے متعلق کہا تھا

کان میں سُن یہ بات ہے نشتر
مولویت ہے موت سے بدتر

☆☆☆

''ہائے ہائے صدقے جاواں'' (شیطان)

نامور ادیب جناب اشفاق احمد صاحب لکھتے ہیں:۔

(شیطان کے متعلق) تائی کہنے لگی ''ہائے ہائے! صدقے جاواں اُو بڑا ہی محنتی ہے، جس کم دا تہیہ کرے، اس کو چھوڑتا ہی نہیں، پورا کر کے دم لیتا ہے۔ کیا کہنے اس کے، وہ ہماری طرح سے نہیں ہے کہ کسی کام میں آدھا دن اِدھر اور آدھا دن اُدھر، اس نے جس کام کی ٹھان لی، پورا کر کے ہی چھوڑتا ہے۔''

(زاویہ جلد دوم از اشفاق احمد صفحہ ٦٤)

اس تحریر کو پڑھ کر پتہ لگا کہ ہم وطنوں کی اکثریت جی جان سے ملک تباہ کرنے پر کیوں تلی ہے؟

ولیم کنراڈ رونتجن

(Wilhelm Conrad Rontgen)

ایکس رے دریافت کرنے والے ولیم کنراڈ رونتجن ۲۷ مارچ ۱۸۴۵ء کو جرمنی کے صوبہ رائن میں پیدا ہوئے۔ ولیم کا باپ جرمن تھا اور والدہ ڈچ تھی۔ ولیم جب ہالینڈ میں ہائی اسکول کے طالب علم تھے انہیں اس وجہ سے اسکول سے نکال دیا گیا کہ انہوں نے ایک مضحکہ انگیز تصویر بنائی تھی۔ ہالینڈ میں ہائی اسکول کے ڈپلومہ کے بغیر کسی بھی یونیورسٹی میں داخلہ ممکن نہ تھا۔ سوئٹزرلینڈ کے سب سے بڑے شہر زیورخ میں موجود تعلیمی ادارے Federal Polytechnic Institute میں انہیں داخلہ مل گیا۔ یہاں ولیم نے تمام امتحانات پاس کرنے کے بعد مکینیکل انجینئر کی ڈگری حاصل کی اور ۱۸۶۹ء میں یونیورسٹی آف زیورخ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اسی یونیورسٹی میں پروفیسر August Kundt نے جن کے ولیم چہیتے شاگرد تھے، ولیم کو یونیورسٹی آف سٹراس برگ بھیج دیا۔ یہاں ولیم نے بطور لیکچرار اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۸۷۶ء میں انہوں نے جرمنی میں Württemberg، Hohenheim میں قائم Academy of Agriculture میں بطور پروفیسر کام کیا اور دو سال بعد انہیں University of Giessen کے شعبہ طبیعات کا سربراہ بنا دیا گیا۔ ۱۸۸۸ء میں University of Würzburg اور ۱۹۰۰ء میں انہیں صوبہ بائرن کی خصوصی درخواست پر University of Munich کے شعبہ طبیعات کا انچارج بنایا گیا۔

۱۸۹۵ء میں ولیم Nikola Tesla اور دوسرے مشہور سائنسدانوں کے بنائے سائنسی آلات کی مدد سے مختلف سائنسی نلیوں سے بجلی گزار کر نلیوں کے اندرون میں ہونے والی تبدیلیوں کا مشاہدہ شروع کیا۔ ۱۸۹۵ء میں ولیم Nikola Tesla اور دوسرے مشہور سائنسدانوں کے بنائے سائنسی آلات کی مدد سے مختلف سائنسی نلیوں سے بجلی گزار کر نلیوں کے اندرون میں ہونے والی تبدیلیوں کا مشاہدہ شروع کیا۔ ایک دن ولیم شیشے کی ایک نلی میں سے جس سے تمام ہوا خارج کر دی گئی تھی اور سیاہ کاغذ سے پوری طرح لپٹی ہوئی تھی بجلی کی رو گزار رہا تھا۔ تاریک کمرے میں ولیم نے مشاہدہ کیا کہ اس نلی سے گزرنے والی بجلی کی لہر جب

ایلومینیم سے بنی کھڑکی جسے بجلی کی رو کے نلی سے نکل جانے کے لیے بنایا گیا تھا کے پاس سے گزرتی ہے تو پاس پڑے ہوئے barium platinocyanide کے ذرات چمکنے لگتے ہیں۔اس نے نلی اور اس کارڈ کے درمیان جس پر یہ ذرے پڑے تھے، مختلف اشیاء رکھ کر دیکھیں، ہر بار یہی علوم ہوا کہ ان اشیاء کا سایہ کارڈ پر پڑ رہا ہے۔اس تجربہ کے بعد اگلے چند ہفتے تک ولیم تجربہ گاہ میں ہی رہا، کھانا بھی تجربہ گاہ میں کھاتا اور سوتا بھی وہیں تھا۔ولیم بار بار تجربہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ تجربات کے دوران دریافت ہونے والی شعاعیں ان مادوں سے بھی گزر جاتی ہے جن میں سے معمولی روشنی نہیں گزر سکتی۔ولیم رونجن نے دریافت ہونے والی نئی شعاع کا نام ایکس رے رکھا یعنی نامعلوم شعاع۔ان شعاؤں کو Röntgen rays بھی کہا جاتا ہے۔ایک دن جبکہ وہ تجربہ کر رہا تھا اس نے پہلی بار اپنی انگلیوں کا barium platinocyanide کی اسکرین پر radiographic عکس دیکھا۔بعد میں ولیم نے بتایا کہ یہ وہ وقت تھا جب اس نے اپنے تجربات کی غلطیوں کو دور کر کے ان شعاؤں کو استعمال کرنے کا مربوط نظام بنایا۔اس زبردست دریافت کے تقریباً دو ہفتے بعد اس نے سب سے پہلے اپنی بیوی Anna Bertha کے ہاتھ کی ریڈیوگرافک تصویر بنائی۔جب اسکی بیوی نے اپنے ہاتھ کو ڈھانچہ کی صورت میں دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھی!

I have seen my death!

ولیم کا ایکس رے کے متعلق مقالہ On A New Kind Of Rays کے نام سے ۲۸ دسمبر ۱۸۹۵ء کو شائع ہوا۔University of Würzburg نے انہیں اس نئی دریافت پر اعزازی طور پر ڈاکٹر آف میڈیسن کی ڈگری سے نوازا۔انہیں Matteucci،Rumford Medal(1896) Medal(1897)Elliott Cresson ،Medal(1896) بھی عطا کیے گئے ۱۹۰۱ء میں انہیں ان کی سائنسی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے نوبل انعام برائے فزکس عطا کیا گیا۔یاد رہے ولیم رونجن پہلے سائنسدان ہیں جنہیں نوبل انعام برائے طبیعات سے نواز گیا تھا۔ولیم کی وفات کے بعد کم از کم تین سائنس دان ایکس ریز کے متعلق تحقیقات پر نوبل انعام حاصل کر چکے ہیں۔

ولیم کنراڈ رونجن کی شادی Anna Bertha (1872 تا 1919) کے ساتھ ہوئی تھی۔بے

اولاد ہونے کے باعث انہوں نے ایک چھ سالہ بچہ جو Anna Bertha کے بھائی کا بیٹا تھا گود لے لیا۔ ولیم کا باپ امیر آدمی تھا، اس کی وفات کے بعد ولیم کو وراثت میں دوملین رائخ مارک ملے تھے۔ (۱۹۲۴ء تا ۲۰ جون ۱۹۴۸ء تک جرمن کرنسی کا نام رائخ مارک تھا، یورو متعارف ہونے تک جرمن کرنسی کو جرمن مارک کہا جاتا رہا ہے) پہلی جنگ عظیم میں افراط زر کے باعث ولیم دیوالیہ پن کا شکار ہو گئے۔ زندگی کے آخری چند برس میونخ کے قریب آبائی گاؤں Weilheim میں گزار کر انسانیت دوست عظیم ولیم جنہوں نے امراض کی تشخیص کی نئی راہ دکھائی تھی، آنت کے کینسر کے باعث ۱۰ فروری ۱۹۲۳ء کو وفات پا گئے۔

☆☆☆

رُوح کیا ہے؟

عبرانی ارواح کو سنسکرت میں آتما، عربی میں روح، یونانی میں Payche اور لاطینی میں Anians کہا جاتا ہے۔ اور ان سب کے معنی ہوا کا جھونکا ہیں۔ جب قدیم عہد کے وحشیوں کو چھینک آتی تھی تو وہ خوف اور دہشت سے لرز اٹھتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ ان کی روح نتھنوں کے راستے سے نکل بھاگے گی۔ آج بھی چھینک آنے پر دعا دی جاتی ہے۔ چھینک آنے پر ہندو کہتے ہیں جے نارائن، عیسائی کہتے ہیں God bless you اور مسلمان کہتے ہیں یرحمک اللہ۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق حقیقی زندگی کی وارث اور جامعہ کمالات کی حامل صرف اور صرف انسانی روح ہے۔ مرنے کے بعد روز حشر تک عالم برزخ میں چلی جاتی ہے، ہر روح کو اعمال کے مطابق نیا جسم ملتا ہے۔ ہندو عقائد کے مطابق ایک اپشند میں لکھا ہے کہ ''سوئے ہوئے شخص کو جھنجوڑ کر مت جگاؤ۔ اس طرح اندیشہ ہے کہ اس کی ادھر ادھر بھٹکتی ہوئی روح واپس جسم میں نہیں آسکے گی اور وہ کسی لاعلاج مرض میں مبتلا ہو جائے گا۔'' مصریوں کا عقیدہ تھا کہ انسانی روح ۳ ہزار برس ادھر ادھر چکر لگانے کے بعد دوبارہ اپنے جسم میں لوٹ آتی ہے۔ اس کے انتظار میں جسم کو ممّی بنا کر محفوظ کیا جاتا تھا۔ ہڑپہ اور موہنجوڈرو کے باشندوں کا عقیدہ تھا کہ انسان کی روح موت کے بعد کسی جانور یا درخت میں چلی جاتی ہے۔ برصغیر کے دیہات میں بعض عورتوں کے خیال میں جو عورت وضع حمل کے وقت مر جائے وہ چڑیل بن جاتی ہے۔ عرب سمجھتے تھے کہ اگر مقتول کا انتقام نہ لیا جائے اس کی روح چلاتی پھرتی ہے۔ ہندو آریاؤں نے اس خیال پر جزا سزا کا پیوند لگایا اور نئے قالب کیلیے نیک و بد اعمال کی شرط لگائی۔

مشھور شھر ھمبرگ Hamburg

جرمنی کا دوسرا سب سے بڑا شہر ہمبرگ اہم بندرگاہ، غیر ملکی تجارت اور بحری جہازوں کا بہت بڑا مرکز، بندرگاہ کے صنعتی علاقے میں شپ یارڈ، ریفائنریوں اور پراسیسنگ پلانٹس واقع ہیں، ہمبرگ کی بندرگاہ سمندر سے نوے میل کی دوری پر ہے۔ سطح بحر سے اس کی بلندی کوئی بیس فٹ ہے۔

اس شہر (اس علاقہ کا پرانا نام Treva تھا) کا آغاز ایک چھوٹے سے گاؤں سے ہوا جو دریائے آلسٹر (Alster) کے دہانے پر اس مقام پر واقع ہے جہاں یہ دریائے ایلب (Elbe) میں گرتا ہے۔ اس شہر کو ہمبرگ نام تب دیا گیا تھا جب ۸۰۸ء میں رومن حکمران Charles the Great نے مستقل بنیادوں پر دریائے ایلب اور دریائے آلسٹر کے درمیان اونچی جگہ پہلے قلعہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ قلعہ کی تعمیر کے لیے دریائے آلسٹر پر بند تعمیر کرنے کی وجہ سے متعدد جھیلیں تشکیل پائیں اور ہمبرگ کا شہر ان جھیلوں کے مابین پھیل گیا۔ اوسن آلسٹر کی جھیل کا سب سے بڑا حصہ ہے۔ اس کے اردگرد متعدد باغات اور بڑے رہائشی مکانات ہیں۔ بنن آلسٹر کا علاقہ جسے بومبارڈ کا پل اوسن آلسٹر (Aussenalster) سے جدا کرتا ہے۔ بڑے بارونق بازاروں، ہوٹلوں، جہازی کمپنیوں اور بنکوں کے دفاتر سے گھرا ہوا ہے۔ دی کلائن آلسٹر تیسری چھوٹی جھیل ہے۔ اس کے قریب شہر کا ٹاؤن ہال ہے اس کا رقبہ 755 مربع کلومیٹر ہے۔ اس کی آبادی 2016ء کے تخمینی اعداد و شمار کے مطابق 1,805,316 نفوس پر مشتمل ہے۔

ہمبرگ جرمنی کا ایک اہم ثقافتی مرکز بھی ہے اسی مقام پر جرمنی کا سب سے پہلا آپیرا ہاؤس (Opera House) 1678ء میں تعمیر کیا گیا۔ جہاں جارج فریڈرک ہینڈل (Friedrich Handel) (1685ء-1758ء) ڈرامے لکھتا رہا۔ کمپوزر جوہانز براہمز نے (Johannes Brahms) جرمن آپیرا کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

۱۸۰۶ء میں سلطنت روم کی تحلیل کے ساتھ ہی ہمبرگ نے خودمختاری کا اعلان کر کے آزاد ریاست کی حیثیت اختیار کر لی۔ یاد رہے کہ ۱۸۰۴ء میں نپولین اول نے ہمبرگ کو فتح کر لیا ہوا تھا۔ فرانسیسی قبضہ سے

ہمبرگ کو روسی افواج نے ۱۸۰۴ء میں نکالا تھا۔ ۱۸۱۵ء میں ویانا کانگریس نے ہمبرگ کو آزاد ریاست کا درجہ دے دیا۔ اس طرح ہمبرگ نے جرمن Confederation کی انتالیسویں آزاد ریاست کے طور پر خود کو منوالیا۔ German Confederation کا وجود ۱۸۰۱۵ء سے ۱۸۶۶ء تک برقرار رہا۔ متواتر سیاسی بد امنی کے بعد خاص طور پر 1848ء کے پر آشوب حالات کے پیش نظر آئین تشکیل دینے کا کام شروع کیا گیا، بالآخر ۱۸۶۰ء میں جمہوری آئین تشکیل پا گیا۔ اس آئین کے مطابق اداروں کو طاقتور بنایا گیا، چرچ کو ریاست سے علیحدہ کیا گیا، اخبارات کو آزادی دی گئی۔ جرمن، فیڈریشن کے ساتھ ساتھ نارتھ جرمن فیڈرش کا حصہ بھی بن گئے۔

Weimar Republic (1919–1933) کے دوران اپنا بطور بااختیار ریاست ہونے کا لوہا منوایا۔ اس دور میں ہمبرگ کی بندرگاہ یورپ کی دوسری مصروف ترین بندرگاہ شمار ہوتی تھی۔ اور ہمبرگ کی آبادی ایک ملین افراد سے زائد ہو چکی تھی۔

ہمبرگ کی تاریخ میں مختلف وباؤں اور دوسری تباہیوں کا ذکر بھی موجود ہے۔ ۱۸۹۲ء میں ہمبرگ میں ہیضہ کی وبا پھیل گئی۔ اس وبا کے نتیجے میں آٹھ ہزار چھ سو افراد لقمہ اجل بن گئے۔ 845ء میں نارس واملنگز نے اسے جلا کر راکھ کر دیا۔ پھر اس کی از سر نو تعمیر عمل میں لائی گئی۔ اگلے 300 برسوں میں اس شہر کو تباہ و برباد کرنے کے لئے آٹھ مرتبہ جلا کر خاکستر کیا گیا۔ 1460ء اور پھر 1510ء میں شاہی شہر (Imperial City) کا درجہ دے دیا گیا۔ 1842ء کی آتشزدگی اور دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں نے نہ صرف اس شہر کی خوبصورتی کو ماند کر دیا۔ بلکہ شہر کا بہت بڑا حصہ تجارتی مراکز اور پرانے گرجا گھر تباہ و برباد ہو گئے۔ ۱۸۴۲ء میں ہمبرگ شہر میں لگنے والی آگ نے بڑے پیمانے پر تباہی مچائی تھی۔ ۵ مئی کو لگنے والی آگ کو بجھانے میں چار روز لگے۔ ایک تہائی شہر مکمل طور پر خاکستر ہو گیا تھا۔ اس عظیم آتشزدگی کے نتیجہ میں شہر کا بہت بڑا حصہ، تجارتی مراکز اور پرانے گرجا گھر تباہ و برباد ہو گئے۔ اس عظیم آتشزدگی کے بعد شہر کی تعمیر نو چالیس برس میں مکمل ہوئی۔

دوسری جنگ عظیم میں ہمبرگ کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا گیا تھا۔ ۲۴ جولائی ۱۹۴۳ء کو ہمبرگ شہر کے مکمل خاتمے کے لیے آپریشن عمورہ Gomorrah شروع کیا گیا۔ (سدوم اور عمورہ Sodom اور

Gomorrah قوم لوط کے وہ مقامات ہیں جہاں اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔) اتحادی افواج کی جانب سے کی جانے والی ہوائی حملوں کی یہ مہم آٹھ دن اور سات راتوں تک جاری رہی۔ رات کے وقت برطانیہ فضائی حملے کرتا تھا اور امریکہ دن کی روشنی میں ہمبرگ شہر پر بمباری کرتا تھا۔ آپریشن کے دوسرے دن ہنوور Hanover اور ہمبرگ شہر پر ۳۰۰ جنگی جہازوں نے حملہ کیا مگر نوے جہاز ہی حملہ کر پائے، ۸۷ جہاز گرا لیے گئے تھے۔ ۲۷ جولائی کا حملہ سب سے زیادہ تباہ کن تھا اس حملہ میں رائل اہر فورس برطانیہ کے ۷۰۰ لڑاکا طیاروں نے ہیمبرگ شہر پر بمباری کی تھی۔ ان حملوں نے آگ کا ایسا طوفان پیدا کیا جس نے ہر چیز جلا کر راکھ کر دی۔ درجہ حرارت ۸۰۰ ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ گیا تھا۔ ان حملوں کے باعث ہمبرگ کے شہریوں کے دولاکھ پچاس ہزار گھر تباہ ہو گئے، ۴۵ ہزار شہری ہلاک ہوئے، ۳۷ ہزار شدید زخمی ہوئے اور ایک ملین شہریوں کو ہمبرگ سے بھاگنا پڑا۔

آج ان تمام تباہ کاریوں کے بعد نیا تعمیر کیا جانے والا ہمبرگ شہر دنیا کا خوبصورت اور افسانوی شہر دکھائی دیتا ہے۔ فریڈرک گاٹلب کلاپ سٹاک (Friedrich Gottlieb klopstock) (1803-1724) میتھئیس کلاوڈیس (Matthias Claudius) کے زمانے میں ہمبرگ ادبی سرگرمیوں کا بھی مرکز بن گیا تھا۔ آج یہاں کی عظیم یونیورسٹی جو 1919ء میں قائم کی گئی تھی، ادبی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ دیگر علوم کا مخزن ہے۔۔ یہاں متعدد خوبصورت عجائب گھر بھی ہیں جن میں کنستھال (Kunsthalle) 1868ء دی میوزیم آف آرٹس اینڈ کرافٹس (1877) اور دی میوزیم آف ایتھنالوجی اینڈ پری ہسٹری (Pre-History) شامل ہیں۔

۱۵۵۵ء میں یہاں سٹاک ایکس چینج قائم کیا گیا 1616ء اور 1625ء کے مابین اپنا دفاع مستحکم کرنے کے لئے سرکاری ادارے قائم کیے گئے تھے۔ غریبوں کے لئے بھی اس شہر کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا جس کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ یہاں 1604ء میں یتیم خانے اور 1605ء میں غریبوں کے علاج معالجے کے لئے تمام سازوسامان سے آراستہ ہسپتال کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ اگر آج ان جرمن خصوصیات کو دیکھا جائے تو صاف دکھائی دے گا کہ ان اعلیٰ اوصاف کی وجہ سے جرمن قوم دنیا کی بہترین

قوم سمجھی جاتی ہے۔آج جرمن قوم نے نا صرف اپنے لیے بلکہ اقوام عالم کے مظلوموں کے لیے بھی ایسے قوانین بنائے ہیں کہ جرمنی میں بسنے والا ہر شہری بلاتفریق مذہب وملت ہر قسم کی آسائشوں سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔

براہمز (Brahms) اور میندلسن (Mendelssohn) کی جائے ولادت ہیمبرگ شہر ریل کے ذریعے یورپ کے تمام بڑے بڑے شہروں سے ملا ہوا ہے۔

13 ویں صدی تک ہینسیا ٹک لیگ (Hanseatic League) بشمول بالٹک کے تجارتی قصبوں لیوبک (Lubeck) بریسلاؤ (Breslao) اور ڈانزگ (Danzig) نے اقتصادی طور پر متحدہ شمالی جرمن شہروں کو مستحکم کر دیا تھا۔جس کے نتیجے میں تجارت کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور اس طرح ہیمبرگ روس اور فلینڈرز (Flanders) کے مابین ایک بہت بڑی تجارتی بندرگاہ بن گیا۔اگرچہ عہد وسطی میں ہینسیا ٹک لیگ کو تحلیل کر دیا گیا تاہم اس کی شان وشوکت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔آج بھی ہیمبرگ کی بندرگا جرمنی کی سب سے بڑی تجارتی بندرگاہ ہے۔ہیمبرگ کی بندرگاہ دیکھنے والے کو ششدر کر دینے والی ہے۔

جرمنی کی اس سب سے بڑی بندرگاہ میں تیرتے ہوئے جدید گھاٹ ، سمندر میں ایک نیا اور خوبصورت اضافہ ہے۔ یہ گھاٹ 1992ء میں بندرگاہ کے وسط میں بنائے گئے ہیں اور ان کا محل وقوع بہت اچھا ہے کیوں کہ یہاں سے چند منٹ پیدل چل کر شاپنگ سنٹر اور ہیمبرگ کی نمائش گاہ تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ نہ ڈوبنے والے یہ گھاٹ بحیرہ شمالی کے کھلے سمندر سے صرف 110 کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔ان کی تعمیر کے اخراجات صنعتی اور تجارتی اداروں کے عطیات اور سرکاری فنڈز سے پورے کیے گئے۔ یہ گھاٹ سات ایکڑ کے مساوی رقبہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔اور ہیمبرگ کے اوبرسی بروکا (Uberseebrucka) سے زیادہ دور نہیں ہے جہاں تیز رفتار اور خوبصورت کشتیاں اور بیڑے کھڑے رہتے ہیں۔ یہ گھاٹ 121 اسٹیل ڈالفن سے بندھے ہوئے ہیں ان میں سے ہر فولادی ڈالفن کی گہرائی 22 میٹر اور وزن سات ٹن ہے۔ ہر گھاٹ میں تقریباً سو بادبانی کشتیاں اور موٹر بوٹ کھڑی کرنے کی گنجائش ہے۔ یہاں پینے کا پانی، بجلی اور ٹیلیفون غرض کہ تمام ضروری سہولتیں دستیاب ہیں ساتھ ہی کشتیوں کے لئے پانی اور ایندھن یعنی فیول اسٹیشن موجود ہے۔ان گھاٹوں کو ہمبرگ کی نئی تفریحی بندرگاہ کا نام دیا گیا ہے۔

29 ستمبر سے 3 اکتوبر 1992 تک یہاں جہاز سازی اور میرین انجنیئر نگ کا 15 واں بین الاقوامی تجارتی میلہ منعقد ہوا۔ان گھاٹوں کو جنہیں ہمبرگ کی نئی تفریحی بندرگاہ کا نام دیا گیا ہے ان پر میلہ سجایا گیا،اس میلے میں 3 کشتیوں میں استعمال ہونے والی جدید ترین ٹیکنالوجی کی نمائش کی گئی جن میں سورج کی حرارت سے حاصل ہونے والی توانائی سے چلنے والی کشتیاں بھی شامل تھیں۔

مذہبی حیثیت سے بھی ہمبرگ ایک نمایاں شہر اس وقت بن گیا جب ۱۸۳۴ء میں (Saint Ansgar) نے اس شہر میں سکونت اختیار کی۔اس کے یہاں سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے ہیمبرگ اہل یورپ کے لئے عیسائیت کا ایک بہت بڑا مرکز بن گیا۔دو برس بعد بریمن (Bremen) سے اتحاد ہو جانے کے بعد Saint Ansgar کو Bishopric of Hamburg-Bremen کہا جانے لگا۔آج بھی مذہبی مقامات ہیمبرگ میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔مگر مذہب کو ہر انسان کا انفرادی معاملہ سمجھنے کی وجہ سے مذہبی تعصب رکھنا انسانیت کی توہین جرم سمجھی جاتی ہے۔

۷ اویں صدی عیسوی سے اب تک اشاعتی مرکز چلے آرہے شہر ہمبرگ میں نہروں کی تعمیر کی وجہ سے آلودگی میں خاصی حد تک کمی واقع ہوگئی ہے۔اس شہر میں کیمیائی اشیاء، لوہا اور فولاد بنانے کی صنعتیں عام ہیں اس کی بندرگاہ سے پھل، کافی، کاغذ، تمباکو اور گندم برآمد کئے جاتے ہیں جب کہ موٹر گاڑیاں مشینیں اور عینکوں کے اضافی پرزہ جات درآمد کئے جاتے ہیں۔چڑیا گھر (Hagenbeck Tier Park) میں سب سے پہلے جانوروں کو پنجروں کی بجائے مصنوعی غاروں میں رکھنے کا طریقہ اپنایا گیا۔ہر سال ۷ مئی کو بندرگاہ کی سالگرہ منائی جاتی ہے۔

نوٹ: خوبصورے شہر ہمبرگ میں اس عاجز نے زندگی کے بائیس برس گزارے ہیں۔اس شہر سے جڑی بے شمار یادیں ہیں۔خوبصورت باغات، صاف ستھری کشادہ سڑکیں، شاندار ساحل سمندر، آلسٹر جھیل کا دلکش منظر وغیرہ ہمبرگ کی شان ہیں۔ہمبرگ ہوٹلوں کا شہر ہے۔اس شہر میں آباد اکثر جرمن باشندے ہنس مکھ اور بااخلاق ہیں، جھگڑالو بالکل نہیں، اگر کوئی بدتمیزی کرے تو بڑبڑاتے سر ہلاتے چلے جاتے ہیں۔انتہائی صفائی پسند اور قانون کا احترام کرنے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمبرگ شہر کو ہر قسم کی آفات اور نظر بد سے بچائے۔آمین

آئین پاکستان اور فکرِ قائد

(میں تضاد بربادحالی کی بڑی وجہ ہے)

کبھی ناکامیوں کا اپنی ہم ماتم نہیں کرتے
مقدر میں جو غم لکھے ہیں ان کا غم نہیں کرتے

وطن عزیز میں جاری بدترین صورت حال کی وجوہات پر بات کرتے ہوئے خاص وعام کی زبان جلتی ہے۔قائداعظم کی تصاویر کوتو پاکستان کے در و دیوار اور دفاتر کی دیواروں پرآویزاں کر کے ان سے عقیدت کا اظہار کیا جاتا ہےاوران کےافکار کا اپنےعمل سے مذاق اڑایا جاتا ہے۔قائداعظم کا شاندار مزار دنیا کےعظیم لوگوں کے مزاروں کا منہ چڑاتا ہے۔ہم نے گاندھی کی یادگار اور ابراہم لنکن، چرچل، گوئٹے، بسمارک،شلر اور دوسرے بہت سے عظیم لوگوں کے مزاروں کو دیکھا تو حیران رہ گئے کہ یہ لوگ جن کے مزار معمولی نوعیت کے ہیں۔ان کی قوموں نے ان کی قبروں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ ان کےافکار سے فائدہ اٹھا کر ترقی کے زینے چڑھ کر معزز کہلائیں۔زندہ قومیں اپنے قائدین کومرنے کے بعد قبر میں اتارتی ہیں ان کےافکار کونہیں۔جب ہم آدھا پاکستان گنوا کر بچے کھچے پاکستان کی حالت زار کو دیکھتے ہیں تو دل بیقرار ہو کر صرف یہی کہتا ہے کہ ہماری خستہ حالی اور اخلاقی دیوالیہ پن کی سب سے بڑی وجہ بابائے قوم حضرت محمد علی جناحؒ کوان کے افکار سمیت دفن کر کے منافقت کا مزار تعمیر کرنا ہے۔ان کے افکار کیا تھے اور انکی کیا اہمیت ہے؟ یہ سب بھلا کر نفرت،تعصب، کرپشن، جھوٹ،منافقت،عداوت،سفارش، بدکرداری، ناانصافی اور فرقہ واریت جیسی لعنتوں کو گلے کا ہار بنا لیا گیا ہے۔قائداعظم جن خصوصیات سے مالا مال تھے ان خصوصیات کو صرف ان کی تصویر تک محدود کر دیا گیا ہے۔وہ احراری،مودودی پارٹی اور دوسرے پاکستان وقائداعظم مخالف مولوی آج بھی پاکستان اور قائداعظم کے دشمن ہیں۔قائداعظم کے مزار پرآج تک نہ جانے والے مولوی اسلامی نظام کا دیپ جلانے کے چکر میں قوم کو چکر پر چکر دے کران کی موت کا سامان کر رہے ہیں۔کسی بھی ملک کا آئین قوم کی سوچ کا عکاس ہوتا ہے۔پاکستان نامکمل آئین کے گھوڑے پر سوار ہو کر ۱۹۷۳ء تک

پہنچا۔ متفقہ آئین کی تشکیل تب ہوئی جب آدھا پاکستان نفرت اور عصبیت کی نظر ہو چکا تھا اور دو قومی نظریہ زخمی ہو کر کراہ رہا تھا۔ ہم نے قائداعظم کے پاکستان کو اسلامی ریپبلک آف پاکستان کا چوغہ پہنایا اور پھر اسے اتار کر اسلامی جمہوریہ نام کی چادر اوڑھا کر دنیا کے سامنے بٹھا کر بھیک منگا بنا دیا۔ وہ آئین جو شہریوں کو برابر کے حقوق نہیں دیتا وہ ہمیشہ برباد حال رہتا ہے۔ ۱۹۷۳ء میں آئین پاکستان تشکیل دیا گیا اور ۱۹۷۴ء میں بھٹو نے ایک چھوٹی سی جماعت کو غیر مسلم قرار دے کر ان کے ضمیر کی آواز کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی۔ یہ سوال آج تک گردش میں ہے کہ کیا ریاست کسی کے مذہبی معاملات میں مداخلت کر سکتی ہے اور کیا ایک کلمہ گو کو جو صدق دل سے اللہ کی واحدانیت کا اقرار اور رسول اللہ ﷺ پر مکمل ایمان رکھنے کا دعوے دار ہو اور خود کو مسلمان کہتا ہو اسے ریاست کسی بھی اختلاف رائے پر غیر مسلم قرار دے سکتی ہے؟ جبکہ رسول خُدا ﷺ نے اپنے اوپر حملہ آور ہونے والے اور ظلم کرنے والے جانی دشمنوں کے متعلق فرمایا ہے:۔

''اب بھی اگر یہ کلمہ توحید پڑھ لیں تو ہم سے اُن کی کوئی لڑائی نہیں۔'' (بخاری کتاب الایمان)

جس کو ہر قوم کی تہذیب گوارا کر لے
ایسا دستور کوئی سامنے لاؤ یارو

قائداعظم نے نہرو رپورٹ پر ان کی تجاویز رد کر دیے جانے پر فرمایا تھا:

''جب تک اقلیتوں کو اس امر کا یقین نہ ہو کہ انہیں حکومت اور اس کے آئین کی رو سے بہ طور ایک وحدت کے اپنے مفادات کا تحفظ حاصل ہوگا۔ اس وقت تک وہ کبھی ایسے آئین کی حمایت نہیں کر سکتیں قطع نظر اس سے کہ وہ آئین کیسا ہی قابل نمونہ اور کہنے کو کتنا ہی مکمل کیوں نہ ہو۔ اس سوال کا جواب کہ کون سا دستور کامیاب ہوگا، یہی ہے کہ وہ دستور جس میں اقلیتوں کے حقوق محفوظ ہوں۔ ورنہ کوئی بھی دستور دیرپا اور کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہ ہوگا کہ ملک انقلاب اور خانہ جنگی میں مبتلا ہو جائے۔''

(قائداعظم۔ دی اسٹوری آف اے نیشن۔ صفحہ ۲۰۸۔ بحوالہ تاریخ نظریہ پاکستان از پیام شاہجہاں پوری۔ صفحہ ۲۱۱۔۲۱۲)

قائداعظم کے اس فرمان کو آئین پاکستان تشکیل دینے والوں نے در خود اعتناء نہیں سمجھا اور کوئی توجہ نہ دی۔ جب تک آئین پاکستان ارتقائی سفر میں تھا اس وقت تک امید کا دیا روشن تھا کہ آئین تشکیل پا کر قوم کو

اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے گا۔ جنرل ضیاء الحق نے روشنی کی طرف جانے کے تمام راستے بند کر کے قوم کو ظلمت کے انتہائی تاریک غار میں اس وقت پھینک دیا جب اس نے آئین پاکستان میں بھٹو کی جانب سے کھولی جانے والی منحوس بوسیدہ اور بدبودار کھڑکی کے راستے داخل ہو کر آئین پاکستان کی عصمت دری ۹۶ سے زائد بار کی۔ آج ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل ضیاء الحق کی آئین پاکستان سے رنگ رلیاں قوم کو ہر سطح پر رسوا کر رہی ہیں۔ ان دونوں کی آئین سے قربت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے سانپ کی طرح بلا تفریق مذہب وملت سبھی کو ڈس رہے ہیں۔ حیرت تو یہ ہے کہ جنرل ضیاء الحق کا سیاسی بیٹا بھی اپنے سیاسی باپ کی آئینی ترمیم پر نوحہ کناں ہے۔ فیض آباد دھرنا ہو یا پیر حمید الدین سیالوی کی دھمکیاں، ووٹروں اور ووٹ لینے والوں کا لینا دینا ہو، سلمان تاثیر کا قتل ہو یا پھر ممتاز قادری کی پھانسی، کرپشن کی بہتات ہو یا ملاوٹ کا عام رجحان، سفارش کی لعنت ہو اور یا فرقہ واریت کا منحوس شجر ہو یا کافر کافر اور مسلمان مسلمان کا کھیل ہو اور دوسری بہت سی نحوستیں اسی آئین کی پیداوار ہیں۔ اس آئین میں جتنے طریقے ملزم کرنے کے ہیں اس سے کہیں زیادہ آئینی تشریحات ملزم کو معصوم قرار دینے والی ہیں۔

چہروں پہ زر پوش اندھیرے پھیلے ہیں
اب جینے کے ڈھنگ بڑے ہی مہنگے ہیں

نام نہاد مولوی، فوج اور عدالتی نظام کی بدمعاشی بھی اسی آئین کی دین ہے۔ سیاسی مداری تو نہ کسی کی سنتے ہیں اور نہ مانتے ہیں۔ اپنے مفادات کے لیے جاہل مولویوں کو بھی بڑے بڑے القابات اور عہدوں سے نوازتے ہیں۔ کبھی فوج کی جھولی میں بیٹھ کر انگوٹھا چوستے ہیں، اور کبھی فوج کے وجود کو بھی گالی سمجھتے ہیں۔ عدالت ان کے حق میں فیصلہ دے تو جج معزز اور عدلیہ آزاد اور انصاف کے پھول نچھاور کرنے والی اور فیصلہ خلاف آئے تو جج بھی منحوس اور عدلیہ بھی ناسور۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ آئین کی شقوں کو بنیاد بنا کر مذہبی، سیاسی، فوجی اور عدالتی شخصیات باہم دست وگریباں ہو کر جگ ہنسائی کا باعث بنتی ہیں۔ ابھی تک آئین کی رو سے کسی ادارے کے بھی حدود وقیود کو متعین نہیں کیا جاسکا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک آئین میں موجود سقم ایمانداری سے دور نہیں کیے جاتے اس وقت تک اداروں کی آپسی لڑائی، قوم کو برباد حال کرتی

چلی جائے گی۔

آئین پاکستان میں قرارداد مقاصد کا شامل کیا جانا قائداعظم کے واضح ارشادات کی نفی ہے۔قائد اعظم نے پاکستان کے تمام شہریوں کو برابر حقوق دینے کی بات کی تھی اور کسی کے عقیدہ یا مذہب کی بنیاد پر امتیازی سلوک کو رد کیا تھا۔آئین پاکستان قائداعظم کے ان افکار و خیالات کی نفی کرتے ہوئے اپنے شہریوں کو برابر کے حقوق نہیں دیتا۔نا صرف شہری حقوق نہیں دیتا بلکہ ان کے خلاف یعنی ان کے ضمیر کی آواز کی بھی توہین کرتا ہے۔ایسا بے رحم آئین ہمیں دنیا میں کہیں دکھائی نہیں دیا اگر دنیا کے کسی ملک کا آئین اسی طرح کی بے رحمی اپنے اندر رکھتا ہے تو وہ بھی انسانیت کی توہین کرنے والا ہے۔ریاست کے آئین کی یہ قطعاً عظمت نہیں کہ وہ کسی شہری کو یہ بتائے کہ تمہیں مسلمان ہونے کے باوجود تمہارے عقیدہ،نظریہ یا خیال سے اختلاف کی بنا پر تمہیں غیر مسلم قرار دیا جاتا ہے۔اور اس بات میں بھی کسی قسم کا تقدس دکھائی نہیں دیتا کہ کسی ملک کا آئین کسی بھی مذہب کے لیے حدود متعین کرے،اور ریاستی آئین بتائے کہ تم پر یہ یہ مذہبی پابندیاں ہیں۔ہمارا آئین کہتا ہے کہ اے فلاں جماعت تم تلاوت قرآن کریم نہیں کر سکتے،تم اذان نہیں دے سکتے یہاں تک کہ تم اسلام علیکم بھی نہیں کہہ سکتے۔ایسا آئین قطعاً قائداعظم کے افکار و خیالات کا آئینہ دار نہیں ہے۔

قائداعظم نے دہلی میں تیئسویں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے پاکستانی شہریوں کو بلاتفریق مذہب و ملت کہا تھا کہ:۔

’’مسلمان گروہوں اور فرقوں کی نہیں اپنے اندر اسلام اور قوم کی محبت پیدا کریں کیونکہ ان برائیوں نے مسلمانوں کو دو سو برس سے کمزور کر رکھا ہے مزید برآں یہ فرمایا کہ جس ملک کی آج ہم بنیاد رکھنے جا رہے ہیں اس میں ذات پات،نسل و مذہب کی بناء پر کسی سے امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا اور ہم سب ایک ریاست میں برابر کے شہری ہیں۔‘‘

۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو لیاقت علی خان نے قرارداد مقاصد کا مسودہ دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش کیا جسے دستور ساز اسمبلی نے منظور کر لیا۔قرارداد مقاصد کا مسودہ مولوی شبیر احمد عثمانی نے تیار کیا تھا۔یہ وہی مولوی صاحب ہیں جنہوں نے ۱۲ ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائداعظم کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔پھر اسی مولوی نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء

کوقرارداد مقاصد کا مسودہ دستور ساز اسمبلی میں پیش کر کے قائداعظم کے افکار وخیالات کا جنازہ نکال دیا اوران افکار کی تدفین کے بعد قائداعظم کے افکار کے متضاد دنیا فکر متعارف کروایا جس کی سزا،قوم آج تک بھگت رہی ہے اورنجانے کب تک بھگتتی رہے گی۔قائداعظم کی مدبرانہ اوردانشمندانہ سوچ کواگر پیش نظر رکھ کر پاکستان کی تعمیراورترقی کے لیے کام کیا جاتا توبلاشبہ پاکستان کی عوام دنیا کی پرامن اورخوشحال ترین عوام ہوتی۔

اس وادی کا تو دستور نرالا ہے پھول سروں پر کنکر پتھر ڈھوتے ہیں

☆☆☆

”اورنگ زیب خداپرست اورولی اللہ کی موت مرا؟“

خان بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاءاللہ دہلوی صاحب لکھتے ہیں کہ ٹوڈ صاحب لکھتے ہیں:۔

”عالمگیر نے جودھ پور میں آدمی بھیج کر بت خانہ ڈھوائے اور بت تڑوا کر منگائے۔اودھے پور میں بیس پجاریوں کا خون کیا۔غرض سارے راجپوتانہ میں تین سو بت خانے ومندر عالمگیر نے مسمار کرائے“۔۔اس میں شک نہیں کہ اس نے راجپوتانہ میں بت خانے ڈھوائے اور ان کے سوائے ہندوؤں کے مقدس شہر بنارس میں بشیشور اور نند مادھو کے مندر توڑے۔متھرا کا مندر کیشو رائے کو مسمار کروایا۔اوراس کی جگہ مسجد بنوائی۔ملتان میں بھی ایک مندر توڑا۔ہند میں تین دریا جمنا۔گنگا۔سندھ ہندوؤں کی بڑی پرستش گاہیں ہیں جن کے کناروں پر مندراس نے مسمار کرائے۔

ان بتوں کا توڑنا بت خانوں کا ڈھانا ہندوؤں کی سرکشی کی سزا تھی۔۔۔۔اصل حال یہ ہے کہ اورنگ زیب کی یہ پابندی مذہبی تھی جس نے اس کے سر پر تاج رکھا۔اور پاؤں تلے تختِ سلطنت بچھایا۔مختلف علاقوں کے مسلمان اپنے تنزل اور ہندوؤں کی ترقی سے زہر کھائے ہوئے بیٹھے تھے۔انھوں نے اورنگ زیب کو دیکھا کہ وہ سچا وپکا دیندار مسلمان ہے۔سارے مسلمان امراءاس کے دلی خیرخواہ بنے اس کو بادشاہ بنایا۔شاہجہاں جیسا بادشاہ سات برس تک قید خانہ میں پڑا رہا کسی نے اس کی رہائی کی پیروی نہ کی۔دارا،شجاع،مراد برابر کے مدعیان سلطنت کو خاک میں ملا دیا۔وہ سچا دیندار تھا۔اپنے دین کی پابندی سے خواہ اس کا دنیا کا نقصان کیسا ہی ہو اس کو وہ فائدہ سمجھتا تھا۔۔۔اورنگ زیب خداپرست اورولی اللہ کی موت مرا۔۔۔۔اورنگ زیب جس کام کواپنے مذہب کے موافق حق جانتا تھا اس کو کرتا تھا خواہ اس سے کسی کا دل دکھے یا خوش ہو۔یہ سچ ہے اس نے اپنے مذہب کی پیروی کر کے ملک پر سلطنت کی لیکن دلوں پر حکمرانی کرنے کی پرواہ نہیں کی۔“

(تاریخ ہندوستان اسلامیہ کا بیان۔ازخان بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاءاللہ دہلوی۔جلد نہم ودہم۔سن طباعت ۱۹۱۹ء۔ناشر بک ڈپو کالج علی گڑھ۔صفحہ ۹،۱۰)

انڈونیشیا میں اقلیتوں کی حالت زار

اسلامی کہلانے والی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ جہالت اور مذہبی انتہا پسندی جیسی بڑی برائیاں ہیں۔جب عاجز نے اس بات کا جائزہ لیا کہ اسلامی کہلانے والے ممالک میں مسلمان اقلیتی فرقوں کی حالت زار کیا ہے؟تو یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ سُنّی اکثریت والے مسلمان ممالک میں شیعوں اور دوسرے اقلیتی مسلمانوں کی حالت ایسی ہی ہے جیسے طاقتور جانوروں کے باڑہ میں کمزور جانوروں کی ہو سکتی ہے۔ کافر،مشرک،زندیق اور مرتد سمجھنا تو بالکل عام سی بات ہے،اگر ایسے فرقہ کے لوگوں کو مار بھی دیا جائے تو سماج اور قانون کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔جس طرح پاکستان میں شیعہ مسلمانوں کو نہ صرف امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ ان کا خون بہانا بھی جائز سمجھا جاتا ہے۔شیعہ مسلمانوں کی مساجد،امام بارگاہوں اور گھروں پر حملے تو ہوتے ہی رہتے ہیں اور اکا دکا شیعہ افراد کی ٹارگٹ کلنگ بھی معمول کی بات ہے۔مگر شیعہ افراد کا بڑی تعداد میں قتل عام بھی گزشتہ چند برس سے ہونا،خاصی تشویش کی بات ہے۔ساری دنیا نے ہزارہ برادری کے ہزاروں افراد کا ۸۰ سے زائد لاشوں کو اپنے درمیان رکھ کر کئی دن تک احتجاج رنج والم کے عالم میں کرتے دیکھا تھا۔ایران میں اکثریت شیعہ حضرات کی ہے اس لیے وہاں سنی مسلمان اقلیتی فرقہ ہے۔ایران میں سنی مسلمانوں کو امتیازی سلوک کا تو سامنا کرنا پڑتا ہے مگر قتل وغارت گری کے واقعات نہ ہونے کے برابر ہیں۔سنی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد ایران کے شہر تہران میں ایک چھوٹی مسجد رکھتے ہیں،انہیں وہاں سنی مساجد بنانے کی اجازت نہیں ہے۔اور نہ ہی توسیع کی اجازت دی جارہی ہے۔

مراکش میں صحارا افریقیوں سے تشدد و زیادتی معمول کی بات بن چکی ہے۔نا صرف مہاجر افریقیوں سے برا سلوک ہوتا ہے بلکہ ان افریقیوں سے بھی برا سلوک روا رکھا جاتا ہے جنہیں مراکش کی آزادی سے بہت پہلے غلاموں کی حیثیت سے لایا گیا تھا۔انہیں آج تک مراکش کی شہریت نصیب نہیں ہوئی۔ایک رپورٹ کے مطابق ان کی تعداد کل آبادی کا ۱۵ فیصد بنتی ہے۔

انڈونیشیا وہ ملک ہے جو اسلامی دنیا کا سب سے زیادہ آبادی رکھنے والا ملک ہے۔اس ملک کی کل آبادی

265,936,321 ہے۔مسلمان کہلانے والے شہریوں کی تعداد ۸۷ فیصد ہے۔۱۳ فیصد غیر مسلموں میں وہ مسلمان بھی شامل ہیں جنہیں مولوی اور ریاست غیر مسلم سمجھتی ہے۔مثلاً احمدیہ مسلم جماعت جن کی تعداد چار لاکھ اور ۵ لاکھ کے درمیان بیان کی جاتی ہے،انھیں مولوی اوران کے چیلے کافر و مرتد قرار دیکر انہیں مظالم کا نشانہ بناتے ہیں۔چند برس قبل ان نفرت کے سوداگروں نے احمدی مسلمانوں کو بہیمانہ تشدد کر کے قتل کر دیا تھا۔انڈونیشیا پاکستان کے بعداس لحاظ سے بدترین ملک ہے جہاں اقلیتوں پر ظلم کرنے میں ناصرف نام نہاد مولوی پیش پیش ہیں بلکہ انہیں قانون ساز اور قانون خونی جواز فراہم کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اقلیتوں پر ہونے والوں مظالم دیکھ کر قانون اور امن و امان قائم کرنے والے ادارے خاموش تماشائی بن جاتے ہیں۔انڈونیشیا میں ۱۶ اہم مذاہب کے رہنے والے بستے ہیں۔جنرل سہارتو کی فوجی حکومت اور جنرل ضیاءالحق دونوں نے اسلام کو بنیاد بنا کر اقلیتوں پر خلاف عقل قانون سازی کر کے مظالم کے دروازے کھول کر صدارت کی کرسی پر طویل عرصہ تک حکومت کی۔انڈونیشیا کے دوسرے صدر جنرل سہارتو نے پہلے صدر مملکت سکارنو سے حکومت چھینی تھی،بالکل اسی طرح جیسے ضیاالحق نے بھٹو سے حکومت چھینی تھی۔جس طرح ضیاءالحق نے امریکی خوشنودی اور ڈالروں کے لیے کیمونزم کے خلاف جنگ کر کے پاکستانی بچوں کو مروایا تھا اسی طرح سہارتو نے بھی کیمونزم کے خلاف جنگ کر کے لاکھوں افراد مروا کر امریکہ کی تھپکی اور سینکڑوں بلین ڈالر بٹورے تھے۔

جنرل سہارتو کی حکومت کا جب خاتمہ ہوا International Transparency کی رپورٹ کے مطابق ان کے اثاثوں کی مالیت ۳۵ ارب ڈالر تھی۔سہارتو نے ۱۹۸۵ء میں قانون نمبر ۸ بنا کر تمام مذہبی جماعتوں کو مذہبی سرگرمیاں بند کرانے کے لیے اداروں کو استعمال کیا جس کے نتیجے میں اشتعال پیدا ہوا۔اس قانون بنانے کی وجہ مسجد میں جوتوں سمیت فوجیوں کا عبادت کی جگہ جانا بنا۔مسجد کو حکومت کے خلاف سازش کرنے کے لیے استعمال کیے جانے کی اطلاع پر فوجیوں نے امام مسجد اوراس کے ساتھیوں سے اس لٹریچر کا مطالبہ کیا تھا جو مبینہ طور پر مسجد میں موجود تھا۔اس واقع کے نتیجہ میں سینکڑوں لوگوں کی جان گئی تھی اور ہزاروں افراد زخمی بھی ہوئے تھے۔

جنرل سہارتو کے دور حکومت میں اقلیتوں کے ساتھ برا سلوک تو ہوتا تھا مگر مذہبی انتہا پسندوں کو بے

مہار آزادی نہ تھی۔مگر سہارتو کی حکومت کے بعد ان مذہبی انتہا پسندوں کو کھل کھلا کر اپنی ظالمانہ کاروائیاں تیز کرنے کا گویا موقع مل گیا۔وہ فتویٰ جس کا جادو سہارتو کی زندگی میں 1980ء میں نہیں چل سکا تھا، 2005ء میں وہی فتویٰ پوری قوت سے اقلیتوں کو خون میں نہلا گیا۔مجلس علماء انڈونیشیا نے فتویٰ جاری کیا تھا کہ احمدی جماعت ایک گمراہ فرقہ ہے، ان پر حکومت پابندی لگائے۔اس فتویٰ اور مطالبہ نے احمدیوں کے خلاف بالخصوص اور دوسری اقلیتوں کے خلاف بالعموم مظالم کا پر تشدد سلسلہ شروع ہوا۔

2008ء میں حکومت انڈونیشیا نے مولویوں کی دھمکیوں کے سامنے گھٹنے ٹیکتے ہوئے احمدیہ کمیونٹی کی تبلیغ واشاعت پر پابندی عائد کردی۔اور یہ پابندی آج بھی جوں کی توں ہے۔اس پابندی کے باوجود مختلف مذہبی شدت پسند تنظیمیں احمدیوں سمیت دیگر غیر مسلم اقلیتوں اور اقلیتی مسلم فرقوں کے خلاف اپنی پر تشدد کاروائیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔٦ فروری ٢٠١١ء کا دن کربلا کی یاد تازہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔اس دن افراد جماعت احمدیہ کے گھروں پر نفرت اور غصے سے بھرے ہجوم نے مولویوں کی قیادت میں حملہ کردیا۔گھروں کو جلانے کے بعد تین احمدیوں کو نہایت بے دردی سے ڈنڈوں سے مار مار کر شہید کردیا۔ان مظلوموں کو مثال شہید کی طرح کپڑے اتار کر بربریت کا نشانہ بنایا گیا۔اس ظالم ہجوم نے پانچ احمدیوں کو زخمی بھی کیا گیا تھا۔پولیس بھی موقع پر موجود تھی، جو کھڑے ہو کر تماشا دیکھتی رہی۔شہید ہونے والوں کے نام Roni Pasaroni, Tubagus Candra Mubarok Syafai اور Warsono تھے۔عدالت نے ١٢ قصورواروں کو جن نے انسانیت سے گرا سلوک کیا تھا انہیں محض تین سے چھ ماہ تک کی سزا سنائی۔اور باقی درجنوں مجرموں کو دو ہفتے بعد رہا کردیا گیا۔٢٠١١ء میں احمدیوں کے خلاف آٹھ نئی پابندیاں لگائی گئیں۔

اسی دوران عیسائیوں کے خلاف بھی ان شدت پسند ملاؤں کی پر تشدد کاروائیاں جاری ہیں۔انڈونیشیا میں گرجا گھروں کو جلانا اور بموں سے اڑانا معمول کی بات بن چکی ہے۔اس طرح کی کاروائیوں میں انتظامیہ اکثریتی مذہبی گروپوں کے دباؤ میں آکر عیسائیوں اور دوسری اقلیتوں کو خوفزدہ کر کے انہیں ان کی اپنی عبادت گاہوں میں جو قصبوں اور گاؤں میں موجود ہوتی ہیں، عبادت کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔انہیں

اکسایا جاتا ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں اور گھروں کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔ نئے عبادت گھروں کی تعمیر کے لیے اجازت لینا نہایت مشکل ہے۔ برباد کیے گئے عبادت گھروں کی دوبارہ تعمیر کرنا بھی نہایت مشکل ہے۔ایک ادارہ اجازت دیتا ہےاوردوسراانکار کردیتا ہے۔

جس طرح پاکستان میں بھی شدت پسندوں کوخواہش ہوتی ہے کہ اقلیتوں کی عبادت گاہوں پر قبضہ کر کے مسجد بنائی جائے اسی طرح کی تمنائیں انڈونیشیا کے شدت پسندوں کی بھی ہیں۔ اسلامی دنیا میں مذہبی جنونیوں کا بس چلے تو تمام دیگر عبادت گاہوں پر قبضہ کرلیں۔انڈونیشیا میں توہین رسالت کی سزا ۵ برس ہے۔ لامذہب افراد کے لیے قید و بند یا جرمانہ کی سزا تو قانون میں نہیں ہے مگر انہیں مردم شماری میں شمار نہ کر کے انہیں ان کے انسانی حقوق پر شب خون مارا جاتا ہے۔اور یہ بھی حقیقت ہے کہ لامذہب افراد کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ کسی کا لامذہب ہونا انڈونیشیا کے بنیادی قانون سے ٹکرانا ہے۔ چنانچہ جنوری ۲۰۱۲ء میں ایک انڈونیشین مرد کے فیس بک پر یہ لکھنے پر کہ خدا نہیں ہے، اسے جیل بھیج دیا گیا۔ آئین کے آرٹیکل ۲۹ کے مطابق ریاست کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے کہ ایک عظیم خدا ہے۔ مگر یہ آرٹیکل یہ واضح نہیں کرتا کہ کس مذہب کے خدا کی عبادت کی جائے۔ جنوری ۲۰۰۶ء میں ایک نئے قانون کے مطابق قومی شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ بنایا گیا ہے جس میں ہر شہری کے لیے اپنا مذہب بیان کرنا ضروری ہے۔ یقینی طور پر ایسا کرنے سے شہریوں کے مساویانہ حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ پاکستان کی ذلت ورسوائی اور بربادحالی کی ایک بڑی وجہ بھی یہی قومی شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ ہے۔

۲۰۰۵ء میں انڈونیشین علماء کونسل نے فتویٰ دیا کہ احمدیت ایک بدعت ہے۔ جون ۲۰۰۸ء میں وزارت مذہبی اموراور وزارت داخلہ نے مشترکہ بیانیہ جاری کیا کہ احمدیوں کو ان کے نجی عبادت خانوں تک محدود کیا جائے اور مسلمانوں کو احمدی ہونے سے بچایا جائے۔ جنوبی و مغربی سماٹرا اور مغربی صوبہ نوسا تینگارا کے گورنروں نے جماعت احمدیہ کی تمام سرگرمیوں پر پابندی لگا رکھی ہے۔

۶ مئی ۲۰۱۰ء کو ایک ۷۰ سالہ شخص بکری عبداللہ نامی کے خود کو نبی کہنے اور یہ دعویٰ کرنے کے کہ ۱۹۷۵ء اور ۱۹۹۷ء میں وہ جنت دیکھنے گیا تھا، ایک سال کے لیے جیل بھیج دیا گیا۔

۹ دسمبر ۲۰۰۸ء کا دن مذہبی اقلیتوں کے لیے بہت برا ثابت ہوا تھا۔مولویوں کی قیادت میں مذہبی جنونیوں نے اقلیتوں کے ۶۷ گھر لوٹ مار کر کے جلا دیے، غیر مسلم اقلیتوں کے گرجا گھر اور کمیونٹی ہال برباد کرنے کے علاوہ غیر مسلم اقلیتوں کے افراد کو شدید تشدد کا نشانہ بنایا۔

مئی ۲۰۱۷ء میں جکارتہ کے عیسائی گورنر Basuki Tjahaja Purnama کو توہین رسالت کے الزام پر گورنر کے عہدہ سے محروم کر دیا گیا اور دو سال کے لیے جیل بھیج دیا گیا۔ان پر الزام تھا کہ انہوں نے ایک تقریر کے دوران قرآن کریم کی آیت پڑھ کر حوالہ دیا تھا۔ان کے قرآن کریم کی آیت پڑھنے کو گستاخانہ فعل قرار دیا گیا تھا۔

اپریل ۲۰۰۷ء میں مشرقی جاوا کے علاقہ Malang میں ۴۲ پروسٹنٹ عیسائیوں کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ان پر ایک ایسی ویڈیو فلم دیکھنے کا الزام تھا جس میں لوگوں سے مبینہ طور پر کہا گیا تھا کہ قرآن کریم کو زمین پر رکھ کر مسلمان سیاست دانوں کے تبدیلی مذہب کے لیے دعا کریں۔عدالت نے سبھی کو قصوروار قرار دیا اور کہا کہ انہوں نے مذہب اسلام کی بے عزتی کی ہے۔عدالت نے تمام ملزمان کو پانچ پانچ برس قید کی سزا دے کر مذہب کی بے عزتی کا بدلہ لے لیا۔

مہدی فرقہ سے تعلق رکھنے والوں کے خلاف ہمسایوں وغیرہ نے یہ شکایت درج کروائی کہ یہ لوگ نہ روزہ رکھتے ہیں اور نہ ہی رمضان سے مخصوص عبادات کرتے ہیں۔پر تشدد ہجوم نے اس جرم پر ہنگامہ کے دوران ۳ پولیس اہلکار اور دو اس فرقہ کے لوگ ہلاک کر دیے۔عدالت نے ایک سال بعد مہدی فرقہ کے لوگوں کو قصوروار قرار دے کر نو اور ۱۲ برس کے درمیان سزا سنادی۔

ایک مسلمان اسکول ٹیچر Sumardi Tappaya پر اس کے ایک رشتہ دار نے الزام لگایا کہ اس نے جبکہ نماز ہو رہی تھی، سیٹی بجائی تھی۔علماء کونسل انڈونیشیا نے فتویٰ دیا کہ سیٹی بجانا گمراہی ہے۔اور عدالت نے اس گمراہی کے جرم میں اسکول ٹیچر کو چھ ماہ کے لیے جیل بھیج دیا۔

اللہ تعالیٰ سب انسانوں پر رحم فرمائے۔ظالموں کو ہدایت یا سزا دے۔آمین

☆☆☆

اسٹیفن ھاکنگ Stephen Hawking

بیسویں اور اکیسویں صدی عیسوی کے معروف ماہر طبیعات اسٹیفن ہاکنگ(Stephen Hawking) ۲۴ مارچ ۲۰۱۸ءکو بمقام کیمرج وفات پا گئے۔ ۸ جنوری ۱۹۴۲ کو پیدا ہونے والے اس عظیم سائنسدان کو آئین سٹائن کے بعد گزشتہ صدی کا دوسرا بڑا سائنسدان مانا جاتا ہے۔

اسٹیفن ہاکنگ کے والد کا نام فرانک اور والدہ کا نام ازابیل تھا۔ اسٹیفن کا دادا امیر آدمی تھا، اس کا ایک بہت بڑا فارم ہاؤس یاک شائر میں تھا۔ مگر وہ جلد ہی دیوالیہ ہو گئے۔ کیونکہ امریکہ نے بڑی تیزی سے ۹۴ ہزار سے زائد میل لمبی ریلوے لائن بچھا کر کسانوں کے لیے غلہ کی آمد و رفت کی راہیں کھول دی تھیں۔ جب امریکہ نے آزاد تجارت کا برطانیہ سے معاہدہ کر کے نہایت سستا اناج برطانیہ بھیجنا شروع کیا تو مقامی زمیندار اس کی تاب نہ لا سکے تھے۔ اسٹیفن ہاکنگ کے والدین کو ان کے بزرگوں نے مالی تباہی سے بچایا۔ دونوں ماں باپ نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا، والد نے میڈیسن اور والدہ نے فلاسفی، سیاست اور معاشیات میں ڈگری لی۔ بعد میں ہاکنگ کے والد قومی انسٹیٹیوٹ فار میڈیکل ریسرچ کے سربراہ بنے تھے۔ اسٹیفن کے والدین اور ان کے بچے ذہین اور سنکی اس حد تک تھے کہ خاموشی سے کھانا کھاتے اور کھانے کے دوران بھی کتاب پڑھنا نہ بھولتے تھے۔

اسٹیفن ہاکنگ کی تعلیم کا آغاز ہائی گیٹ میں واقع ایک اسکول Byron House School سے ہوا۔ جب ہاکنگ نے تیرہ سال کی عمر میں گیارہویں جماعت کا امتحان مقررہ مدت سے ایک سال قبل ہی پاس کر لیا تو ان کے والد کی خواہش تھی کہ ہاکنگ مقابلے کا امتحان دے کر اسکالرشپ حاصل کرے اور ممتاز اسکول ویسٹ منسٹر اسکول میں تعلیم حاصل کرے، اسکالرشپ لینے کی ضرورت اس لیے تھی کہ ان کے والدین اس اعلیٰ اسکول کے بھاری اخراجات پورے نہ کر سکتے تھے۔ مگر اس سال ہاکنگ بیمار ہو گیا اور امتحان نہ دے سکا۔ اسے اسکالرشپ کے لیے بیماری کی وجہ سے ایک سال مزید انتظار کرنا پڑا۔ اس عرصہ میں اسٹیفن ہاکنگ اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ زیادہ وقت گزارتا، سب لڑکے مختلف کھیل کھیلتے، آتش بازی بناتے، ہوائی

جہاز اور کشتیاں بناتے اور عیسائیت اور غیر ارضی موضوعات پر بھرپور بحث کرتے۔ انہیں دنوں میں ہاکنگ نے اپنے ایک استاد کی زیرِنگرانی ایک کمپیوٹر بنایا جسے کلاک، سوئچ بورڈ اور دوسری پرانی ناکارہ چیزوں کو ملا کر بنایا گیا تھا۔

اگلے برس ہاکنگ اسکالرشپ لینے میں کامیاب ہو گیا۔ والد چاہتے تھے کہ ہاکنگ میڈیسن پڑھے، مگر ہاکنگ نے فزکس، حساب اور کیمسٹری پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ شروع میں ہاکنگ لائق طالب علم نہ تھا۔ مگر جلد ہی اس نے سائنسی مضامین کی طرف توجہ دینی شروع کر دی۔

سترہ برس کی عمر میں ہاکنگ آکسفورڈ یونیورسٹی میں مزید تعلیم کے لیے داخل ہو گیا۔ یونیورسٹی میں ہاکنگ ۱۸ ماہ تک بوریت اور تنہائی کا شکار رہا۔ اس کے تعلیمی سرگرمیوں سے لاتعلقی پر اس کے فزکس کے استاد نے اسے کہا کہ تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم کچھ کر گزرو یہ دیکھے بغیر کہ دوسرے کیا کر رہے ہیں۔ اپنے استاد کے مشورے پر ہاکنگ سنجیدہ ہو گیا اور جلد ہی اس کے استاد Robert Berman کو کہنا پڑا کہ ہاکنگ یونیورسٹی کا لائق اور خوش دل لڑکا ہے جو کلاسیکل میوزک اور سائنس فکشن میں دلچسپی لیتا ہے۔۔ مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ ہاکنگ نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں صرف ایک ہزار گھنٹے مطالعہ میں صرف کیے۔ اس نے تحریری امتحان مختصر وقت میں تیاری کے ساتھ دیا۔ ہاکنگ کاسمولوجی میں دلچسپی رکھتا تھا اور اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ فرسٹ ڈویژن میں پاس ہو۔ مگر نتیجہ فرسٹ اور سیکنڈ ڈویژن کے بیچ تھا۔ فیصلہ زبانی امتحان پر آ گیا۔ جب زبانی امتحان میں ایک ممتحن نے اس سے پوچھا کہ تم کس ڈویژن میں پاس ہونا چاہتے ہو تو اس نے جواب دیا کہ اگر آپ لوگ مجھے فرسٹ ڈویژن میں پاس کرتے ہو تو میں کیمرج جاؤں گا اور اگر سیکنڈ کلاس میں پاس کرتے ہو تو میں آکسفورڈ ہی میں رہوں گا۔ پس میں خیال کرتا ہوں کہ آپ مجھے فرسٹ ڈویژن میں پاس کرو گے۔ اور ذہین ہاکنگ کو فرسٹ کلاس دے کر بی۔ اے اونر کی ڈگری نیچرل سائنس میں عطا کر دی گئی۔ ڈگری حاصل کرنے کے بعد ہاکنگ اپنے دوست کے ساتھ تفریحی دورے پر ایران چلا گیا۔

آکسفوڈ یونیورسٹی میں دوران تعلیم ہاکنگ کے ساتھ ایسا ہوتا تھا کہ وہ اچانک گر جاتا تھا، سیڑھیاں چڑھنا دشوار معلوم ہوتا اور چڑھائی چڑھنا بھی دوبھر لگتا۔ جب ہاکنگ کیمرج گیا تو اس طرح کے معاملات نے اسے اور اس کے گھر والوں کو پریشان کر دیا۔ جب ہاکنگ کے طبی معائنہ کے بعد جو بیماری ڈاکٹروں نے تشخیص

تھا اس بیماری کو motor neurone disease کی اس کا نام amyotrophic lateral sclerosis بھی کہا جاتا ہے۔بغلی دماغ کی خشکی یا لوگیرگ جیسی بڑی بیماری کی خبر نے اسے حواس باختہ کر دیا۔موٹر نیوران بیماری سے انسان بڑی تیزی سے کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔یہ ایسی فالجی بیماری ہے جس میں دھیرے دھیرے سارا بدن فالج زدہ ہو جاتا ہے۔۱۹۶۳ء میں جب ہاکنگ اکیس برس کا تھا ڈاکٹروں نے ہاکنگ کو بتایا کہ اس کی زندگی دو برس سے زائد نہیں ہے۔

بیماری نے ہاکنگ کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ وہ پی ایچ ڈی کی ڈگری کیسے حاصل کرے گا اور اگر حاصل کر بھی لے تو کیا فائدہ۔ ہاکنگ چھڑی کے سہارے کے بعد وہیل چیئر پر بیٹھنے پر بادل نخواستہ مجبور ہو چکا تھا، کسی کی مدد کو وہ پسند نہیں کرتا تھا۔سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اسے پڑھنا چاہیے، کچھ کر کے دکھانا چاہیے، یہی وہ وقت تھا جب اسٹیفن ہاکنگ کا نیا جنم ہوا۔اس نے اپنے کام سے ایسی محبت کی جس نے آخر کار اسے اہل علم واہل دل لوگوں کی آنکھ کا تارا بنا دیا۔

اس لحاظ سے ہاکنگ خوش قسمت تھا کہ جہاں اسے ڈاکٹروں نے زندگی کے خاتمہ کی خبر دی وہاں اس کی زندگی بڑھانے کے لیے ہاکنگ کی بہن کی سہیلی Jane Beryl Wilde بہار بن کر اس کی زندگی میں آگئی۔جین نے ہاکنگ کے کام اور اس کی خدمت کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا۔جب ہاکنگ سے قوت گویائی چھن گئی تو جین اس کی پلکوں کے اشاروں سے اس کے دماغ میں اٹھنے والے قیمتی موتی چنتی رہی۔جین بھی اچھی ادیب اور استاد ہیں۔

جین کے بطن سے اسٹیفن ہاکنگ کے تین بچے پیدا ہوئے۔بوقت وفات ہاکنگ دادا بھی بن چکا تھا۔شادی کے بعد ان کا سب سے بڑا مسئلہ اچھے مکان کا حصول بنا۔بعد میں ہاکنگ نے معذور افراد کے حقوق کے لیے بڑی مؤثر تحریک بھی چلائی تھی۔جین سے شادی کے بعد ہاکنگ کے عزیز واقارب اپنی ذمہ داریاں جین کے کندھوں پر ڈال کر ہلکے ہو گئے تھے۔۱۹۷۷ء میں جبکہ وہ چرچ میں جہاں وہ گیت گاتی تھی ایک آرگن نواز جوناتھن سے جین کی دوستی ہوگئی جو ۱۹۸۰ء میں رومانس کے جذبات پر منتج ہوئی۔مگر ہاکنگ فروری ۱۹۹۰ء میں اپنی ایک نرس Mason کی زلفوں کا اسیر ہو گیا،اور ہاکنگ نے جین کو آزاد کر دیا۔ہاکنگ نے

تیس برس جین کے ساتھ گزارے۔ازاواجی بندھن سے چھٹکارے کے بعد بھی جین کے آخر تک ہاکنگ سے اچھے تعلقات رہے۔جین اور ہاکنگ کی جدائی کی ایک وجہ مذہبی اختلاف بھی تھا۔جین کٹر عیسائی تھی اور ہاکنگ مذہب پر یقین نہ رکھتا تھا۔۱۹۹۵ء میں ہاکنگ نے Mason سے شادی کر لی،اور خوشی سے کہا کہ میں نے ایسی عورت سے شادی کی ہے جس سے مَیں محبت کرتا ہوں۔جین نے ۱۹۹۹ء میں اپنی یاداشتوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس کا نام تھاMusic to Move the Starsاس کتاب میں جین نے اپنے اور ہاکنگ کے تعلقات کے متعلق لکھا تھا۔اس کتاب سے متعلق جب میڈیا نے ہاکنگ سے پوچھا تو اس نے صرف اتنا کہا کہ میں اپنے متعلق سوانح عمریاں نہیں پڑھتا۔ہاکنگ کے رشتہ داروں کا خیال تھا کہ ہاکنگ کو اس کی دوسری بیوی کی طرف سے جسمانی ایذاءدی جارہی ہے، پولیس نے تفتیش شروع کی مگر ہاکنگ نے منع کر دیا۔۲۰۰۶ء میں ہاکنگ نے Mason کو طلاق دے دی،اور جین اور اپنے بچوں سے قریبی تعلقات استوار کر لیے۔اس خوشی کے دور میں جین نے ایک اور کتاب لکھی جس کا نام تھا Travelling to Infinity: My Life with Stephen یہ پہلی کتاب کا اصلاح شدہ دوسرا ایڈیشن تھا۔یہی وہ کتاب تھی جس کی بنیاد پر ۲۰۰۴ء میں مشہور زمانہ فلم The Theory of Everything بنائی گئی تھی۔

۱۹۹۰ء میں جب اسٹیفن مکمل طور پر معذور ہو گیا تو وہ تمام معذوروں کے لیے رول ماڈل بن گیا تھا۔اس نے معذوروں کے حقوق پر لیکچر دیے اور اور ایسی مہمات کا حصہ بھی بنا جن کا مقصد معذوروں کی بہبود کے لیے فنڈ اکٹھا کرنا تھا۔اس نے گیارہ دیگر لوگوں سے مل کر معذوروں کے لیے ایک چارٹر پر دستخط کیے تھے، اسے Disability Charter for the Third Millennium on کا نام دیا گیا تھا۔یہ چارٹر حکومت سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ وہ معذوروں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنائے۔۱۹۹۹ء میں ہاکنگ کو اس کام کے لیے American Physical Society نے Julius Edgar Lilienfeld Prize سے بھی نوازا تھا۔

۲۰۱۳ء میں ہاکنگ کی زندگی کے متعلق ایک ڈاکومنٹری فلم ریلیز کی گئی جس کا نام Hawking تھا۔اسی برس اس نے موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا افراد کی شدید تکلیف میں ان کی خودکشی میں مدد دینے کے لیے ہونے والی قانون سازی کی حمایت کی تھی۔۲۰۱۴ء وہ سال تھا جب ہاکنگ نے Ice Bucket

Challenge قبول کیا۔ یہ motor neurone disease نامی مرض سے آگاہی اور اس مرض کی ریسرچ کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کے لیے انوکھا چیلنج تھا۔ اس چیلنج کو قبول کرنے والے کے سر پر برف کے ٹکڑے پانی بھری بالٹی میں ڈال کر ڈالے جاتے تھے۔ ہاکنگ نے بھی یہ چیلنج قبول کیا مگر نمونیہ ہونے کے پیش نظر اسے ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اس نے اس مشکل کا حل یہ نکالا کہ اس کے تینوں بچوں کے سر پر برف ملا ٹھنڈا پانی ڈال دیا جائے، اور ایسا ہی کیا بھی گیا۔ اسٹیفن ہاکنگ نے تکلیف میں مبتلا مریضوں کے مرنے میں مدد دینے کی بھی حمایت کی تھی۔

2013 میں اسرائیل نے سابق وزیراعظم اور سابق صدر شمعون پیریز کی نوے سالہ یوم پیدائش کی تقریبات میں منعقد کی گئیں۔ اسرائیل نے دنیا بھر سے نمایاں شخصیات کو شرکت کرنے کی دعوت دی، ان میں اسٹیفن ہاکنگ بھی شامل تھا۔ اس دعوت کے جواب میں ہاکنگ نے یہ کہہ کر کہ "فلسطینیوں سے متعلق اسرائیل کی موجودہ سیاسی پالیسیاں تباہ کن ہیں۔" بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ یاد رہے کہ اسرائیل ہی نے اس کی معذوری پر غور کر کے مختلف equipment تیار کیے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جری انسان نے اس وقت انسانیت کی لاج رکھی جب مسلمان لاچار تھے۔ اسرائیل کو اس کے اس بیان نے زبردست جھٹکا دیا تھا ساری دنیا نے اسٹیفن ہاکنگ کے بیان کو نشر اور شائع کر کے فلسطینی مسئلہ کو اجاگر کیا۔

۲۶ اپریل ۲۰۰۷ء کو ہاکنگ کو بوئنگ ۷۲۷ جس میں کشش ثقل کا لیول صفر تھا سوار کیا گیا۔ بی بی سی کو ایک انٹرویو میں اسٹیفن نے خلائی سفر کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا، Richard Branson جو Virgin group کے نام سے ۴۰۰ مختلف بزنس کرتے ہیں نے جب اس خواہش کے متعلق سنا تو انہوں نے اسٹیفن ہاکنگ کو Virgin Galactic کے ذریعہ مفت خلائی سفر کی پیشکش کی جسے ہاکنگ نے فوراً قبول کر لیا۔ Richard Branson ایسے خلائی جہاز بنا رہے ہیں جن کے ذریعہ لوگ خلائی سفر کر سکیں گے۔ بوئنگ ۷۲۷ کا تجربہ نہایت کامیاب رہا اور ۲۰۱۹ء میں اسٹیفن ہاکنگ نے خلا میں جانا تھا مگر صد حیف اس کی وفات تک خلائی جہاز نہ بن پایا۔ مگر اسٹیفن ہاکنگ نے صفر کشش ثقل میں قدم رکھ کر دنیا بھر کے معذوروں کے لیے خلائی سفر کی راہیں ہموار کر دی ہیں۔

ابو الفضل علامی ابن مبارک ناگوری

ابوالفضل فیضی کے چھوٹے بھائی شیخ ابوالفضل علامی ابن مبارک ناگوری (۱۵۵۱ء تا ۱۶۰۲ء) کا نام کسی تعارف کامحتاج نہیں ہے۔اکبراعظم کے نورتنوں میں یہ دو بھائی بھی شامل تھے۔شیخ ابوالفضل علامی علم و فضل میں یگانہ روزگارتو تھا ہی، طاقت وشجاعت میں بھی مثل تھا۔اپنی بہادری کی بنا پر منصب چار ہزاری پر فائز ہوا۔اس نے علم کی پیاس بجھانے کے لیے اکبراعظم کوایسا عبادت خانہ تعمیر کروانے کے لیے قائل کیا جہاں مختلف الخیال علماء اپنے خیالات کا اظہار کریں۔شیخ ابوالفضل علامی منفرد شاعر بھی تھا، وہ مروجہ شاعری کو روحانی مرض سے تعبیر کرتا تھا۔اس کی تصنیفات کی تعداد کم ازکم سات ہے۔اکبرنامہ اس کی مشہور تصنیف ہے، اس تصنیف کے تین حصے ہیں، تیسرے حصے میں آئین اکبری ہے۔بعض لوگ اسے آزاد خیال فلسفی سمجھتے ہیں اور بعض علماء اسے دہریہ سمجھتے ہیں۔ہمیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ انہیں کوئی کیا کہتا ہے۔ایک اچھے طالب علم کی طرح ہمیں ان کے خیالات میں سے جوخیال مدلل اور حقیقت سے قریب ہو اسے ناصرف اپنانا چاہیے بلکہ اسے دوسروں تک بھی پہنچانا چاہیے۔آئین اکبری کے آغاز میں شیخ ابوالفضل علامی نے چند باتیں ایسی کی ہیں جنہیں یہ عاجز معزز قارئین کے علم میں لانا چاہتا ہے۔اکبری دور میں جس طرح علماء خود کو آسمان سے اتری مخلوق سمجھ کر اغیار سے غیر مخلوق ہونے جیسا رویہ اختیار کرتے تھے، وہی رویہ آج بھی نام نہاد علماء کا ہے۔اور یہ وہی رویہ ہے جس نے اکبراعظم کو علماء سے ایسا بدظن کیا کہ اسے انہیں قتل کرنے اور جلاوطن کرنے پر مجبور کیا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اکبر پڑھا لکھا نہیں تھا مگر اسے علم کی پیاس نے مجبور کیا کہ وہ علماء کی صحبت میں بیٹھ کر یہ پیاس بجھائے۔مگر علماء کے جاہلانہ رویوں نے اسے حد درجہ تک مایوس کیا۔اکبراعظم ایک موقع پر خود کہتا ہے کہ اگر مجھے پیشتر سے اس امر کا علم ہوتا تو میں اپنی رعایا میں سے کسی کو اپنی حرم سرا میں داخل نہ ہونے دیتا بوجہ اس کے کہ رعیت بھی مرتبے میں مثل اولاد کے ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں شیخ ابوالفضل علامی نے کیا کہا ہے؟

”تقلید کی تند و تیز ہوا کے چلنے اور شمع عقل و دانش کے گل ہونے نے عرصہ دراز سے تحقیقات کی تمام

راہیں مسدود کر دیں اور مسائل کی تحقیق اور ان پر ردوقدح کرنا کفر میں داخل کر دیا ہے۔

انسان کا عرصے سے یہ حال ہے کہ جو سرمایہء علم اس کو آباء واجداد اور اس کے استاد یا اس کے اعزہ و اقارب یا ہم نشین سے اس تک پہنچا ہے وہ اس کو رضائے الٰہی کے حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ سمجھتا ہے۔ اور جو شخص ان کے عقائد کا مخالف ہے وہ ان کی رائے میں الحاد و زندقہ میں گرفتار اور قابل نفرت و ملامت ہے۔ اگر چہ بعض خاندانوں کے چند دانا و صاحبِ عقل اس طریقے کو مذموم سمجھ کر دیگر افراد کو ہدف تیر ملامت بناتے ہیں لیکن خود ایک قدم بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتے۔

دشمنی و عداوت کی باد مخالف و خوں ریزی کے تباہ کن طوفان سے دو تین اشخاص بھی اس درجہ محفوظ نہیں رہے کہ باہم ایک جلسے میں بیٹھ کر اپنے اپنے معتقدات کے بابت تبادلہ خیالات کریں اور مہر و محبت کے ساتھ دوستانہ مجالس کے ضروری کام کو سرانجام دیں اور انصاف و حق پرستی کو مشعل راہ بنا کر اس راہ پر چلیں جہاں خویش و بیگانہ میں تمیز ہو سکے اور دنیا کو اس نگاہ سے دیکھیں جو حق کو باطل سے جدا کر سکے اور مختلف مسائل کو بغور سن کر اغیار کے چون و چرا کو حق شناسی کی ترازو میں تولیں اور صحیح نتیجے پر پہنچ کر ہدایت حاصل کریں۔ عوام تو درکنار شاہان انصاف پسند نے بھی اپنے فرائض جہاں داری سے بے نیاز ہو کر ان امور کو ہمیشہ نظر انداز کیا ہے۔

بنی نوع انسان میں خود بینی و غرض پرستی کا ایسا دور دورہ رہا کہ باہمی تبادلہ خیالات و مکالمے کی مجلسیں گرد و غبار سے الٹ گئیں۔ اس طوفان بے تمیزی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک گروہ نے تو مہر خاموشی لب پر لگائی اور دوسرے فریق نے الفاظ بندی و سخت گیری سے اپنی جان بچائی اور تیسری جماعت نے مذاق زمانہ کے مطابق ابن الوقت بن کر سخن سازی کو اپنا شعار بنایا۔

اگر ظاہری فرماں روا ان امور پر قدرے توجہ کرتے اور بنی نوع انسان کی چارہ گری کے اسباب فراہم کرنے پر آمادہ ہوتے تو اس میں شبہ نہیں کہ بے شمار اہل دل و روشن ضمیر حضرات بے خوف و خطر اپنے اصل خیالات کا اظہار کر کے روحانی مریضوں کے مصالح میں کرشمہء مسیحائی دکھاتے۔ حکمران طبقے کی علیحدگی اور ان کی عدم توجہ نے بنی نوع انسان کی ہر جماعت کو خود اسی کے عقائد کا شیفتہ و گرویدہ رکھا اور ہر فرقے نے اپنے ہی معتقدات کو حق اور غیر کے مسائل کو باطل خیال کر کے فتنہ و فساد کا بازار گرم کیا۔

ہر بندۂ تعصب گروہ نے صرف اپنی ہی جماعت کو مخلوق خدا خیال کیا اور اغیار کو خالق مطلق کے دائرۂ بندگی سے خارج کر کے خوں ریزی و آبرو ریزی اور مردم آزادی کو فرائض مذہبی میں داخل کیا اور انھیں تباہ کن افعال کو سرخروئی دارین کا وسیلہ سمجھا۔

اگر انسانی قلب انوار بصیرت سے روشن ہوتا تو اس آشوب گاہ دنیا میں ہر شخص خود اپنے درد دل کا علاج کرتا اور اپنے امراض کی تیمارداری اور نیز اپنے ذاتی آلام ومصائب کی سوگواری اس کو اغیار کی طرف توجہ کرنے کی مہلت ہی نہ دیتی۔

مگر افسوس کہ اس ناہنجار کشاکش نے اصلی اغراض ومقاصد کو فوت کر دیا اور معقول دلائل وبراہین کو چشم قلوب سے چھپا دیا۔

اگر دشمن کا مسلک حق ہے تو اس کے پیرووں کی خوں ریزی کرنا کیا معنی اور اگر وہ مذہب باطل کا گرویدہ ہے تو ظاہر ہے کہ روحانی مریض ہے اور قرین عقل وانصاف تو یہ ہے کہ بیمار معالجہ وتیمارداری کا مستحق ہے نہ کہ مردم آزاری وخون ریزی کا۔

بے اصول وبدطینت وسیاہ قلب وآدم کش افراد کی گرم بازاری جو فریب وریاکاری خودسرائی وزیاں آوری سے مخلوق خدا کو دھوکا دینے اور اپنی خودنمائی سے اپنے کو حقیقی وصادق رہنمایان عالم کے گروہ میں داخل کرنے میں حق کو خاک پوش وباطل کو بلند وبالا کرتے ہیں۔"

"اے ابوالفضل! اب زیادہ خامہ فرسائی نہ کر اور یقین مان کہ قہر الٰہی کا ظہور لامحدود وغیر متناہی ہے جس رشتۂ محبت کو تُو نے ارادت مند ہاتھوں سے پکڑا ہے اس کو مت چھوڑ اور اپنے قدیم مہر انگیز خیال وعقیدے پر عمل کر اگرچہ تیری اس تحریر سے بعض ناظرین تو فہم وفراست کی تلاش وجستجو میں سرگرداں ہو کر اتحاد واتفاق کے گرویدہ ہوں گے لیکن اکثر افراد غم والم کے طوفان میں غرق آپ ہو کر حیران وپریشان ہوں گے۔

خدا کا شکر ہے کہ تُو نہ تو جہالت ونادانی کی سوگواری کا مخالف ہے۔ اور نہ راہ یافتہ افراد کی مدح سرائی کا دشمن۔"

(آئین اکبری۔ جلد ۲۔ صفحہ ۶۔ ترجمہ مولوی فدا علی طالب۔ اشاعت ۱۹۳۹۔)

گم گشتہ قوم۔ ’’ناپاکستان‘‘

گم گشتہ قوم نامی کتاب کے مصنف مجاہد آزادی جناب سردار شوکت حیات خان صاحب ہیں۔اس کتاب میں کافی حد تک تاریخی حقائق موجود ہیں۔اس کتاب کا ایک ورق معزز قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ وہ حقائق کو جان سکیں۔

سردار شوکت حیات خان صاحب لکھتے ہیں:۔

’’ایک دن مجھے قائداعظم کی طرف سے پیغام ملا شوکت مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم بٹالہ جا رہے ہو جو قادیان سے پانچ میل کے فاصلہ پر ہے تم وہاں جاؤ اور حضرت صاحب کو میری درخواست پہنچاؤ کہ وہ پاکستان کے حصول کے لیے اپنی نیک دعاؤں اور حمایت سے نوازیں۔جلسے کے اختتام کے بعد مَیں نصف شب تقریباً بارہ بجے قادیان پہنچا۔تو حضرت صاحب آرام فرما رہے تھے۔مَیں نے ان تک پیغام پہنچایا کہ مَیں قائداعظم کا پیغام لے کر حاضر ہوا ہوں، وہ اسی وقت نیچے تشریف لائے اور استفسار کیا کہ قائداعظم کے کیا احکامات ہیں۔مَیں نے کہا کہ وہ آپ کی دعا اور معاونت کے طلبگار ہیں۔انہوں نے جواباً کہا کہ وہ شروع ہی سے ان کے مشن کے لیے دعا گو ہیں اور جہاں تک ان کے پیروکاروں کا تعلق ہے،کوئی احمدی مسلم لیگ کے خلاف انتخاب میں کھڑا نہ ہوگا اور اگر کوئی اس سے غداری کرے گا تو وہ ان کی جماعت کی حمایت سے محروم رہے گا۔اس ملاقات کے نتیجے میں ممتاز دولتانہ نے سیالکوٹ کے ایک حلقے میں ایک احمدی نواب محمد دین کو بھاری اکثریت سے شکست دی۔قادیانی لوگوں نے اپنے امیر کے حکم کی بجا آوری میں محمد دین کی بجائے ممتاز کو ووٹ دیے۔

جب میں پٹھانکوٹ پہنچا تو قائداعظم نے مولانا مودودی سے بھی ملنے کے لیے حکم فرمایا تھا۔وہ چوہدری نیاز کے گاؤں سے متصل باغ میں رہائش پذیر تھے۔مولانا بنیادی طور پر دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے تھے جو اس وقت انڈین نیشنل کانگرس کے حامی تھے۔جب مَیں نے انہیں قائداعظم کا پیغام پہنچایا کہ وہ پاکستان کے لیے دعا کریں اور ہماری حمایت کریں تو انہوں نے جواباً کہا کہ وہ کیسے ناپاکستان (ناپاک جگہ) کے لیے دعا کر سکتے ہیں۔مزید برآں پاکستان کیسے آ سکتا ہے،جس وقت تک کہ تمام ہندوستان

کا ہر فرد مسلمان نہیں ہو جاتا۔ جماعت اسلامی کے قائد کی یہ بصیرت اور نظریہ تھا۔ پاکستان کے متعلق مولانا مودودی کا رویہ ہمیشہ مخالفانہ ہی رہا۔ بعد ازاں یہی مولانا میری مدد کے طلبگار ہوئے کہ انہیں ان کے علاقے کے غیر مسلموں سے بچایا جائے، مَیں اس وقت پنجاب میں وزیر تھا۔ چنانچہ میں نے فوج کی مدد سے انہیں با حفاظت پٹھان کوٹ سے پاکستان پہنچایا۔ (گم گشتہ قوم۔ مجاہد آزادی سردار شوکت حیات خان۔ صفحہ ۱۹۵۔ شائع کردہ جنگ پبلشرز لاہور۔ اشاعت اول دسمبر ۱۹۹۵ء)

روشنی پھیلی تو سب کا رنگ کالا ہو گیا
کچھ دیئے ایسے جلے ہر سو اندھیرا ہو گیا

ووٹ کا تقدس

ووٹ کا تقدس بحال کرانے کے لیے آج کل نا اہل وزیر اعظم تحریک عدل چلا رہے ہیں۔ جناب نواز شریف تین بار ووٹ کو تقدس نہ دینے کے جرم میں مقررہ مدت ختم ہونے سے پہلے اقتدار سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔ ۳۵ برس سے زائد کرسی اقتدار پر براجمان رہنے والا بے آبرو ہونے کے بعد اگر ووٹ کے تقدس کا راگ آلاپ کر تحریک عدل چلاتا ہے تو ووٹر کو سوچنا چاہیے کہ جناب نواز شریف کے دور حکومت میں کیا بائیس کروڑ سے زائد شہریوں کو انصاف نہ ملنا ووٹ اور ووٹر کا تقدس تھا؟ اسپتالوں کی حالت زار، جہالت کے قد آور اشجار، آدھی آبادی کا خط غربت سے نیچے زندگی بسر کرنا، کم وبیش ۱۰۰ بلین ڈالر قرض لے کر قوم کو بھکاری بنانا، بجلی، پانی اور گیس کی پیداوار میں اضافہ نہ کرنا، ملاوٹ اور مہنگائی کے طوفان کو نہ روکنا، دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے ٹھوس اقدامات نہ کرنا، بد زبان اور بد باطن مولویوں کی زبان کو آئینی لگام نہ دینا، پارلیمنٹ میں ممبران کا نہ جانا اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے قانون سازی نہ کرنا، بچوں اور خواتین کی تذلیل کرنا، پولیس کو اپنا نوکر بنانا، وی وی آئی پی پروٹوکول لینا اور اپنے جیسوں کو دینا، فرقہ واریت کو ہوا دینا، سیاستدانوں کا بکنا اور بیچنا، لاپتہ افراد کو بازیاب نہ کرنا، اخلاقیات کا جنازہ نکالنا، فوج کو اقتدار میں لانے کا جواز فراہم کرنا اور بہت کچھ سے آنکھ چرانا کیا ووٹ اور ووٹر کا تقدس ہے؟ اللہ اہل وطن کو سمجھنے، سوچنے اور عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

لفظ کا کتنا تقدس ہے یہ کب جانتے ہیں | لوگ بس بات بنا لینے کا ڈھب جانتے ہیں

مریم نواز شریف کی گستاخی

۱۲مارچ ۲۰۱۸ءکوسوشل میڈیا کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے سابق وزیراعظم نواز شریف کی بیٹی مریم نواز نے اپنے والد کو جوتا لگنے کے واقع کا ذکر کرتے ہوئے نہایت بے باکی اور خباثت کا ثبوت دیتے ہوئے کہا تھا کہ:۔

''جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تو کفاران پر گندگی پھینکتے اور جناب فاطمہؓ وہ گندگی صاف کرتی اور روتی تھیں، لیکن رسول ﷺ کو فتح ملی کیونکہ وہ حق پر تھے، تو تمہارا لیڈر یعنی نواز شریف میرا بابا بھی حق پر ہے اور مَیں اپنے بابا کے لیے فاطمہؓ کا کردار ادا کر رہی ہوں۔''

مریم نواز کے اس بیان پر پاکستانی عوام کی جانب سے شدید رنج وغصے کا اظہار کیا جارہا ہے۔مریم نواز کو منحوس کہا جارہا ہے اوران کے کردار پر انگلی اٹھائی جارہی ہے۔مولانا حامد رضا کا کہنا ہے کہ مریم نواز کی جانب سے توہین رسالت ہوئی ہے۔عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے نہ تو توہین رسالت کا مقدمہ درج کروایا اور نہ ہی ان کے کفر کا یا قتل کی بات کی۔ان کے علاوہ کسی بڑے مولوی نے بیان تک جاری کرنا ضروری نہیں سمجھا۔اسی طرح کی بات اگر کسی اقلیتی فرد نے سوال کے رنگ میں بھی کی ہوتی تو یہ نام نہاد مولوی وہ طوفان بدتمیزی کھڑا کرتے کہ عقل حیران رہ جاتی۔کسی دوست نے ایک اخبار میں لکھا تھا کہ یوں لگتا ہے کہ ان مولویوں کے زبانیں اس گستاخی پر فالج زدہ ہوچکی ہیں؟ بڑے محدود پیمانے پر چندلوگوں نے مریم نواز کے خلاف پاکستان پینل کورٹ دفعہ ۲۹۵بی اور ۲۹۵سی کے تحت سزا کا مطالبہ بھی کیا ہے۔

اِسماءاحمد تارڑ روزنامہ الاخبار میں اپنے ایک مضمون میں لکھتی ہیں:۔

''مریم نواز شریف کہتی ہیں کہ ''جب میرے والد پر جوتا پھینکا گیا تو مجھے بڑا صدمہ ہوا مگر پھر میرا ذہن رسول پاک ﷺ پر کی جانے والی سختیوں اور زیادتیوں کی طرف گیا جن پر ان کی بیٹی حضرت فاطمہؓ دکھی ہوا کرتی تھیں۔''اس سے آگے موصوفہ نے اپنے ایک چور، کرپٹ، بدعنوان، جھوٹے اور نااہل قرار پانے والے والد کو سرکار دوعالم ﷺ سرور کائنات کے ساتھ اور خود کو فاطمہ الزاہرہؓ کے ساتھ ملایا، وہ بیان سے باہر ہے۔اس

کے بعد کیا صحیح معنوں میں مریم نواز توہین رسالت جیسے سنگین جرم کی مرتکب ہوئی ہے؟

کہاں وہ عظیم الشان ہستیاں اور کہاں یہ گناہ گار خطا کار لوگ۔اور کل کے اس واقع کے بعد وہ سب لوگ جواب بھی ان لٹیروں کے حامی ہیں ان سب کو شرم سے ڈوب مرنا چاہیے۔کیا توہین رسالت کا قانون صرف بے بس لوگوں پہ ہی لاگو ہوتا ہے؟ کیا مریم نواز جیسے طاقتور لوگ اس سے مبرا ہیں؟

(روزنامہ الاخبار ۱۴ مارچ ۲۰۱۸ء)

۱۳ مارچ کو مجلس وحدت المسلمین پاکستان شعبہ خواتین کی سیکرٹری جنرل محترمہ سیدہ زہرہ نقوی نے مریم نواز کے بیان پر شدید ردعمل ظاہر کرتے ہوئے سپریم کورٹ کو سوموٹو نوٹس لینے کے لیے کہا ہے۔انہوں نے کہا ہے کہ اعلانیہ مستند کرپٹ اور نااہل حکمرانوں کا رسول اللہ ﷺ اور انکی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے تشبیہ دینا توہین رسالت کے زمرے میں آتا ہے۔انہوں نے کہا کہ نواز شریف اعلیٰ عدلیہ سے سارٹیفائیڈ چور، جھوٹے اور لٹیرے قرار پائے ہیں اور اس کی بیٹی کی کرتوتیں بھی زبان زد عام ہیں۔انہوں نے مریم نواز شریف کے خلاف کاروائی اور سزا کا مطالبہ کیا۔

۱۲ مارچ ۲۰۱۸ء کو نواز شریف کی بیٹی مریم نواز صاحبہ نے بقول مولانا حامد رضا توہین رسالت کی تھی۔۱۴ مارچ ۲۰۱۸ء کو نواز شریف صاحب نے کہا:۔

''حضور پاک حضرت محمد ﷺ سے محبت وعقیدت ہر مسلمان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔یہ ہمارے دین کی اساس ہے۔حضور کی شان میں کسی طرح کی گستاخی ناقابل معافی ہے۔اس سلسلے میں کسی بھی سطح پر کوئی کوتاہی برداشت نہیں کی جائے گی۔وزیر داخلہ فوری طور پر گستاخانہ مواد کی بندش کے حوالے سے تمام ضروری اقدامات کریں اور اس کے ذمہ داروں کو بلا تاخیر کیفر کردار تک پہنچائیں۔''

اب ہمارا سوال ہے کہ کیا وزارت داخلہ مریم نواز صاحبہ کو بھی کیفر کردار تک پہنچا پائے گی؟ جب سے ہم نے ہوش سنبھالی ہے یہی دیکھا ہے کہ صاحب اختیار کسی بھی نوع کے جرم کے مرتکب ہوں، قانون کی گرفت سے اس طرح بچ نکلتے ہیں جیسے مکھن میں سے بال۔قانون صرف بے اختیاروں کو ہی دبوچتا ہے۔

☆☆☆

یمن اور عرب اتحادیوں کی جنگ

گزشتہ دنوں سعودی عرب اوراس کے اتحادیوں نے یمنی حوثیوں پر ہوائی حملہ کرکے سات بچوں سمیت بارہ افراد کوشہید کردیا۔۲۵ مارچ ۲۰۱۵ء سے شروع ہونے والی سعودی عرب اوراس کے اتحادیوں کی یمنی حوثیوں کے خلاف جنگ جسے عاصفۃ الحزم (فیصلہ کن طوفان) کا نام دیا گیا ہے اب چوتھے برس میں داخل ہوچکی ہے۔جنگ شروع کرتے وقت اتحادیوں نے دعویٰ کیا تھا کہ چند ہفتوں میں حوثی باغیوں کا قلع قمع کردیا جائے گا۔اتحادیوں کو بے پناہ فوجی قوت رکھنے کے باوجود ابھی تک کامیابی یا فتح کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوا ہے۔حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حوثیوں نے ایک سو مربع کلومیٹر کے سعودی علاقوں پر قبضہ کرلیا ہے۔حوثی باغیوں کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے اوران کے مقابل صرف سعودی عرب کے ایک لاکھ اسی ہزار فوجی برسر پیکار ہیں جنہیں ایک سو سے زائد جنگی طیاروں کی مدد بھی حاصل ہے۔سعودی عرب کے اپنے اعداد وشمار کے مطابق اس جنگ میں نوسو تراسی فوجی اہلکار مارے جاچکے ہیں۔واشنگٹن پوسٹ کے مطابق اس جنگ میں ساٹھ اونچے رینک کے فوجی افسران سمیت پچیس سو اہلکار مارے جاچکے ہیں۔کمزور حوثی باغیوں نے اتحادیوں کے چھ سو پچاس ٹینک تباہ کیے ہیں اور دیگر تباہ ہونے والی بکتر بند گاڑیوں اور دوسری گاڑیوں وغیرہ کی تعداد بے شمار ہے۔حوثیوں نے میزائل حملے کرکے سعودیوں کا جینا حرام کردیا ہوا ہے۔اکثر میزائلوں اور ڈرون طیاروں کی قیمت فقط تین سو ڈالر ہوتی ہے اورانہیں تباہ کرنے کے لیے سعودیوں کو ایک پیٹریاٹ میزائل پر تین ملین ڈالر خرچ کرنے پڑتے ہیں۔حوثی ایک سو سے زائد بیلسٹک میزائل بھی استعمال کرچکے ہیں ایک میزائل کو روکنے کے لیے نوملین ڈالر خرچ ہوتے ہیں۔

صرف سعودی عرب تین برسوں میں دو سو سولہ ارب ڈالر آگ وخون کے کھیل کی نذر کر چکا ہے۔اس بے ہودہ اور جاہلانہ جنگ کے یومیہ اخراجات کم وبیش دو سو ملین ڈالر ہیں۔اس جنگ نے سعودی عرب کو معاشی طور پر تباہی کے کنارے تک پہنچا دیا ہے۔سعودی تاریخ میں پہلی بار بجٹ خسارہ ۱۹۵ بلین ڈالر ہوا ہے۔قرضوں کا حجم ایک سو دس بلین ڈالر تک پہنچ گیا ہے یاد رہے پاکستان کا قرضوں کا حجم نوے بلین ڈالر

سے بھی بڑھ گیا ہے۔امریکی جریدے فارن پالیسی کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق یمن جنگ پر سعودی اخراجات ۷۲۵ ارب ڈالر سے تجاوز کر چکے ہیں۔ برطانوی صحافی راجر بوئز نے ٹائمز میں شائع ہونے والے اپنے کالم میں سعودی عرب کو مشورہ دیا ہے کہ'' اس سے پہلے کہ یمن، سعودی عرب کے لیے ویتنام ثابت ہو، وہ اس دلدل سے نکلے جو اس کے لیے بہتر ہے۔ ورنہ سعودیہ کو ایسا نقصان پہنچ سکتا ہے، جس کے بعد وہ اٹھنے کے قابل بھی نہیں رہے گا۔'' اور یہی مشورہ ہمارا بھی ہے۔

☆☆☆

مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم

بھارتی فوج نے ریاستی غنڈہ گردی کرتے ہوئے گزشتہ دنوں ضلع اسلام آباد، شوپیاں اور اننت ناگ میں ۱۷ معصوم کشمیریوں کو شہید کر دیا اور ۲۰۰ سے زائد کشمیریوں کو زخمی کر دیا تھا۔ کشمیر کی مکمل آزادی کی خواہش اب تک کم وبیش ایک لاکھ کشمیریوں کی جان لے چکی ہے اور ہزاروں خواتین کی عصمت دری ہو چکی ہے۔ جب چند کشمیری شہید ہوتے ہیں تب پاکستان کو اقوام متحدہ میں پاس کی جانے والی قراردادیں یاد آ جاتی ہیں، اور کشمیر کے نام پر سیاست کرنا سوجھتا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان کی زبردست کوششوں اور معاملہ فہمی کی بدولت دو قراردادیں اقوام متحدہ میں منظور ہوئی تھیں۔ ان قراردادوں میں کشمیریوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ ان قراردادوں پر عمل نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ چوہدری ظفر اللہ خان کے بعد ان جیسا قد آور وزیر خارجہ کا نہ ہونا ہے۔ وزارت خارجہ نے آج تک صرف باتیں کی ہیں، کوئی ٹھوس کام نہیں کیا۔ ہر دفعہ بھارتی ظلم کے بعد چند دن افواج پاکستان، سیاست دان، مولوی اور عوام شور مچا کر سو جاتے ہیں۔ فلسطین کے مسئلہ پر اسلامی دنیا کا ردعمل بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔

دو چار دن تک محشر کا منظر
دو چار دن بعد سب حسب معمول

اب وقت آ گیا ہے کشمیری عوام دوسروں کے ہاتھوں میں کھیلنے کی بجائے ایسی پالیسی ترتیب دیں جس سے معصوم لوگوں کی شہادتوں اور باعصمت کشمیری خواتین کی عصمتوں کا تحفظ یقینی ہو۔

مذہب اور جذبہ حُبّ الوطنی

کوکھ میں ماؤں کے سوتے بچے کٹتے ہیں
مذہب اور سیاست دونوں نئے نئے نعرے رٹتے ہیں

دنیا کا ہر شخص اپنے مذہب اور وطن سے محبت کرتا ہے۔ مذہب اور وطن سے لوگوں کی بے انتہا محبت اور عقیدت سے ریاست اور مذہبی راہبر بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مذاہب کا آغاز سچائی اور انسانیت کے حقیقی قیام کے لیے ہی تھا۔ مگر بانیان مذاہب کے اس دنیا سے گزر جانے کے بعد بتدریج ان کی تعلیمات سے انحراف، انہیں پھر سے اسی گرے ہوئے مقام پر لے آیا، جس مقام سے بانیان مذاہب نے انہیں نکال کر عظمت سے ہمکنار کیا تھا۔ اقوام عالم میں ایسی کوئی قوم نہیں ہے جس کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث نہ فرمایا ہو۔ اور کوئی بھی ایسی قوم نہیں ہے جو انبیاء کی بعثت سے پہلے اور ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد گمراہی میں مبتلا نہ ہوئی ہو۔

انبیاء علیہ السلام کی سیدھی سادھی امن وسکون دینے والی تعلیمات کو بدرسومات کے ایسے بل دیے جاتے ہیں کہ انسانیت کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ مذہب کے نام پر جتنا خون بہایا جا چکا ہے اتنا کسی دوسرے معاملے میں نہیں بہایا گیا۔ اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ گزشتہ تین دہائیوں میں کروڑوں لوگ خودساختہ مذاہب اور عقائد کے نام پر موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں اور آئندہ اربوں افراد کے مرنے کا امکان واضح ہوتا چلا جا رہا ہے۔

مذاہب کی زندگی میں آنے والی کالی رات کا باعث ایسے مذہبی نام نہاد راہنما ہوتے ہیں جو مذاہب کو اپنے ذاتی جاہ وحشمت کو قائم رکھنے کے لیے ہائی جیک کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ پیٹ بھرائی کے لیے مذاہب میں ناقابل برداشت رسوم وقیود شامل کر کے عوام الناس کے لیے ایسی دیواریں کھڑی کر دیتے ہیں جنہیں عبور کرنا انسانوں کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان ان دیواروں سے صرف سر ٹکرا سکتا ہے، انہیں گرا نہیں سکتا۔ یہ مذہبی نام نہاد علماء ہی ہوتے ہیں جو حکمرانوں کو عوامی حمایت کے لیے مذہب اور جذبہ حب

الوطنی کی آڑ میں فائدہ اٹھانے کے گر بتا کر حکمرانوں کی آنکھ کا تارا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ جاہل عوام جو ان نام نہاد علماء کی صورت اور بدصورت سیرت کو مذہب سمجھ رہی ہوتی ہے وہ ان کے دھوکے میں آ کر حکمرانوں اور نام نہاد مذہبی ٹھیکیداروں کی مذموم خواہشات کو پورا کرنے کے لیے خود کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ فاتح مسلمان سلاطین جو عقلمندی، بہادری اور رواداری جیسی انمول خصوصیات کے ساتھ مفتوح قوموں کا دل موہ لینے کی خوبی رکھتے تھے کو ان نام نہاد مذہبی ٹھیکیداروں نے ہمیشہ یہی مشورہ دیا کہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دی جائے، انکار کی صورت میں قتل کر دیا جائے۔ علاؤالدین دین خلجی کو نام نہاد علماء نے انبیاء علیہ السلام کے شرف و عزت کے نظارے نجانے کسی جوش سے کروائے کہ وہی علاؤالدین جو ہندو قوم پر حکمران تھا، نبی بننے کے متعلق علماء سے مشورے لینے لگا۔ اکبر جیسے رواداری کے پیکر کو علماء نے خود ہی گمراہ کر کے دین الٰہی کی حمایت کی اور اکبر کو کافر بھی قرار دے دیا۔ قوم پرستی نے ہی سکندر کو ہندوستان پر چڑھائی کرنے کی ترغیب دی۔ اس نے یونان کے بہادر نوجوانوں کو عظیم سمجھے جانے والے دیوی دیوتاؤں کی عظمت کے ترانے گا کر اور حب الوطنی پر پر جوش لیکچر دے کر ہی دیگر اقوام کے امن کو برباد کیا اور اپنی قوم کے بیٹوں کو دیوی دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھا دیا۔ علاءالدین خلجی اور تیمور بھی خود کو سکندر ثانی سمجھ کر دنیا کا امن غارت کرتے رہے، تیمور تو کہا کرتا تھا کہ آسمان پر حکومت اللہ کی اور زمین پر صرف ایک حکمران تیمور ہونا چاہیے۔ مذہب اور حب الوطنی کی آڑ میں مفاد پرست ٹولہ عوام الناس کے جذبات بھڑکا کر آخرت کے حسین خواب دکھا کر انہیں قتل و غارت پر آمادہ کر کے ان سے دنیا کی حسین جنت ہی نہیں چھینتا بلکہ آخرت میں بھی ذلیل و رسوا کرنے کا سامان کر دیتا ہے۔ شہادت کے انعام جنت اور جنت کی حوروں کے حسن و جمال کی تبلیغ بھی ایک کامیاب ہتھیار بن گیا ہے۔

یہ وہم سا ہوتا ہے مجھے دیکھ کے ان کو
سیرت کا خدا اور ہے صورت کا خدا اور

معزز قارئین! علماءِ سُو آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کا ذکر تو کرتے ہیں مگر خود عمل نہیں کرتے۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو جبکہ تم کتاب بھی پڑھتے ہو، آخر تم عقل کیوں نہیں کرتے ہو؟ (سورۃ البقرۃ آیت ۴۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ۔

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم کیوں وہ کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ (سورۃ الصّف آیت ۳)

كَبُرَ مَقْتاً عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ۔

اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ تم وہ کہو جو تم کرتے نہیں۔ (سورۃ الصّف آیت ۴)

افضل الکتاب قرآن مجید مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کی تھی۔ قرآنی تعلیمات کی مکمل تفسیر آنجناب ؐ کی ذات اقدس تھی۔ آپ ﷺ کی سیرت کا بغور مطالعہ کر کے اور اسے اپنی زندگیوں پر نافذ کر کے نا صرف روحانی ترقی کے بلکہ دنیاوی ترقیات کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں۔ نام نہاد مذہبی ٹھیکیدار لہک لہک کر اور جذباتی انداز میں قرآن کریم اور سیرت حضرت محمد ﷺ سناتے ہیں مگر ان کا اپنا عمل شیطان کی یاد دلاتا ہے۔ اگر ہم اس اہم معاملے کے ثبوت کے طور پر پاکستان میں جاری قتل و غارت کو دیکھیں تو یہی دکھائی دیتا ہے کہ مذہب اور جذبہ حب الوطنی کے زیر اثر صرف عام لوگ ہی ہیں۔ مذہب کے لیے اور وطن کے لیے جان قربان کرنے کی تبلیغ کرنے والے تھوبڑے زندگی کے بھرپور مزے لینے کے باعث دمک رہے ہیں۔ کسی نام نہاد پاکباز کا بچہ مدرسہ میں مذہبی اور عسکری تربیت لینا گوارا نہیں کرتا، اس کے برعکس ان کے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور خوشحالی کی زندگی گزارتے ہیں۔ افواج پاکستان میں بھی یہ لوگ اپنے بچے نہیں بھیجتے۔ امریکہ اور یورپ کو دشمن کہہ کر عوام کو ان کے خلاف لڑ مرنے کی تبلیغ کرتے ہیں اور اپنے بچوں کو انہیں ممالک میں پڑھنے کے لیے بھیجتے ہیں اور انہیں وہیں مستقل سکونت اختیار کرنے کی صلاح دیتے ہیں۔ مادر وطن پر جان نثار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ شہید قرار دیتا ہے۔ ہمارے وطن میں اس اعلیٰ مقام کا لالچ دے کر عام لوگوں کو اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس کھیل میں جنرل، سیاستدان اور مذہبی راہنما اہم کھلاڑی ہیں۔

پاکستانی جنرل، سیاستدان اور مذہبی راہنما گزشتہ دہائی سے اب تک ایک لاکھ سے زائد فوجیوں اور

شہریوں کو مذہب اور حب الوطنی کے نام پر قربان کر کے ان کے گلے میں شہید کا میڈل اور پسماندگان کے ہاتھوں میں کشکول تھما چکے ہیں۔شہید جیسا اعلیٰ مقام بھی پاکستانیوں نے مذاق بنا ڈالا ہے۔دہشت گردوں کے ہاتھوں مرنے والے فوجی بھی شہید،فوج کے ہاتھوں مرنے والے دہشت گرد بھی شہید،لطف کی بات یہ ہے کہ فوج کے ہاتھوں مرنے والے کتے بھی شہید، پھانسی لگنے والے بھٹو بھی شہید اور جل کر خاک ہونے والے آمر بھی شہید،ممتاز قادری جیسے بدنام قاتل بھی شہید اور دوران فساد مرنے والے بلوائی بھی شہید کہلاتے ہیں۔سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے کرداروں کے خلاف دوران احتجاج مرنے والے بھی شہید ہی کہلاتے ہیں۔احراری شہید، دیوبندی شہید، بریلوی شہید،ختم نبوت تحریک،عوامی تحریک، لبیک تحریک اور دیگر تحریکات کے شہیدوں کی بھی ایک لمبی فہرست موجود ہے۔اتنی بڑی تعداد میں شہیدوں کی موجودگی کے باوجود قوم کی بد حالی اور اخلاقی پستی ثابت کرتی ہے کہ مذہبی لیڈروں ،سیاستدانوں اور فوجی جرنیلوں نے مذہب کی آڑ میں عوام کے جذبہ حب الوطنی سے فائدہ اٹھا کر عوام سے غداری کی ہے۔وہ قوم جو ماضی کے سچے جھوٹے سحر میں گرفتار ہو کر اچھے مستقبل کے صرف خواب دیکھتی ہے اس کا حال جہالت اور غربت میں غرق ہو کر جہنم بن جاتا ہے۔آج کا مسلمان بھی شاندار ماضی کے گن گاتا ہے،حال کے طاقت وروں اور جدید علوم کو گالیاں دیتا ہے اور یہ امید بھی رکھتا ہے کہ مستقبل میں آنے والا مسیح کافروں کو ہلاک کر دے گا اور اتنے خزانے بانٹے گا کہ آخر اس خزانہ کو لینے والا نہ ملے گا۔عصر حاضر کے ایسی ہی ظالمانہ سوچ رکھنے والے انسانوں کے متعلق شاید قومی ترانہ کے خالق حفیظ جالندھری نے کہا ہے

جس نے اس دَور کے انسان کیے ہیں پیدا
وہی میرا بھی خدا ہو مجھے منظور نہیں

کم وبیش ایک سوپینتیس برس قبل مولانا الطاف حسین حالی نے ایک مسدس میں مسلمانوں کی حالت زار کا نقشہ کچھ یوں کھینچا تھا

نہ ثروت رہی ان کی قائم نہ عزت
گئے چھوڑ ساتھ ان کا اقبال اور دولت
ہوئے علم وفن ان سے ایک ایک رخصت
مٹی خوبیاں ساری نوبت بہ نوبت
رہا دین باقی نہ اسلام باقی
اک اسلام کا رہ گیا نام باقی
تنزّل نے کی ہے بُری گت ہماری
بہت دور پہنچی ہے نکبت ہماری
گئی گزری دنیا سے عزت ہماری
نہیں کچھ اُبھرنے کی صورت ہماری
پڑے ہیں اک اُمید کے ہم سہارے
توقع پہ جنّت کے جیتے ہیں سارے

مسلمانوں نے اس حقائق نامہ کو پڑھ کر اپنی اصلاح کی طرف توجہ دینے کی بجائے اس مسدس کو بھی گا گا کر اور رو رو کر پیٹ بھرائی کا ذریعہ بنالیا، اور مولانا حالی کو کسی نے کافر کہا اور کسی نے مولانا کی تعریف و ستائش میں زمین وآسمان کے قلابے ملادیے۔ جو کرنے کا کام تھا اس کی طرف آج تک توجہ نہیں دی گئی۔ جب اقبال نے کہا ''مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا'' مسلمانوں نے انہیں شاعر مشرق بنادیا اور عمل الٹا کرنے لگے۔ دیکھ لیجیے آج اقبال کے اشعار کے مبلغ پاکستان کے گلی کوچوں میں حشرات کی طرح پھیلے ہوئے ہیں اور مسلمان اخلاقی گراوٹ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتے ہی چلے جارہے ہیں۔ حکمرانوں، جرنیلوں اور نام نہاد مولویوں کے سامنے عوام کی حالت میت سے بھی بدتر ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام نامی میت خراب ہوگئی ہے جس کی وجہ سے غسال بھی اس میت سے کنی کتراتے ہیں۔ ورنہ میت کا یہ حق ہوتا ہے کہ اسکی تدفین کم ازکم احسن طریق پر ہو۔ مولوی، جرنیل اور سیاستدان ان میتوں کو مذہب اور حب الوطنی کے نام پر گڑھوں میں پھینک رہے ہیں۔

خُدا پرست کے تیور ہی اَور ہوتے ہیں
خطا معاف، وہ جوہر ہی اَور ہوتے ہیں

کوئی مصیبت پیش ہوتی تو نبی کریم ﷺ یہ دعا کرتے: ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی عظمت والا اور بردبار ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عظیم عرش کا رب ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ آسمان اور زمین کا رب ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عرش کریم کا رب ہے'' (مسند احمد بن حنبل)

برصغیر پاک و ہند میں فرقہ واریت کا آغاز، غدر اور مذہبی تحاریک

عصر حاضر میں دوسرے اسلامی ممالک میں ہونے والی اقلیتوں سے زیادتی وظلم کا سرا بھی کسی نہ کسی رنگ میں پاکستان سے جڑا ہوا ہے۔ جیسے بین الاقوامی سطح پر پاکستان کو دہشت گردوں کی جنت کہا جاتا ہے اسی طرح نام نہاد مذہبی جنونیوں کے لیے بھی پاکستان جنت بن چکا ہے اور ان کا شکار مظلوم اقلیتیں ہی نہیں ہیں بلکہ اقلیتی فرقوں اور عام مسلمانوں کی گردنیں بھی ان کے شکنجے میں ہیں۔ سب سے پہلے برصغیر پاک و ہند میں مذہبی جنونیت کے آغاز کے متعلق کچھ گزارشات پیش خدمت ہیں۔

اکبراعظم کے زمانہ میں جس رواداری اور بھائی چارے کا طوطی بولتا تھا، بعد ازاں عالمگیر کے زمانے میں اسے فتاویٰ عالمگیری نے گہری چوٹ پہنچائی۔ اکبراعظم ہر مذہب کے عالم کی عزت کرتا تھا، مسلمان علماء نے اسے اس حد تک مایوس کیا کہ وہ ان سے متنفر ہو گیا اور ان سے پیچھا چھڑانے کے لیے سرگرم ہو گیا۔ مغل بادشاہ کو ۱۵۷۹ء میں متھرا کے قاضی نے یہ شکایت کی کہ ایک برہمن نے مسجد کے تعمیری مواد میں سے کچھ اٹھالیا، واپسی کے مطالبے پر برہمن نے توہین رسالت بھی کر دی۔ سزا کے معاملے پر مولویوں میں اختلاف ہو گیا، کچھ قتل کرنا چاہتے تھے اور کچھ کوڑے لگانا چاہتے تھے اور اکبر بادشاہ اس کی زندگی بچانا چاہتا تھا۔ مگر بادشاہ کے فیصلے سے پہلے شیخ عبدالنبی نے اسے قتل کروا دیا۔ اکبر نے تمام علماء سے عبادت خانہ میں برہمن کے قتل پر رائے لی تو علماء کی اکثریت نے شیخ عبدالنبی کے خلاف فیصلہ دیا۔ اس پر بادشاہ اکبر نے آخری فیصلہ کیا جس کے نتیجے میں مولویوں کے فیصلوں کا دروازہ بند ہو گیا۔ فیصلہ مختصراً تھا۔ اس فیصلے پر عمل کرتے ہوئے یہ کیا گیا کہ 1۔ ایسے تمام مولوی جنہوں نے اکبر کو کافر قرار دیا، عوام کو بغاوت پر اکسایا، انہیں قتل کر دیا گیا۔ مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کو حج پر واپس نہ آنے کی ہدایت پر بھیج دیا۔ (بعد میں بلا اجازت وطن واپس آنے پر ان دونوں کو قتل کر دیا گیا تھا)۔ 2۔ پنجاب کے علماء کو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بھیج کر ان کی طاقت کو توڑ دیا گیا۔ 3۔ اکبر نے ان علماء کو جن کا وطیرہ بلا تفریق مذہب و ملت انصاف تھا اور فتنہ و فساد اور بغاوت شیوا نہیں تھا

ملازمت اور مالی امداد دی۔ 4۔سلطنت کے اہم معاملات مذہبی علماء کی بجائے حکیم ابوالفتح ،حکیم حمام ،حکیم علی ،حکیم عین الملک اور فیضی جیسے دانشوروں کے سپرد کر دیے۔اوران لبرل دانشوروں کی نگرانی میں علماء کو دے دیا۔علماء کے زوال کے ساتھ ہی اکبر کے عقائد کے بارے میں علماء کی طرف سے پھیلائی گئی باتیں بھی آہستہ آہستہ ختم ہوگئیں۔اور اکبر کے بعد دو جانشین جہانگیر اور شاہ جہاں ان مولویوں کے اثر سے آزاد رہے۔

برصغیر پاک و ہند میں فرقہ واریت کے باقاعدہ آغاز کا ثبوت اورنگ زیب عالمگیر کے دور حکومت میں مرتب کیے جانے والے فتووں کی کتاب فتاویٰ عالمگیری میں ملتا ہے،جس میں شیعہ، زیدیہ اور دیگر فرقوں کے عقائد کو کفر قرار دیا ہے اور ان سے مرتدوں جیسا سلوک کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔شیعوں کے متعلق لکھا ہے کہ ''روافض کو کافر لکھنا واجب ہے ان کے اس قول پر کہ مردے لوٹ کر دنیا میں آئیں گے اور ارواح میں تناسخ ہوتا ہے یعنی اواگون ہوتا ہے اور اسد کی روح اماموں میں منتقل ہوئی اور اس قول پر کہ آئمہ اطہار میں سے ایک امام پوشیدہ ہوگئے ہیں وہ آخر میں نکلیں گے۔'' ایک دوسرے فتوے میں ہے کہ ''جس نے امانت ابوکر صدیق سے انکار کیا، وہ کافر ہے۔اور اسی طرح جس نے خلافت عمرؓ سے انکار کیا وہ بھی اصح قول کے موافق کافر ہے۔اور جو لوگ حضرت عثمان وحضرت علی وطلحہ وزبیر و عائشہؓ کی تکفیر کرتے ہیں ان کی تکفیر کرنا واجب ہے۔'' زیدیہ کے متعلق فتویٰ ہے کہ ''سب زیدیوں کو کافر کہنا واجب ہے ان کے اس اعتقاد پر کہ عجم میں سے ایک نبی کے ظاہر ہونے کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے اس ناپاک اعتقاد کے موافق وہ ہمارے حضرت رسول اللہ خاتم النبیین محمدﷺ کے دین پاک کو منسوخ کرے گا۔'' اس کتاب میں ایک یہ بھی فتویٰ ہے کہ ''اگر ایک نے دوسرے سے کہا کہ رسول اللہﷺ اس چیز کو پسند کرتے تھے مثلاً کہا کہ کدّو (لوکی) دراز کو پسند فرماتے تھے، پس اس دوسرے نے کہا کہ مَیں اس کو پسند نہیں کرتا ہوں ،تو یہ کفر ہے''۔(فتاویٰ عالمگیری جلد ۳ صفحہ ۴۴۹) ایک اور فتویٰ ہے کہ ایک شخص سے کہا گیا کہ ''بہت مت ہنس، یا بہت مت سو یا بہت مت کھا، پس اس نے کہا کہ اتنا کھاؤں گا اور اتنا سوؤں گا اور اتنا ہنسوں گا جتنا میرا جی چاہے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔''

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغل سلطنت کے زوال کا باقائدہ آغاز ہوگیا۔ایک کے بعد ایک نالائق بادشاہ آتا چلا گیا اور رعایا نہایت ابتر صورت حال کا سامنا کرتے ہوئے کسی نجات کنندہ کی راہ دیکھتی ہوئی آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے دور تک پہنچی ۔جوں جوں مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہوتا چلا گیا توں توں مذہبی تحریکات

برطانوی سامراج سے مقابلہ کے لیے پیدا ہوتی چلی گئیں۔بھوک کے ستائے لوگ مذہبی لیڈروں کے دکھائے سبز باغوں کے جھانسے میں آکر زندہ باد مردہ باد کہتے ہوئے مرتے رہے۔اور مذہبی لیڈر اپنی اور اپنے فرقہ کی شہرت و دولت میں اضافہ کرتے رہے۔بنگال میں شروع ہونے والی ایسی ہی ایک وہابی تحریک کا نام فرائضی تحریک تھا۔اس تحریک کی بنیاد ۱۸۰۴ء میں شریعتہ اللہ فرید پوری نے رکھی تھی۔شروع میں اس تحریک کا زور مذہبی فرائض پر تھا۔مگر دیکھتے دیکھتے سامراج دشمن تحریک بن گئی۔اسے کسانوں کو حقوق دلانے کے نام پر متحد کیا گیا تھا۔بانی تحریک کی وفات کے بعد ان کے بیٹے دودو میاں نے اس تحریک کو کئی مزید رنگوں سے رنگین کیا۔ان رنگوں میں کسانوں کے لہو کا رنگ بھی شامل تھا۔اسی ہزار کسان اس تحریک میں شامل ہو گئے تھے۔اس تحریک کے مسلح کسانوں نے نا صرف ۴۱ء،۴۴ء اور ۱۸۴۶ء میں بغاوت کی بلکہ جاگیرداروں کے گھر بار پر حملے کر کے جانی و مالی نقصان پہنچایا۔دودو میاں نے یہ نعرہ بھی لگایا تھا کہ خدا کی زمین پر ٹیکس لگانے کا کسی کو حق نہیں۔دودو میاں نے تو دیہاتوں میں اپنی عدالتیں بھی قائم کر رکھی تھیں۔اگر کوئی شخص برطانوی عدالت میں چلا جاتا تو اس کا سخت قسم کا سماجی بائیکاٹ کیا جاتا تھا۔

شمالی ہندوستان میں بھی وہابی تحریک بھی شروع میں دکھانے کو ایک مذہبی تحریک تھی مگر حقیقت میں برطانوی سامراج کے خلاف تھی۔انیسویں صدی عیسوی میں وہابی علماء نے برطانوی سامراج کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔کہا جاتا ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی نے انگریزوں کے خلاف کئی علماء سے فتوے حاصل کر کے ایک سو فتاویٰ پر مشتمل مجموعہ نصرت الاحرار کے نام سے شائع کروایا۔متحدہ فتویٰ کی رو سے برطانیہ کے زیر حکومت ہندوستان دارالحرب قرار دیا گیا تھا۔شاہ عبدالعزیز نے ان علماء سے بھی پہلے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے دیا ہوا تھا۔لطف کی بات یہ ہے کہ بہت سے علماء نے اس فتوے کے برخلاف بھی فتویٰ جات دے رکھے تھے۔غدر کے بعد وہابی علماء نے دہلی کی نیم حکمرانی حاصل کر کے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے گائے ذبح کرنے پر پابندی عائد کر دی تھی۔خلافت کی تحریک پر ہزاروں لوگوں نے ہجرت کر کے اپنا جانی اور مالی نقصان کیا۔کچھ لوگ افغانستان سے ہوتے ہوئے روس بھی پہنچے اور ہندوستان واپسی پر اپنے ساتھ روسی انقلاب کا شوشہ بھی لے آئے۔مولا عبیداللہ سندھی نے تو اپنے مضامین میں سوشلسٹ اقدار اور اسلامی اقدار کو ایک دوسرے کے بہت قریب قرار دیتے رہے۔مولانا حسرت موہانی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ Soviet دراصل عربی لفظ سَوِّیَت سے نکلا ہے جس کے معنی برابری کے ہیں۔اور یوں حسرت موہانی کیمونزم کا رشتہ

اسلام سے جوڑ دیتے ہیں۔

خدائی فوجدار، خاکسار، احرار، جمیعتہ علمائے ہند، جماعت اسلامی اور مومن برادری وغیرہ بہت سے تحریکیں اسلام کے نام پر بے بس، بھوکے ننگے لوگوں کو بیوقوف بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرتی رہیں ہیں۔ ہمیں تو سمجھ نہیں آتی کہ یہ علماء انگریزوں کے خلاف تھے، انگریزی کے خلاف تھے، کالج کے خلاف تھے، سائنسی ایجادات کے خلاف تھے، مسلم لیگ کے خلاف تھے، قائداعظم کے خلاف تھے، پاکستان کے بھی خلاف تھے تو تھے کس کے حق میں؟ ہم اگر یہ کہہ دیں کہ یہ مولانا حضرات دراصل کسی کے خلاف نہ تھے بلکہ اسلام کے خلاف تھے، بے جا نہ ہوگا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی جسے انگریزوں نے غدر یعنی بغاوت کا نام دیا تھا سے پہلے مولویوں کے پاس سوائے نمازیں پڑھانے، جنازہ پڑھانے، مکتب میں اسلامیات پڑھانے اور دوسرے مذہبی امور سرانجام دینے کے علاوہ کوئی سیاسی حیثیت نہ تھی۔ جونہی انہیں جنگ آزادی کی بدولت سیاست میں آنے کا موقع ملا تو یہ مذہبی لوگ جو مذہب اور فتویٰ جیسے ہتھیاروں سے مسلح تو تھے ہی آتشیں اسلحہ سے بھی مسلح ہو کر، سیاسی میدان میں کود پڑے۔ دو قسم کے علماء تھے، ایک وہ تھے جنہوں نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر سیاسی مفادات حاصل کیے اور دوسرے وہ علماء تھے جو پہلی قسم کے علماء کو بد مذہب اور کافر کہتے تھے اور بدلے میں یہی کچھ خود بھی ان سے سنتے تھے۔ اگر دو لفظوں میں ان دو قسم کے علماء کا تعارف کروایا جائے تو وہ اس طرح ہوگا، بریلوی اور دیوبندی۔

ناکام جنگ آزادی کے دوران دیوبندی مولوی حضرات نے نا صرف عوام الناس کو جہاد کی برکات اور اس کے اجر کے متعلق جذباتی تقاریر کر کے خوب گرم کر کے برطانوی سامراج کی گولیوں کا سامنا کرنے کے لیے آمادہ کیا تھا بلکہ ان غریبوں سے چندہ بھی لیتے رہے۔ اس جنگ آزادی کے لیے متعدد مولویوں نے برطانوی سامراج کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا ان علماء میں سے چند اہم نام یہ تھے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی صدر الدین خان آزردہ، سید کفایت علی کافی۔ علماء نے دہلی کی جامع مسجد سے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کیا تھا۔ بعد میں اسی جامع مسجد کے سامنے باغیوں کو پھانسی دی گئی۔ جب انگریزی حکومت نے باغیوں کو پکڑنے اور انہیں سزا دینے کی کاروائی کا آغاز کیا تو دیوبندی مولوی جھوٹ بول کر اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہو گئے۔

جہاد کا فتویٰ دینے والے دیوبندی مولوی جہاد کے نام پر ہزاروں غریب لوگوں کو مروا کر اور جیلوں میں ڈلوا

کر خود قانون کے شکنجے سے بچنے کے لیے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ مولانا حسین مدنی اپنی کتاب نقش حیات میں ان جنگ آزادی کے پروانوں کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، بالآخر گرفتار ہوئے اور گنگوہ سے سہارن پور اور وہاں سے مظفر نگر لائے گئے۔ آپ پر علاوہ شرکت جہادِ شاملی یہ بھی الزام تھا کہ سپاہیوں کی رائفل ان کے پاس ہے۔ آپ نے دونوں (الزامات) سے بالفاظ توریہ انکار کر دیا۔ حاکم نے پوچھا کہ تم نے خلاف گورنمنٹ ہتھیار اٹھایا، آپ نے جیب سے فوراً تسبیح نکالی اور فرمایا کہ یہ میرا ہتھیار ہے۔''

جن الزامات سے گنگوہی صاحب نے انکار کیا وہ بالکل سچ تھے، گنگوہی صاحب نے گوروں کی رائفلیں ہی نہیں بلکہ علاقہ شاملی میں توپخانہ بھی قبضہ میں لیا تھا۔ اور جہاد کے فتویٰ کے بعد انہیں اسلامی فوج میں قاضی کا عہدہ بھی دیا گیا تھا اور ۴۰ نوجوان ان کے ماتحت کیے گئے تھے۔ توریہ کر کے جان بچانا جہاد جیسے اہم فریضہ سے غداری کرنا قرار دیا جا سکتا ہے۔ توریہ سے مراد ایسی بات کرنا ہے جس کے دو مطلب ہوں یعنی مخاطب اس کا کچھ اور مطلب سمجھے اور بات کرنے والا دوسرا مطلب مراد لے تاکہ جھوٹ بھی نہ ہو اور جان بھی بچ جائے۔ مولانا قاسم نانوتوی نے بھی کچھ اس طرح جان بچانے کے لیے توریہ کیا تھا کہ جب برطانوی فوج کے سپاہی انہیں پکڑنے کے لیے اس مسجد کے دروازے پر پہنچے جس میں آپ موجود تھے، آپ جہاں کھڑے تھے وہاں سے ہٹ گئے، جب ان سے پوچھا گیا مولانا کہاں ہیں؟ پہلی جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہا: ابھی تو یہاں تھے۔

زیب داستاں کے لیے دیوبندی علماء نے انہیں بھی باغی گروہ میں شامل کر لیا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی نے دفاعی جنگ پر فتویٰ دیا تھا نہ کہ جارحانہ جنگ کے لیے، مولانا قاسم نانوتویؒ کی وفات کے چالیس برس بعد ۱۹۲۰ء کے بعد چھپنے والی کتابوں میں مولانا قاسم نانوتوی سے غلط باتیں منسوب کی گئی ہیں۔

بہر حال دیوبندی علماء جھوٹ بول کر انگریزوں کی سزا سے بچ گئے۔ چند علماء گرفتار بھی ہوئے اور جلا وطن بھی کیے گئے۔ جنگ وجدل نے مولویوں کے لیے ہندوستانی سیاست میں داخل ہونے کی راہ ہموار کر دی۔ علماء کے مذہب کے ساتھ ساتھ سیاسی سرگرمیوں کے نتیجے میں خیر کا پہلو کم اور شر کا بہت زیادہ تھا۔ علماء نے برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے کے نام پر فرقہ پرستی کو نا صرف فروغ دیا بلکہ مختلف تحاریک برپا کر کے مسلمانوں کو مزید پھاڑا اور

انگریزوں اور ہندوؤں سے شدید نفرت پر انہیں مائل کیا۔ مثال کے طور پر مولانا احمد رضا خان بریلوی نا صرف دیگر مسلمان فرقوں کو کافر اور قابل نفرت سمجھتے تھے بلکہ غیر مسلموں سے بھی شدید نفرت کرتے تھے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:۔

''ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اللہ کے سب دوستوں سے محبت رکھے اور اس کے سب دشمنوں سے عداوت رکھے، یہ ہمارا عین ایمان ہے۔۔۔۔ایک مرتبہ ایک برہمن نے جبکہ میں شدید پیٹ درد میں مبتلا تھا میرے پیٹ پر درد کا مقام معلوم کرنے کے لیے ہاتھ رکھ دیا۔ مجھے اس کا نجس ہاتھ لگنے سے اتنی نفرت اور کراہت پیدا ہوئی کہ درد کو بھول گیا، یہ تکلیف اس سے بڑھ کر معلوم ہوئی کہ ایک کافر کا ہاتھ میرے پیٹ پر ہے۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت از مفتی ہند مصطفیٰ رضا خان قادری جلد۲ صفحہ ۱۴۶)

مولانا احمد رضا خان بریلوی انگریزوں بالخصوص ملکہ برطانیہ سے بھی شدید نفرت کرتے تھے۔ چنانچہ رسالہ معارف رضا میں لکھا ہے:۔

''(انگریزی دور میں) پوسٹ کارڈ میں جہاں پتہ لکھا جاتا تھا، وہاں اُس کے اوپر اُس وقت کے انگریز لارڈ یا ملکہ کی تصویر کا عکس ہوتا تھا۔ امام احمد رضا خان کسی کو پوسٹ کارڈ کے ذریعے خط لکھتے یا فتویٰ بھیجتے تو مستفتی کا پتہ کارڈ کو اُلٹا کر کے لکھتے تھے یعنی جب پتہ پڑھنے کے لیے کوئی شخص کارڈ کو ہاتھ میں لیتا تو کارڈ میں موجود ملکہ یا لارڈ کی تصویر اُلٹی رہتی یعنی اس کا سَر نیچے کر دیتا۔ اس عمل کے باوجود کوئی انگریز ان کو اپنی عدالت میں نہ بُلا سکا اور نہ الزام لگا سکا کہ امام احمد رضا بادشاہوں اور ملکہ کی بے عزتی کر رہا ہے۔'' (اعلیٰ حضرت بادشاہ وقت اور ملکہ کی بے عزتی کے مرتکب ہوئے اور پکڑ میں بھی نہ آئے گویا معجزہ ہو گیا)　(ماہنامہ معارف رضا کراچی جنوری ۲۰۱۱ء)

تقسیم پاکستان سے قبل بریلوی اور دیوبندی کہلانے والے سنّی باہم دست و گریباں تھے اور غیر مسلموں سے ہی نہیں بلکہ مسلمان گروہوں سے بھی سخت الرجک تھے۔ دیوبندی عالم حسین احمد مدنی تو کہتے تھے کہ انگریزوں نے ہندوستانیوں کے اخلاق تباہ و برباد کر دیے اور علم کے چراغ بجھا کر جہالت کو فروغ دیا۔ بریلویوں نے دیوبندیوں کی طرح مسلح جدوجہد تو نہ کی مگر اپنے منافقانہ کردار سے انگریزوں کی تعریف و توصیف بھی کرتے رہے اور انہیں برا بھی کہتے رہے۔

بریلویوں اور دیوبندیوں اور ان دونوں فرقوں کی ذیلی ٹکڑیوں کا احوال اور ان کے فتاویٰ کا ذکر

چھوڑتے ہوئے چند تحاریک کا مختصر جائزہ پیش ہے۔ یہ سب تحاریک انگریزوں سے آزادی اور مسلمانوں کو حقوق دلوانے کے لیے انفرادی طور پر برپا کی گئیں تھیں، ان کا وجود جس جوش وخروش سے بنایا گیا تھا، وہ جذبہ اور جوش وخروش لمبا عرصہ تک قائم نہ رہ سکا اور ان تحاریک کا خاتمہ اعلیٰ مقاصد کے حصول کے بغیر ہی ختم ہو گیا۔ سوائے بے چینی اور انتشار کے کچھ حاصل نہ ہوا۔

تحریک ولی الٰھی: یہ ایک علمی اور اصلاحی تحریک تھی جس کے بانی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تھے۔ آپ ۱۷۰۳ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے تیار ہونے والی فقہ کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین میں بھی شامل تھے۔ آپ نے ابتدائی علوم اپنے والد اور دہلی کے مشہور اساتذہ سے سیکھے۔ تیس سال کی عمر میں حج کیا۔ حج کے بعد حرمین شریف کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور حدیث میں خاص مہارت پیدا کی۔ واپس آکر مدرسہ رحیمیہ میں پڑھانا شروع کر دیا۔ اسی دوران امام مئوطا کی دو شرحیں مصفی اور تنویر الحوالک کے نام سے لکھیں۔ آپ کی سب سے مشہور کتاب حجۃ البلاغہ ہے۔ اِسی کتاب کی بنیاد پر آپ نے اصلاحی تحریک کی بنیاد رکھی اور مسلم معاشرہ کے دُکھوں کا مداوا کرنے کی کوشش کی اور مثالی معاشرہ کے قیام کے حصول کی خاطر آپ نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذرائع کو استعمال کیا۔ نامعلوم مدت سے مسلمان قرآن کریم کا ترجمہ جائز نہیں سمجھتے تھے، عوام صرف تلاوت کی حد تک قرآنی برکات سے واقف تھے، اس لیے چند علماء ہی قرآن کو سمجھ سکتے تھے آپ نے دوسری زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کا آغاز کیا۔ جب آپ نے فارسی میں قرآن کا ترجمہ شروع کیا علماء نے سخت مخالفت کی، علماء کے اشتعال دلانے پر لوگوں نے آپ کے مدرسے پر پتھراؤ بھی کیا۔ آپ کے لائق بیٹوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے اردو زبان میں قرآن کے تراجم کیے۔ آپ سے پہلے علماء فقہی مسائل میں اُلجھے رہتے تھے آپ کی وجہ سے ہندوستان میں حدیث کو فروغ حاصل ہوا۔ آپ کے مبارک خاندان کے پرودہ علماء آپ کے بیٹے شاہ رفیع الدین، عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز کے علاوہ حضرت شاہ اسحاق، مولانا مملوک علی، مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہیں۔ برصغیر کے تمام سُنّی مسالک کیا بریلوی کیا دیوبندی، کیا سلفی اور وہابی سب حضرت شاہ ولی اللہ اور آپ کے خانوادہ سے مذہبی اور دینی عقیدت رکھتے ہیں۔ آپ کے پوتے شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد بریلوی نے

تحریک کو نیا رنگ دیا دونوں نے سکھوں کے مسلمانوں پر تسلط کے خلاف اعلان جنگ کیا مگر شکست ہوئی دونوں بزرگ اس جنگ میں شہید ہوگئے۔ بہرحال یہ تحریک دونوں کی شہادت کے ساتھ ہی دم توڑ گئی۔

نیچرل تحریک: سرسید احمد خان نے ۱۸۱۷ء میں اس تحریک کی بنیاد رکھی۔ اس تحریک کے نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کا ایک طبقہ نئے علوم اور مغربی انداز بود و باش، اصول حکمرانی اور نئے سیاسی انداز سے روشناس ہوا۔ یہ تحریک نہ عالمگیر تھی نہ ہمہ پہلو۔ اس تحریک کا مذہبی پہلو نہ ہونے کے برابر تھا۔ ان کی بھی قدامت پسند علماء نے مخالفت کی۔ سرسید احمد خان کے دینی نظریات کے بارے میں الطاف حسین حالی فرماتے ہیں۔ ''بائیبل میں تحریف لفظی کا دعویٰ درست نہیں ہاں تحریف معنوی ممکن ہے۔ جو مسائل قرآن و سُنّت میں بالتصریح مذکور نہیں ان میں ہر سمجھدار اجتہاد کرسکتا ہے۔ جبر و قدر اور تقدیر خیر و شر کا عقیدہ جز و ایمان نہیں۔ قرآن کریم میں آنخضرت ﷺ کے کسی معجزہ کا ذکر نہیں۔ اسی طرح جن انبیاء کے جن معجزوں کا ذکر ہے وہ بھی دراصل استعارے ہیں۔ قرآن کریم کا اعجاز معنوی ہے لفظی نہیں۔ معجزہ کا تصور غلط ہے اور معجزہ کو دلیل نبوّت قرار دینا بھی بے اصل ہے۔ ملائکہ مختلف فطری قوتوں کے نام ہیں۔ شیطان اور ابلیس سے مراد نفس امارہ ہے۔ آدم اور ابلیس کا قصہ تمثیل ہے اس کی کوئی واقعی تاریخی حیثیت نہیں۔ قرآن میں مذکور جنّوں سے مراد گرانڈیل پہاڑی وحشی اقوام ہیں۔ وحی نبی کے قلبی واردات کا نام ہے باہر سے کوئی چیز نازل نہیں ہوتی۔ صفات باری، صور کا پھونکا جانا، حشر ونشر، حساب و کتاب، میزان و صراط، جنّت و دوزخ سب استعارے اور تمثیل ہیں۔ رویت باری نہ اس دُنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں۔ معراج اور شق صدر کے واقعات دراصل خواب تھے بیداری کی حالت کا کوئی واقع نہ تھا۔ مختلف جنگوں میں فرشتوں کے نزول کا جو ذکر قرآن مجید میں ہے یہ دراصل غیر معمولی نصرت الٰہی کے نزول سے استعارہ ہے۔ شہداء کی زندگی سے مراد دُنیا میں نیک اور قابل تقلید مثال چھوڑ جانا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ پیدا ہونے کا عقیدہ درست نہیں۔ حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کے وقت ان کی والدہ کی عمر یاس کی حد سے متجاوز نہ تھی ان کی عمر ایسی ہی تھی جس میں عورتیں بالعموم بچّہ جننے کے قابل ہوتی ہیں۔ دُعا صرف عبادت ہے۔ حصول مقاصد کے لیے اس کی تاثیر غیر مسلّم ہے اصل چیز صرف صحیح تدبیر ہے۔ چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹ دینا ضروری نہیں۔ انسان جس کے حق میں چاہے جتنی چاہے وصیت کرسکتا ہے۔ روزہ کی بجائے فدیہ ایک عمومی سہولت ہے۔ موجودہ بینکنگ کی طرز پر لین دین ربا نہیں۔ سود وہی منع ہے جس کا رواج زمانہ جاہلیت میں تھا۔

قرآن کریم کا کوئی حکم منسوخ نہیں۔تقلید ذہنی جمود اور عقلی تعطل کا نام ہے اس لیے اسے واجب قرار دینا غلط ہے۔قرآن حکیم کے احکام کی دو قسمیں ہیں۔اصلی احکام اور محافظ احکام۔نصاریٰ کا ذبیحہ حلال ہے اس طرح اگر وہ پرندہ کو گلا گھونٹ کر ماردیں تو اس کا کھانا بھی جائز ہے۔جو غیر مسلم مسلمانوں سے زیادتی نہیں کرتے ان کے جان و مال کے دُشمن نہیں اور نہ ان کو ان کے وطن سے نکالتے ہیں ان سے موالات اور تعلقات استوار کرنے کی اجازت ہے۔صرف انہی کفّار سے تعلقات رکھنے کی ممانعت ہے جو ظلم کی راہ اختیار کرتے ہیں اور مسلمانوں سے برسر پیکار ہیں۔ہر قائم اور قانون کی پابند حکومت کی اطاعت ضروری ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب سے زندہ اتار لیے گئے تھے اور وہ طبعی موت مرے، زندہ آسمان پر نہیں گئے اور نہ دوبارہ اس دُنیا میں آئیں گے۔مسیح کے نزول کا عقیدہ غلط ہے۔‘‘

(حیات جاوید صفحہ ۵۲۴ تا ۵۲۶ از الطاف حسین حالی ناشر نیشنل بک ہاؤس ایبک روڈ لاہور)

تحریک دیوبند: اس تحریک کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تھے جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔نانوتوی صاحب ۱۸۳۲ء کو پیدا ہوئے اور ۱۸۸۰ء میں فوت ہوئے۔آپ کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہی مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اور مفتی بنے۔انہیں خاتم الاولیاء والمحدثین اور بانیء اسلام کا ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ان کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمود الحسن، مولوی بشیر احمد عثمانی شیخ الاسلام، مفتی کفایت اللہ اور مولوی سید حسین احمد مدنی وغیرہ نے دیوبندی مسلک کی خوب تبلیغ کی۔شروع شروع میں دیوبند سے اُٹھنے والی اس تحریک نے اچھے کام بھی کیے مگر اکابرین کے دُنیا سے گزر جانے کے بعد اس تحریک کے کئی ٹکڑے ہو گئے جس کی وجہ سے دیوبند بھی مزید مذہبی انتشار کا سبب ہی بنی۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تحریک: علی گڑھ اور دیوبند کی تحریکات سے متاثر ہو کر اسی زمانہ میں ایک اور ادارہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نام سے وجود میں آیا جس کے بانی مولانا شبلی نعمانی تھے۔اس ادارہ کا دعویٰ تھا کہ اس کے ذریعہ قدیم وجدید دونوں اہلیتوں کے حامل علماء پیدا کیے جائیں گے تاکہ مغربی تہذیب کے طوفان کا علاج کیا جا سکے۔مگر یہ ادارہ مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں ناکام رہا۔

تحریک اتحاد عالم اسلامی: پان اسلام ازم یا اتحاد عالم اسلامی کے رُوحِ رواں سید جمال الدین افغانی، مصر کے مفتی عبدہ اور ترکی کے حلیم پاشا تھے۔اس تحریک کا زیادہ تر رُخ منفی سیاست کی طرف تھا اس

لیے یہ تحریک استعماری اقوام کے خلاف نفرت کے جذبات ابھارنے تک محدود رہی اور کوئی قبل ذکر کارنامہ نہ سرانجام دے سکی۔

تحریک رابطہ عالم اسلامی: اتحاد عالم اسلامی کا کام استعماری طاقتوں کے خلاف نفرت کو فروغ دینا تھا اور رابطہ اسلامی کی جمعیت کا کام اپنوں کے خلاف نفرت ابھارنا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے خدمت اسلام سرانجام دینے والے دردمند مخلص اور دیندار مسلمانوں کی راہ میں روڑے اٹکانے کے سوا اور کوئی مقصد اس تنظیم کا نہیں ہے۔

تحریکِ انکارِ حدیث: اس تحریک کے رُوح رواں مولوی عبداللہ چکڑالوی جامعہ ملیہ کے پروفیسر حافظ محمد اسلم جیراجپوری اور رسالہ طلوع اسلام کے غلام احمد پرویز تھے۔ ان میں سب سے مضحکہ خیز طرز عمل مولوی عبداللہ چکڑالوی کا تھا۔ ان کے نزدیک حدیث کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔ ان کا مؤقف یہ تھا کہ مسائل اسلام کو سمجھنے کے لیے حدیث کی کوئی ضرورت نہیں صرف قرآن ہی کافی ہے۔ پروفیسر حافظ محمد اسلم جیراپوری نے انکار حدیث کے نظریہ میں کچھ ترمیم کی اور کہا کہ مسائل عبادت کے تعین کے لیے تو قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے ''عمل متواتر'' کی پابندی ضروری ہے، باقی دینی مسائل کے تعین کے بارہ میں حدیث کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ان مسائل کا فیصلہ ہر زمانہ کا ''مرکز ملّت'' کرے گا۔ غلام احمد پرویز صاحب نے کے نظریہ میں اضافہ کرتے ہوئے فرمایا: دین اور دُنیا عبادات اور معاملات کی تفریق غیر اسلامی اور عجمی سازش ہے اس لیے مسئلہ عبادت سے تعلق رکھتا ہو یا معاملات سے اگر قرآن کریم میں اس کی تصریح نہیں ملتی تو اس کا تعین ہر زمانہ کا ''مرکز ملّت'' کرے گا۔

آل انڈیا خلافت کمیٹی: خلافت کمیٹی کی بنیاد ۵ جولائی ۱۹۱۹ء کو رکھی گئی جس کے پہلے صدر سیٹھ چھوٹانی اور سیکرٹری حاجی صدیق کھتری بنے۔ بعد میں اس کے کرتا دھرتا گاندھی بن گئے۔ مسٹر گاندھی اس تحریک سے بھرپور سیاسی فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے یہی وجہ ہے کہ مجلس احرار اور چند دوسری اسلامی تنظیمیں مسٹر گاندھی کے اشاروں پر ناچتی رہیں۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کا یہ اتحاد سطحی اور جذباتی اور وقتی تھا۔ ان عوامل کا، مسٹر گاندھی نے بھرپور فائدہ اُٹھانے کے بعد ۵ فروری ۱۹۲۹ء کو کمزور خلافت کمیٹی کا خاتمہ کر دیا۔ اس تحریک کے خاتمے پر گاندھی ہندوؤں کے مہاتما بن گئے اور مسلمانوں کے ایک اہم لیڈر مولانا محمد علی جوہر گوشہ گمنامی میں چلے گئے۔

(معارف رضا ماہنامہ کراچی اگست ۲۰۰۹ء)

اسی دور میں ایک تحریک ترکِ موالات بھی شروع ہوئی تھی۔جس کا مقصد ہندوستان کی آزادی کے لیے بائیکاٹ کے ذریعے حکومت برطانیہ پر دباؤ ڈالنا بتایا گیا۔اس تحریک کے قائد اور امام گاندھی تھے۔اس تحریک کے سرپرستوں نے مسلمانوں کو تعلیمی اداروں کے بائیکاٹ اور ہجرت کرنے پر اکسایا۔ ہزاروں لوگوں نے بے وقوفی کرتے ہوئے افغانستان کی طرف ہجرت کی۔اور ذلیل اور رُسوا ہوکر کوڑی کوڑی کے محتاج ہوگئے۔

معزز قارئین! ان تحریکوں کے علاوہ خاکسار تحریک وغیرہ جیسی اور بھی بہت سی تحریکیں اُٹھیں مگر اپنے مقاصد حاصل کیے بغیر گوشہ گمنامی میں چلی گئیں۔ پاکستان بننے کے بعد بھی کئی تحریکوں نے مسلمانوں کی اصلاح کے نام پر جنم لیا۔ جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت، تنظیم اسلامی، دعوت اسلامی، منہاج القرآن، سُنّی تحریک اور دوسری بہت سی تنظیمیں اصلاح اُمّت کے نام پر قائم کی گئی ہیں۔سبھی جانتے ہیں کہ شخصیات کے گرد گھومنے والی یہ تنظیمیں جس قدر اصلاح کی کوشش کرتی ہیں اُس سے زیادہ نفرت کی تعلیم دیتی ہیں جس کے نتیجے میں مسلمان نہ صرف ان تنظیموں سے متنفر ہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کے بارے میں بھی شکوک وشبہات میں مبتلا ہوچکے ہیں کیونکہ سبھی گروہوں نے خودساختہ عقائد کو دین اسلام کی اساس قرار دے دیا ہوا ہے۔مندرجہ بالا تمام اصلاحی تحریکوں کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ خُدا تعالیٰ کے دین متین کا صحیح ادراک نہ ہونا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین دلانے کا سب سے بڑا ذریعہ وحی، الہام اور کشف وغیرہ ہیں۔مگر نام نہاد اسلامی تحریکوں کے قائدین نے لوگوں کو باور کرا دیا ہوا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ نہ بولتا ہے نہ سُنتا ہے اور نہ ہی کوئی نبی آنے والا ہے، اب صرف ہمارے جیسے قائدین پر ہی گزارا کرنا ہوگا۔مسیح موعود وامام مہدی علیہ السلام کے بارے میں بھی مسلمانوں کو باور کروایا جارہا ہے کہ وہ شاید لاکھوں برس بعد آئیں، جب آئیں گے تو وہ نہ نبی ہوں گے، نہ ان ہی اُن پر وحی نازل ہوگی اور نہ ہی اُن کی بیعت ضروری ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں اب طاہر القادری، غامدی ، الیاس قادری، ابتسام الٰہی ظہیر، ثروت قادری، ڈاکٹر ذاکر، طاہر اشرفی اور امین سیالوی وغیرہ وغیرہ جیسے مولویوں کے نازنخرے اُٹھانا مسلمانوں کا مقدّر رہے۔مگر خاکسار مسلمانوں کو یقین دلاتا ہے کہ قطعاً مسلمانوں کا نصیب اتنا بُرا نہیں ہوسکتا کہ فرقہ مولویاں مسلمانوں کو ذلیل اور رُسوا کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ ان دُنیا پرست مولویوں کا سدّ باب کرنے کے لیے کوئی اقدام نہ کرے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

RH ACCIDENT CLAIM SERVICES LTD

Give us a call on 020 3674 7909

RH ACCIDENT CLAIM SERVICES LTD

free professional, friendly and confidential advice

24 Hours Phone Service - 7 Days a Week DIAL 07792998973

Have you been injured in an accident that wasn't your fault?

If so, we're here to help

REPLACEMENT CAR WITHIN 24 HOURS

Loss of earnings - Protection of no claim - storage and recovery - personal injury - replacement car

Road Accident

Personal Injury

Accident at Work

Fall, Slip & Trip

Personal Injury Specialist

No win No fee

2 London Road, SM4 5BQ Morden - Surrey
Opening Hours: Mon-Fri 10:00 - 17:00
Tel. 020 3674 7909 Mob. 077 9299 8973
Email: info@rhacs.co.uk

عرضِ ناشر

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ اس نے چیف ایڈیٹر رسالہ پیشوا انٹرنیشنل لندن محترم رانا محمد حسن صاحب کی نئی کتاب ''گونگی شرافت'' شائع کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ موصوف کی ہر ایک کتاب میں ان کا دکھی انسانیت سے محبت کا جذبہ جا بجا دکھائی دیتا ہے۔ اسی پر خلوص جذبے ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے ''**خزینة الشفاء**'' ''**امراضِ خواتین**'' ''**امراضِ مردانہ**'' تحریر کروائیں۔ اور پھر موصوف نے ''**سائبان**'' کے نام سے کتاب تحریر کر کے انسانیت کی خدمت کی۔ اس کتاب میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں والدین، خواتین اور بچوں کے حقوق و فرائض بیان کیے گئے ہیں۔ ''**وارثانِ ابوجهل**'' میں موصوف نے نام نہاد مذہبی و سیاسی شخصیات کے چمکتے دمکتے چہروں سے پردہ ہٹا کر ان کے اصل کریہہ چہرے دکھائے ہیں۔ اسی طرح ایک اور کتاب ''**علماء سو**'' میں اختلافی مسائل جیسے کہ توہین مذہب، فرقہ واریت، ختم نبوت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی، دجال اور قیامت کی نشانیوں پر تفصیل سے بات کی ہے۔

اللہ تعالیٰ محترم رانا صاحب کو صحت و سلامتی والی فعال اور لمبی زندگی عطا فرمائے اور انسانیت کی بھلائی کی خاطر انہیں مختلف موضوعات پر لکھنے کی توفیق بھی دیتا چلا جائے۔

آمین یا ربّ العالمین۔

طالبِ دُعا

محمد ثاقب رشید